موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

پیامِ زیست



مولانا احمد قاسمی

شائع کردہ

الغزالی فورم

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے

قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

پیام زیست

مصنف

مولانا احمد قاسمی صاحب

شائع کردہ: الغزالی فورم

www.algazali.org

﴾جملہ حقوق محفوظ ہیں﴿

کتاب: پیامِ زیست

تحاریر: مولانا احمد قاسمی صاحب

ضبط و ترتیب: محمد داؤد الرحمن علی

باہتمام: الغزالی اردو فورم

ویب سائٹ: www.algazali.org

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم مولانا احمد قاسمی صاحب مد ظلہ ہمارے لئے بڑے بھائی کے مثل ہیں، میں نے ان سے بہت استفادہ کیا ہے، آپ نوے کی دہائی کے فاضل دیو بند ہیں، آپ کے اندر کام کا جذبہ اور حوصلہ ہے، آپ کی خواہش ہوتی ہے کہ نئی نسل کو لکھنے اور پڑھنے کا فن اور ہنر حاصل ہو جائے، اسی طرح ان کا ایک دیرینہ خواب ہے کہ نئی نسل جو لکھتی ہے لیکن ان کی تحریریں اخبارات میں زینت نہیں بن پاتی ہیں، حالانکہ ان کا حوصلہ اور ان کے عزائم کو تقویت اسی وقت مل سکتی ہے جب ان کی تحریریں اشاعت کے مرحلہ سے بھی گزرنے لگیں۔ قاسمی صاحب نے اس کام کے لئے نیٹ کا سہارا لیا، اپنی جیب خاص سے ایک اردو فورم ''الغزالی'' کے نام سے رجسٹر کیا چنانچہ بے شمار لوگوں کو اس فورم سے فائدہ پہنچنے لگا۔ میں بھی ایک فرد ہوں جس نے اس فورم سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ فللہ الحمد

قاسمی صاحب بطور ایڈمن اور مدیر اس فورم پر کبھی کبھی وقتاً فوقتاً دینی باتیں لکھتے رہے ہیں، یا کسی بھی معتبر شخصیت کے دینی مضمون اور فوائد پیش کرتے رہے ہیں۔ مجھے تو امید بھی نہیں تھی کہ اُن کے اِن مضامین کا مجموعہ اتنا ضخیم ہو جائے گا۔

میں محترم مولانا محمد داؤد الرحمن علی حفظہ اللہ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے الغزائی اردو فورم سے ان یواقیت وجواہر کو جمع ویکجا کرکے خوان نعمت سجا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو قبول فرمائے اور دارین کی ترقی کا ذریعہ بنائے۔

﴿ناصر الدین مظاہری﴾

استاذ جامعہ مظاہر العلوم (وقف) سہارنپور

21ذیقعد1444ہجری

پیش لفظ

قارئین کرام! آپ جانتے ہیں الغزالی اردو فورم ایک قدیم اسلامی فورم ہے۔جو اپنی ماضی کی شاندار روایات کے ساتھ آج بھی سر گرم عمل ہے۔اس فورم کے قیام کے ساتھ ہی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا، درمیان میں کئی دشوار یاں حائل ہوئیں، نامساعد حالات سے بھی سابقہ پڑا مگر کلی طور پر کبھی یہ سلسلہ منقطع نہ ہوا۔الغزالی فورم کا ترجمان "افکار قاسمی "اس کی ایک بہترین مثال ہے۔

حضرت مولانا احمد قاسمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے پہلا تعارف 2011 میں ہوا تھا۔جب ہم اس فورم پر رجسٹرڈ ہوئے تھے۔اگرچہ حضرت سے تعلق غائبانہ تھا پر ہر موڑ پر ایک بڑے بھائی کی طرح محبت فرمائی۔الحمد اللہ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کی زیر سرپرستی دین کا خدمت کا موقع ملا۔

قاسمی صاحب خوش بخت و خوش نصیب ہیں جنہیں اللہ تعالی نے ایک خوبصورت، نرم اور حساس دل کا مالک بنایا ہے۔ موصوف نے ہمیشہ میری ٹوٹی پھوٹی تحاریر کو پڑھا اور اصلاح کی۔انٹرنیٹ پر میری تحاریر پڑھ کر ہمیشہ پسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں اور مجھے مزید نکھار پیدا کرنے کا حوصلہ ملتا ہے۔

مفتی ناصر الدین مظاہری صاحب کی کتاب "واردات دل" کی ضبط و تحریر کے دوران خیال آیا کہ قاسمی صاحب کی منتشر شگفتہ تحاریر کو بھی ایک ای بک کی شکل میں لایا جائے تاکہ ہم جیسوں کو پڑھنے اور استفادہ حاصل کرنے کا موقع ملے۔ پھر کیا تھا الغزالی اردو فورم پر قاسمی صاحب کے قلم کے بکھرے موتیوں کو یکجا کرنا شروع کر دیا۔ قاسمی صاحب کی تحاریر انٹرنیٹ پر پڑھنے والے ہزاروں افراد کی پسندیدگی نے مہمیز کا کام کیا، ان کے سوز و ساز نے مردہ قلوب میں تابانیاں پیدا کیں، ان کے مشاہدات نے بہت سوں کو متاثر کیا اور اب یہ e-book منصۂ شہود پر جلوہ فگن ہو رہی ہے۔

ان کی اس کتاب میں ان کے قلم سے ان کی دل کی ترجمانی ہے جسے آپ پڑھیں گے اور قدم قدم پر آپ کو محسوس ہو گا کہ ہمارے معاشرے میں موجود برائیوں، خرافاتوں اور بدعتوں کو کس درد، کس قلق، کس رنج میں ڈوب کر تحریر کیا گیا ہے۔ سچائی یہ ہے کہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر، خلوص کے قلم اور ایمان کی روشنائی سے جو چیز بھی لکھی جائے وہ اثر رکھتی ہے۔

ادب و سلیقہ، وقار و شائستگی، نظافت و پاکیزگی، تمیز و حسن انتخاب، ترتیب و تنظیم، لطافت احساس و حسن ذوق، عالی ظرفی اور شرافت طبع، ہمدردی اور خیر خواہی، نرم خوئی اور شیریں کلامی، تواضع اور انکساری، ایثار و قربانی، بے غرضی اور خلوص، استقلال و پامردی، فرض شناسی اور مستعدی، خدا ترسی اور پرہیزگاری، توکل و جرات اقدام، یہ اسلامی زندگی کے وہ دلکش خد و خال ہیں جن کی بدولت مؤمن کی بنی سنوری زندگی میں وہ غیر معمولی کشش اور وہ اتھاہ جاذبیت پیدا ہوتی ہے کہ نہ صرف اہل اسلام بلکہ اسلام سے ناآشنا بندگان خدا بھی بے اختیار اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔

آج امت مسلمہ کے عروج کا سورج غروب ہو رہا ہے۔ سلگتی شام اپنے دامن سیاہ میں دنیا کی لذت گراں خوابی اور تاریک و ناتمام جذبوں کو لپیٹے کسی گلیم کی طرح پھیلنا شروع ہو چکی ہے۔

ایسے نامساعد حالات میں بھی اللہ کے خاص بندے اپنے قلم و قرطاس سے اصلاح معاشرہ کا فریضہ سرانجام دینے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ توقع ہے کہ "پیام زیست" کا یہ مجموعہ ہر طبقے اور ہر عمر کے شائقین کے لیے خدا کے فضل و کرم سے خاطر خواہ مفید ثابت ہوگا۔

"پیام زیست" اصلاح معاشرہ کے موضوع پر لکھی گئی کتب میں کسی نئی کتاب کا اضافہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ مختلف اوقات میں لکھی گئی مولانا احمد قاسمی صاحب جیسے اہل علم و فن کی دلکش تحاریر کا ایک خوبصورت مجموعہ ہے۔

اس کتاب میں نیر تاباں، مہر ودرخشاں، مونس دل شکستگاں، راحت قلوب عاشقاں، سیاح لامکاں، سردار دوجہاں، باعث کن فکاں، سیدنا و مولانا و ملجانا و ماوانا حضرت احمد مجتبی محمد مصطفی علیہ التحیتہ والثناء ﷺ کی سیرت اقدس جو کہ بنی نوع انسان کے لیے مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے کا ذکر بھی ہے، امت مسلمہ کے زوال وانحطاط کا تذکرہ بھی ہے۔ آداب زندگی بھی ہیں اور آداب معاشرت بھی۔

غرض آپ اس کتاب کو اللہ کے فضل و کرم سے بہت مفید پائیں گے۔ کتاب کی ترتیب میں جن اہم کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان کے حوالے موقع پر ہی دے دیئے گئے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ ان کے قلم کے یہ گوہر و جوہر، ان کے دل کی یہ آوازیں، ان کے سوز و ساز زندگی کی یہ تڑپ اپنا اثر ضرور دکھائے گی۔

آج میرے لیے نہایت اعزاز کی بات ہے کہ مجھے یہ شرف حاصل ہو رہا ہے کہ میں اس کتاب کو اراکین و قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

دعاؤں کا طالب

﴿محمد داؤد الرحمن علی﴾

جامعہ عثمانیہ گلشن بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

09/ذیقعد 1444ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمالیاتی ذوق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو لباس اور شکل وصورت میں حسن وجمال کے ساتھ رہنے کی ترغیب فرماتے تھے۔احادیث میں آتا ہے،

"ان النبی کان یاخذ من لحیته من عرضها وطولها"(1)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ریش مبارک کو طول اور عرض دونوں میں تراشا کرتے تھے"

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل تھا۔صحابہ اکرام کو بھی حسن ہیئت کے ساتھ رہنے کی تاکید فرماتے تھے۔

ایک روز آپ مسجد میں رونق افروز تھے۔ایک صحابی آئے جن کے سر اور داڑھی کے بال الجھے ہوئے اور پراگندہ تھے آپ نے انہیں دیکھ کر

"فاشار الیه رسول الله بیده ان اخرج ففعل الرجل ثم رجع فقال الیس هذا خیرا من ان یأتی احدکم ثائر الرأس کانه شیطان؟

---

(1)شرح ابن عربی،ج،اص،۲۱۹۔

"اور اپنے بال سنوار کر واپس آئے۔ آپ نے فرمایا، کیا اب تم اچھی حالت میں نہیں ہو، اس پہلی حالت سے کہ تمھارے بال پراگندہ تھے، گویا کہ شیطان ہے۔"[1]

ایک بد ہیئت انسان کو شیطان سے تشبیح دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر کیا کہ صورت ولباس کو خراب خستہ رکھنا کس قدر ناپسند دید ہے۔

ایک صحابی مونچھیں اور لبیں بڑھی ہوئی تھیں۔ آپ نے مسواک اور استرا منگایا اور بڑھے ہوئے بال مسواک رکھ کر انہیں کاٹ دیا۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا، جس کے کپڑے میلے کچیلے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا:

اما کان هذا ماء يغسل به ثوبه

کیا اس کے پاس پانی نہیں، جس سے یہ اپنے کپڑے صاف کرے[3]

---

(1) موطا امام مالک مطبوعہ مصر مع شرح زرقانی ۴ ص: ۳۳۸

(2) ابوداؤد الطیالسی مطبوعہ ہند ص: ۹۵

(3) ابوداؤد مصری۔ بحوالہ اخلاق رسول اکرم

یتیم کا راج

تمدن کی نمائش گاہوں سے دور

کچھ کم چودہ سو برس کا زمانہ گزرتا ہے، کہ تمدن کی نمائش گاہوں سے کوسوں دور تہذیب کے سبزہ زاروں سے الگ، ایک ویران وبے رونق بستی میں، چلچلاتی دھوپ والے آسمان کے نیچے، خشک اور پتھریلی سرزمین کے اوپر، ایک شریف لیکن اَن پڑھ اور بے زر خاندان میں، ایک بچہ عالم وگل میں آنکھ کھولتا ہے۔

دعویٰ کی دلیل، صرف خدا کا سہارا

شفیق باپ کا سایہ پہلے ہی اٹھ چکا ہے، ماں بھی کچھ ہی روز بعد سفر آخرت اختیار کر لیتی ہیں۔ تربیت کے جو ظاہری قدرتی ذریعے ہیں۔ بوڑھے دادا اپنے آغوش تربیت میں لے لیتے ہیں۔بچہ کا بچپن ابھی ختم نہیں ہونے پاتا کہ وہ بھی ہمیشہ کی گہری نیند سو جاتے ہیں گھر میں نہ نقد ہے نہ جائیداد، نہ حکومت ہے نہ ریاست۔ خانہ ویرانی کا یہ عالم ہے کہ نہ ماں ہے نہ باپ۔ نہ دادا ہیں نہ دادی، نہ بھائی ہیں، نہ بہن۔ تن تنہا، بے ساز وسامان، بے یار ومددگار، ایک نو عمر اللہ کا بندہ ہے، جسے سہارا ہے تو اسی نظروں سے اوجھل مولیٰ کا، آسرا ہے تو اسی نگاہوں سے غائب مالک کا!

عربوں کی حالت

ملک کی حالت یہ کہ شرک کی گھٹائیں ہر طرف چھائی ہوئی، ساری قوم مخلوق پرستی میں ڈوبی ہوئی، بدکاری فیشن میں۔انسانی ہمدردی کے مفہوم سے دماغ ناآشنا۔ہر قسم کے فسق وفجور کی گرم بازاری، بات بات پر لڑنا، اور پشت ہا پشت تک لڑتے رہنا۔یتیموں کی حق تلفی، غریبوں کے ساتھ بیدردی، اخلاقی وبائیں اور روحانی بیماریاں گھر گھر مسلط۔یہ حد سے گزری حالت تو خاص اسی قوم کی اور اس کے ملک کی۔

دنیا کا رنگ

باقی جتنی ہمسایہ قومیں ہیں، ان میں سے کسی ایک کی بھی زندگی، پاکی وپاکیزگی کے معیار پر نہیں۔ مصر وایران، چین وہندوستان۔ مشہور تھا کہ یہ تمام ملک ایک زمانہ میں علم، تہذیب وتمدن کے گہوراے تھے۔لیکن اس وقت سب کے سب اخلاقی گندگیوں اور روحانی ناپاکیوں کے رمنے بنے ہوئے تھے، توحید وخداپرستی جو سارے اخلاقی نشو ونما کی جڑ ہے، سرے سے وہی کٹی ہوئی، خالق کی یاد دلوں سے غائب، اور طرح طرح کے وسیلوں اور واسطوں کی پرستش ہر دل میں رچی ہوئی، متفرق طور پر کہیں کہیں اصلاح کر نے والے بھی پیدا ہوتے ہیں، لیکن سیلاب کی رَو میں کس کے قدم جم سکتے ہیں؟

ظہور قدسی

فضائے ملک، بلکہ فضائے عالم کی اس تیرگی میں یہ نو عمر یتیم کھڑا ہوتا ہے، اور اپنی پاک اور پاکیزہ کتاب زندگی کے ہر ورق کو کھول کر رکھ دیتا۔اور اپنی زندگی کا ایک کامل ومکمل نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر کے حوصلہ یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو بھی اپنا جیسا بنایا جائے۔

ایک طرف سے ساز و سامان سے محرومی ہے ہر پہلو سے بے کسی اور بے بسی ہے، ہر اعتبار سے بے اختیاری ہے، اور دوسری طرف ملک و قوم کی اصلاح کی امنگیں ہیں، بلکہ کہنا چاہیئے، کہ ساری کائنات انسانی کے سدھارنے کے حوصلے ہیں۔

لیکن "اصلاح قوم" آج کل کے مفہوم میں نہیں۔ اس لیے نہ کسی انجمن کی بنیاد پڑتی ہے، نہ ہی کوئی پارٹی بنائی جاتی ہے، نہ کسی کمیٹی کے لیے کوئی فنڈ کھولا جاتا ہے بلکہ سارا وقت، اور ساری قوت اپنے آپ کو تیار کرنے میں صرف ہوتی ہے! یہ نو عمر، حسین و خوش رو ہے، نوجوانی کا خون اس کی رگوں میں بھی گردش کرتا ہے، ملک میں گھر گھر فحش و بے حیائی کے چرچے ہیں، لیکن اس کی نیچی نظروں پر خود حیاداری قربان ہو جاتی ہے۔

مئے ناب کے ساغر ہر طرف چھلک رہے ہیں، پیمانہ چاروں طرف گردش میں ہے، لیکن اس کے دامن تقویٰ پر فرشتے تک نماز پڑھنے کے آرزو مند ہیں۔ لوگ لڑ رہے ہیں۔ یہ صلح کرا رہا ہے۔ قوم چھیننے میں مصروف ہے، یہ بانٹنے میں۔ دنیا تحصیل و فراہمی میں لگی ہوئی ہے، اور یہ عطا و بخشش میں۔ عالمِ مخلوق مخلوق پرستی کی لعنت میں مبتلا ہے، ایک اس کے دل میں خالق کی لو لگی ہوئی ہے۔[1]

---

(1) ذکر رسول

اقوال حضرت علی رضی اللہ عنہ

❖ زہد امید کا گھٹانا اور ایمان اخلاص عمل کا نام ہے۔

❖ علم کا انجام ہلاکت ہے اور شہوتیں زہر قاتل اور مطلوب کا فوت ہو جانا دل کو جلانے والی حسرت ہے۔

❖ فکر سے حکمت پیدا ہوتی ہے۔ عبرت پکڑنے سے عصمت حاصل ہوتی ہے۔

❖ گناہ پر جمے رہنا بڑا گناہ ہے اور سرکشی کی سزا بہت جلد مل جاتی ہے۔

❖ ایثار اللہ کے بندوں کی خصلت اور احتکار (غلہ روکنا) بدکاروں کی عادت ہے۔

❖ حریص لالچی کبھی خوش نہیں ہوتا۔

❖ حاسد کو کسی سے دوستی نہیں۔ جھگڑالو کی رائے نہیں اور خائن سے کبھی وفا نہیں۔

❖ تکبر عین حماقت اور فضول خرچی محتاجی کی علامت ہے۔

❖ نجات ایمان کی رفیق، فضیلت احسان کی ساتھی اور کمینگی منت رکھنے کی مصاحب ہے۔

❖ گناہوں پر نادم ہونا ان کو مٹانا اور نیکیوں پر مغرور ہونا ان کو برباد کر دینا ہے۔

❖ صلح حلم اور بربادی کا ثمرہ ہے اور نرمی طبع صلح کی طرف پہنچاتی ہے۔

❖ قدرے بھوک رکھنا، کم کھانا نہایت سودمند دوا ہے اور شکم پُری سے بہت امراض پیدا ہوتے ہیں۔

❖ استغفار گناہوں کی دوا، سخاوت کی شاخوں پردہ پوشی کی علامت ہے۔

❖ کرم و سخاوت نہایت بہترین خصلت اور ایثار اعلیٰ درجہ کی سخاوت ہے۔

- ❖ نیکی کبھی فنا نہیں ہوتی اور برائی پر بدکار کو سزا ملتی اور رسوائی حاصل ہوتی ہے۔
- ❖ اعمال نیت کا پھل اور عذاب وسزا برائیوں کا ثمرہ ہے۔
- ❖ دنیا عقلوں کے پھسلنے کی جگہ ہے اور شہوتیں نادانوں کو اپنا غلام بنالیتی ہیں۔
- ❖ انصاف حکومت کی زینت اور معافی قوت واقتدار کی زکوٰۃ ہے۔
- ❖ وعظ شفا دینے والی نصیحت اور غور وفکر ایک صاف آئینہ ہے۔
- ❖ جلد بازی کامیابی سے باز رکھتی اور خدائے تعالیٰ کی نافرمانی قبولیت دعا کو روکتی ہے۔
- ❖ جھگڑا برائی کا بیج اور نادانی تمام کاموں کو بگاڑنے والی ہے۔
- ❖ ناامیدی آرام دینے والی آزادی اور بردباری نرم اور اچھی خصلت ہے۔
- ❖ قناعت سے رہنا نہایت پُر لطف زندگی ہے اور غضب انسان کو طیش میں لاتا ہے۔
- ❖ غور وفکر عقلوں کو صیقل کرنے والے اور حماقت فضول کاموں میں ڈالنے والی ہے۔
- ❖ تواضع شرافت کی زکوٰۃ، پرہیزگاری، نیکوئی کی کنجی، اور توفیق الٰہی تمام کامیابی کا سر ہے۔
- ❖ حسد بدن کو مٹاتا اور شریف آدمی حسد سے بیزار رہتا ہے۔
- ❖ موتیں تمام آرزوؤں اور امیدوں کا خاتمہ کر دیتی ہیں اور لمبی لمبی امیدیں رکھنا جاہلوں اور نادانوں کا کام ہے۔

نماز شکر یا سجدہ شکر

"شکر" کے معنیٰ ہیں احسان ماننا، قدر پہچاننا اور نعمت کو ظاہر کرنا اس کے مقابلہ میں **"کفر"** کا لفظ استعمال ہوتا ہے کفر کے معنیٰ ہیں نعمت کو بھولنا اور اس کو چھپانا، شکر پانچ امور پر مبنی ہے۔

اول: شاکر کی مشکور کے لئے فروتنی۔

دوسرے: اس سے محبت کرنا۔

تیسرے: اس کی نعمت کا معترف ہونا۔

چوتھے: اس نعمت کی بنا پر اس کی ثنا (تعریف) کرنا

پانچویں: اس نعمت کو ایسی جگہ استعمال میں نہ لانا، جہاں وہ ناپسند کرے۔

یہ پانچ باتیں شکر کی اساس (یعنی جزء اور اصل) ہیں اور ان ہی پر اس کی بنیاد ہے۔[1]

---

(1) لغات القرآن جلد سوم ص 295

جب انسان کو کوئی نعمت حاصل ہو یا غم اور مصیبت سر سے ٹل جائے (کہ یہ بھی ایک نعمت ہے) تو اس کو سجدہ شکر کرنا چاہئے۔

احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مسرت کے موقعوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ شکر کیا ہے۔

جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے لئے مکہ سے روانہ ہوئے، پس جب ہم "غروزاء" (ایک جگہ کا نام ہے) کے قریب آگئے تو آپ (اونٹ سے) اترے پھر دست مبارک اٹھا کر کچھ دیر دعا فرماتے رہے، اس کے بعد سجدہ میں چلے گئے اور دیر تک سجدہ ہی میں رہے پھر (سجدہ سے) اٹھے اور دوبارہ دعا فرمائی، پھر سجدہ میں چلے گئے، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار کیا اور فرمایا! میں نے اپنے رب سے اپنی امت (کی مغفرت) کے لئے سفارش کی تھی تو میرے رب نے مجھے تہائی امت (کی مغفرت کی بشارت) دیدی تو میں نے اس پر شکر کا سجدہ کیا پھر میں نے (سجدہ سے) سر اٹھایا اور امت کے لئے درخواست پیش کی تو اور تہائی امت دیدی (دوسری بار) پھر میں نے (سجدہ سے) اٹھایا اور امت کے لئے درخواست پیش کی تو اس مرتبہ اللہ تعالیٰ نے باقی تہائی امت بھی دیدی، اس پر بھی میں نے سجدہ شکر کیا۔[1]

(1) مشکوۃ باب السجود الشکر ص 131

اور روایتوں میں بھی آتا ہے کہ غزوہ بدر میں قتلِ ابو جہل اور فتح اسلام کی خوشی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ شکر کیا تھا۔

اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے قتل کی خبر پاکر سجدہ شکر کیا تھا۔

ایک ضروری مسئلہ

بعض ناواقف لوگ نماز کے بعد سنت سمجھ کر ایک یا دو سجدے کرتے ہیں (کبھی کبھی یہ) سجدہ اتنا طویل ہو جاتا ہے کہ اتنی دیر میں دو رکعت نفل نماز بڑی آسانی سے پڑھی جاسکتی ہے، یہ مکروہ ہے اور کسی حدیث سے ثابت نہیں، ہمارے فقہا اس مناجاتی سجدہ کو مکروہ کہتے ہیں۔

وسجدۃ الشکر مستحبۃ بہ یُفتیٰ لکنھا تُکرہ بعد الصلوٰۃ لان الجھلۃ یعتقدونھا سنۃ او واجبۃ وکل مباح یودی الیہ فمکروہ[1]

سجدہ شکر مستحب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، لیکن نماز کے بعد مکروہ ہے، کیونکہ ناواقف لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ سجدہ سنت ہے یا واجب اور ہر مباح جو سنت یا واجب سمجھا جانے لگے (تو پھر وہ) مکروہ ہو جاتا ہے یعنی اس کو ترک کرنا ضروری ہوتا ہے۔

---

(1) در مختار، ج ۱، باب سجود التلاوۃ

حنفی مسلک میں محض 'سجدہ شکر'' مکروہ ہے، احادیث اور آثار میں جہاں کہیں سجدہ شکر کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد نماز ہے، جس کو سجدہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ بجائے سجدہ پوری دو رکعت نماز پڑھ لی جائے۔

کلمہ شکر

شکر گزاری کا اعلیٰ طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اپنے ہاتھ پاؤں زبان وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کے حکموں کی تعمیل میں لگائے رکھیں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت اور دولت کو صحیح مصرف میں خرچ کریں۔

معذوروں، بیماروں، کمزوروں اور اپاہج لوگوں کی خدمت کریں۔

بھوکوں کو کھانا کھلائیں اور ننگوں کو کپڑے پہنائیں۔ غریبوں کی غربت دور کرنے کی فکر اور کوشش کریں۔

شب برات کے فضائل واحکامات

اللہ تعالی نے شعبان المعظم کی پندرھویں شب کو ایک خاص فضیلت عطا فرمائی ہے چنانچہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرماتے ہیں ابن ماجہ شریف کی روایتیں پیش خدمت ہیں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَخَرَجْتُ أَطْلُبُهُ فَإِذَا هُوَ بِالْبَقِيعِ رَافِعٌ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ أَكُنْتِ تَخَافِينَ أَنْ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْكِ وَرَسُولُهُ قَالَتْ قَدْ قُلْتُ وَمَا بِي ذَلِكَ وَلَكِنِّي ظَنَنْتُ أَنَّكَ أَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعَرِ غَنَمِ كَلْبٍ

حضرت عائشہ فرماتی ہیں ایک رات میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (اپنے بستر پر نہ) پایا تو تلاش میں نکلی دیکھتی ہوں کہ آپ بقیع میں آسمان کی طرف سر اٹھائے ہوئے ہیں۔آپ نے فرمایا اے عائشہ ! کیا تمہیں یہ اندیشہ ہوا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے (کہ میں کسی اور بیوی کے ہاں چلا جاؤں گا) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا مجھے ایسا کوئی خیال نہ تھا بلکہ میں نے سمجھا کہ آپ اپنی کسی اہلیہ کے ہاں (کسی ضرورت کی وجہ سے) گئے ہوں گے۔ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالی نصف شعبان کی شب آسمان

دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور بنو کلب کی بکریوں سے بھی زیادہ لوگوں کی بخشش فرمادیتے ہیں (بنو کلب کے پاس تمام عرب سے زیادہ بکریاں تھیں)

أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ لَيَطَّلِعُ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَقَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَسْوَدِ النَّضْرُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ الزُّبَيْرِ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ الضَّحَّاكِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا مُوسَى عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب متوجہ ہوتے ہیں اور تمام مخلوق کی بخشش فرمادیتے ہیں سوائے شرک کرنے والے اور کینہ رکھنے والے کے۔ دوسری سند سے بھی ایسا ہی مضمون مروی ہے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُومُوا لَيْلَهَا وَصُومُوا نَهَارَهَا فإذَ إِنَّ اللَّهَ يَنْزِلُ فِيهَا لِغُرُوبِ الشَّمْسِ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ لِي فَأَغْفِرَ لَهُ أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهُ أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ أَلَا كَذَا أَلَا كَذَا حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ

حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب نصف شعبان کی رات ہو تو رات کو عبادت کرو اور آئندہ دن روزہ رکھو اس لئے کہ اس میں غروب شمس سے فجر طلووع ہونے

تک آسمان دنیا پر اللہ تعالیٰ نزول فرماتے ہیں اور یہ کہتے ہیں ہے کوئی مغفرت کا طلبگار کہ میں اس کی مغفرت کروں۔ کوئی روزی کا طلبگار کہ میں اس کو روزی دوں۔ ہے کوئی بیمار کہ میں اس کو بیماری سے عافیت دوں ہے کوئی ایسا ہے کوئی۔ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے

مفتی فیاض احمد محمود اپنے مضمون شب برأت شریعت کی نظر میں لکھتے ہیں کہ سنن ابن ماجہ کی اس روایت کو تمام محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ البتہ بعض حضرات نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ لیکن حدیث کا علم رکھنے والے معروف عالم اور مقام شناس مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے اس کی تردید کی ہے اور چونکہ یہ حدیث ایک فضیلت والے عمل سے تعلق رکھتی ہے اس لئے ضعیف ہونے کے باوجود بھی قابل قبول ہے۔[1]

اس اعتبار سے روزہ مستحب کا درجہ رکھتا ہے۔ البتہ بہتر بات یہ ہے کہ اس روزہ کے ساتھ اس سے پہلے ۱۴ اور ۱۳ شعبان کا بھی روزہ رکھا جائے تا کہ اگر بالفرض یہ حدیث کمزور بھی ہو تو ایام بیض کے روزوں کی سنیت حاصل ہو جائے جیسے کہ علامہ ابن حجر تیمیؒ نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

اما صوم یومها فهو سنة من حيث كونه من جملة الايام البيض لا من حيث خصوصه

(1) قاموس الفقہ، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ۴-۲۹۹

کہ شب برات کا روزہ ایام بیض کے طور پر سنت ہے خاص طور پر اس دن سنت نہیں ہے۔

البتہ بہشتی زیور میں اس طرح لکھا ہے۔

مسئلہ ۱۳۔ شب برات کی پندرہویں اور عید کے چھ دن نفل روزہ رکھنے کا بھی اور نفلوں سے زیادہ ثواب ہے۔

شب برات کی اتنی اصل ہے کہ پندرہویں رات اور پندرھواں دن اس مہینے کا بہت بزرگی اور برکت کا ہے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کو جاگنے کی اور اس دن کو روزہ رکھنے کی رغبت دلائی ہے اور اس رات میں ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے قبرستان میں تشریف لے جا کر مردوں کے لیے بخشش کی دعا مانگی ہے۔ تو اگر اس تاریخ میں مردوں کو کچھ بخش دیا کرے چاہے قرآن شریف پڑھ کر چاہے، کھانا کھلا کر چاہے، نقد دے کر چاہے، ویسے ہی دعا بخشش کی کر دے تو یہ طریقہ سنت کے موافق ہے۔

اس سے زیادہ جتنے بکھیڑے لوگ کر رہے ہیں اس میں حلوے کی قید لگا رکھی ہے اور اس طریقے سے فاتحہ دلاتے ہیں اور خوب پابندی سے یہ کام کرتے ہیں یہ سب واہیات ہیں۔ سب باتوں کی برائی اوپر ابھی پڑھ چکی ہو اور یہ بھی سن چکی ہو کہ جو چیز شرع میں ضروری نہ ہو اس کو ضروری سمجھنا یا حد سے زیادہ پابند ہو جانا بری بات ہے۔

مسئلہ جس قدر نمازیں یہاں بیان ہو چکیں ان کے علاوہ بھی جس قدر کثرت نوافل کی جائے باعث ثواب و ترقی درجات ہے خصوصا ان اوقات میں آج کی فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے اور ان

میں عبادت کرنے کی ترغیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے مثل رمضان کے اخیر عشرہ کی راتوں اور شعبان کی پندرہویں تاریخ کے ان اوقات کی بہت فضیلتیں اور ان میں عبادت کا بہت ثواب احادیث میں وارد ہوا ہے ہم نے اختصار کے خیال سے ان کی تفصیل نہیں کی۔ [1]

ایک روایت میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا:

"چار راتوں میں اللہ تعالیٰ خیر و برکت کی بارش فرماتے ہیں: عیدالاضحی کی رات، عیدالفطر کی رات، پندرہویں شعبان کی رات اس رات اللہ تعالیٰ کاموں (اور بالخصوص موت) کے اوقات اور رزق لکھ دیتا ہے اور اس سال حج کرنے والوں کے نام لکھ دیتا ہے، اور عرفہ یعنی یوم الحج کی رات۔ ان راتوں میں خیر و برکت کی برسات اذان فجر تک جاری رہتی ہے۔"۔

حضرت عطاء بن یسار سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

جب شعبان کی پندرہویں رات آتی ہے تو ملک الموت کو ایک کتاب دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے جن کے نام اس کتاب میں ہیں اُن کی روحیں قبض کرو! بندہ باغات لگا رہا ہوتا ہے، شادیاں کر رہا ہوتا ہے اور عمارتیں تعمیر کر رہا ہوتا ہے (اور اسے معلوم نہیں ہوتا) کہ اسکا نام مرنے والوں میں لکھ دیا گیا ہوتا ہے۔

(1) بہشتی زیور

احادیث بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ شب برات رحمتوں بخششوں اور مغفرتوں کی رات ہے، کچھ بد نصیب ایسے ہیں جن کی مغفرت اس بخشش بھری رات میں بھی نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ سچی توبہ نہ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ اس رات فرشتوں کو سال بھر کے اہم امور کا پروگرام دے دیتے ہیں۔

چونکہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے اپنی قضاوں میں تبدیلی بھی فرما دیتے ہیں، لہٰذا بندے کو چاہیے کہ اس رات اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی خیرات و برکات کا سوال کرے اور رب غفور و رحیم کی بارگاہ میں دنیا و آخرت کے مصائب و آلام سے نجات کا سوال کرے۔

اکابرین امت کے اقوال

علامہ ابن الحاج مالکیؒ فرماتے ہیں کہ "اس رات کے بڑے فضائل ہیں اور بڑی خیر والی رات ہے اور ہمارے اسلاف اسکی بڑی تعظیم کرتے تھے اور اس رات کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرتے تھے۔[1]

علامہ ابن تیمیہؒ کے شاگرد ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ "شام کے مشہور تابعی خالد بن لقمانؒ وغیرہ اس رات کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور اس رات میں خوب عبادت کرتے تھے۔[2]

(1) المدخل لابن الحاج ۱۔۲۹۹

(2) لطائف المعارف ۱۴۴

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں کہ "اور مستحب ہے شعبان کی پندرھویں رات بیداری کرنا[1]

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ "مستحب ہے شعبان کی پندرھویں رات عبادت کرنا[2]

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں "کہ شب برات کی اتنی اصل ہے کہ پندرھویں رات اور پندھواں دن اس مہینہ کا بزرگی اور برکت والا ہے۔[3]

کفایت المفتی میں ہے کہ پندرھویں شب ایک افضل رات ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ اس رات بیداری کرنا مستحب ہے اور فضائل میں اس جیسی احادیث پر عمل کیا جاتا ہے، یہی امام اوزاعیؒ کا قول ہے[4]

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں **فِيهَا يُفْرَقُ** وغیرہ کے سب الفاظ شب قدر ہی کے متعلق ہیں۔ رہا شب برأت کی فضیلت کا معاملہ، سو وہ ایک مستقل معاملہ ہے جو بعض روایت حدیث میں منقول ہے مگر وہ اکثر ضعیف ہیں۔

اسی لئے قاضی ابو بکر ابن عربی نے اس رات کی فضیلت سے انکار کیا ہے لیکن شب برأت کی فضیلت کی روایات اگرچہ بااعتبار سند ضعف سے کوئی خالی نہیں لیکن تعدد طرق اور تعدد روایات سے ان کو

---

(1) البحر الرائق ۲۔۵۲

(2) الدر مع الرد ۲۔۲۴۔۲۵

(3) بہشتی زیور

(4) ماثبت بالسنۃ ص ۳۶۰

ایک طرح کی قوت حاصل ہو جاتی ہے اس لئے بہت سے مشائخ نے ان کو قبول کیا ہے کیونکہ فضائل اعمال میں ضعف روایات پر عمل کرنے کی بھی گنجائش ہے[1]۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ شب قدر وشب برات کیلئے شریعت نے عبادت، نوافل؛، تلاوت، ذکر، تسبیح، دعاواستغفار کی ترغیب دی ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی زیدہ مجدہ فرماتے ہیں کہ واقعہ یہ ہے کہ شب برات کے بارے میں یہ کہنا غلط ہے کہ اسکی کوئی فضیلت حدیث سے ثابت نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث مروی ہیں جس میں اس رات کی فضیلت نبی کریم ﷺ نے بیان کی ہے ان میں بعض احادیث سند کے اعتبار سے بے شک کچھ کمزور ہیں لیکن حضرات محدثین اور فقہا کرام کا یہ فیصلہ ہے کہ ایک روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہو، لیکن اس کی تائید میں بہت سی احادیث ہو جائیں تو اسکی کمزوری دور ہو جاتی ہے۔[2]

آخر میں شب براۃ کے متعلق دارالعلوم دیوبند کے فتاوے نقل کئے جاتے ہیں۔

جس قدر امور شب براَت میں ثابت ہیں، مثلاً انفرادی طور پر دعا، استغفار، نماز، تلاوت کرلینا، ۱۵/شعبان کا روزہ رکھنا کبھی کبھی قبرستان چلے جانا، ان کو کرلینا مندوب ہے۔

---

(1) معارف القرآن

(2) اصلاحی خطبات ج۴ ص ۲۶۳ تا ۲۶۵

اس کے علاوہ امور مثلاً حلوا پکانا، فاتحہ کرنا، پٹاخا چھڑانا، اجتماعی طور پر مسجد میں اکٹھا ہونے کا اہتمام کرنا، قبرستان میں چراغاں کرنا، اگربتی، موم بتی جلانا، قبرستان جانے کو ضروری سمجھنا بطور تہوار کے منانا۔ وغیرہ چیزیں از قبیل رسوم قبیحہ وبدعت کے ہیں۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

پندرہویں شعبان کی رات شب براءۃ کہلاتی ہے، اس رات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو گناہوں سے بری اور پاک وصاف کرتا ہے، یعنی مغفرت چاہنے والوں کی بے انتہا مغفرت فرماتا ہے جیسا کہ بہت سی احادیث میں آیا ہے نیز اس رات میں سالانہ فیصلے کی تجدید فرماتا ہے جیسا کہ قرآن میں سورۂ دخان میں موجود ہے:

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ

چونکہ شب براءۃ کی فضیلت میں آئی ہوئی احادیث ضعیف ہیں اس لیے وہ لوگ اسے اہمت نہیں دیتے۔

شیعہ یہ کہتے ہیں کہ ان کے امام غائب صاحب کی پیدائش کا دن ہے لہٰذا وہ لوگ اس خوشی میں اچھے کھانے حلوے وغیرہ بناتے ہیں، آتش بازی کرتے ہیں جھنڈیاں لگاتے ہیں اور خوب چہل پہل کرتے ہیں، غرض شیعہ اس دن کو تہوار کی طرح مناتے ہیں۔

---

(1) دار الافتاء، دار العلوم دیوبند

ان ہی کی دیکھی دیکھا ہمارے سنی حضرات بھی اس دن کو تہوار کی طرح مناتے ہیں۔ حلوے پکاتے ہیں، چہل پہل کرتے ہیں، یہ جو کچھ ہو رہا ہے سب شیعوں کی نقالی ہے۔ ہمارے یہاں صرف اتنا ہے کہ جس کو توفیق ہو اپنے گھر میں بیٹھ کر کچھ عبادت کرلے اور اللہ سے دعا کرلے۔ مسجدوں میں بھیڑ لگانا یہ کہیں ثابت نہیں۔[1]

شب برأت میں مختلف مقامات پر خواتین کو جمع کرکے اجتماعی طور پر عبادت کروانا، رات بھر وعظ کرنا درست نہیں۔ اس شب میں عورتوں کو اپنے اپنے گھروں میں تنہا تنہا عبادت کرنی چاہیے۔ آپ علیہ السلام سخت مجبوری کے باوجود تہجد و دیگر نوافل گھر میں ادا کرتے تھے۔

اگر تنہا عبادت کرنے میں نیند آنے کا اندیشہ ہو تو متفرق اعمال کرلیے جائیں تاکہ توجہ منقسم رہے، کچھ نوافل پڑھ لے، تلاوت کرنے لگے، ذکر کرنے لگے، اس کے علاوہ جو بھی تدبیریں نیند نہ آنے کی ہوں سب کرے اور اگر باوجود تدبیر کرنے کے پھر بھی نیند غالب ہو تو وہ نیند معتبر ہے یعنی پھر سو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[2]

(1) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

(2) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

مختلف اقوام میں سلام کا رواج اور اسلام کا فلسفہ ء سلام

یہودی اور عیسائی سلام اور جوابِ سلام یا دونوں کیلئے صرف اشاروں پر اکتفا کرتے تھے سلام کا لفظ نہیں کہتے تھے جیسا کہ ترمذی شریف کی روایت ہے۔

یہودیوں کا سلام کرنا، انگلیوں کے ذریعہ اشارہ کرنا۔

عیسائیوں کا ہتھیلیوں کے ذریعہ اشارہ کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔

اہل کسریٰ کا سلام اپنے بادشاہ کے سامنے زمین سجدہ اور زمین بوسی ہے۔

فارس کے لوگ اپنے بادشاہ کے سامنے زمین پر اپنے ہاتھوں کو ڈال دیتے تھے۔

اہل حبشہ ملاقات کے وقت سکون کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر باندھ لیتے تھے۔

رومی لوگ سلام کے وقت سر کھول کر جھکا دیتے تھے۔

حُمیر کے لوگ سلام کے وقت پکار کر انگلیوں سے اشارہ کرتے تھے۔

اہل یمامہ جس کو سلام کرتے تھے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتے تھے اگر حد درجہ اظہارِ محبت مقصود ہوتا تو بار بار ہاتھ رکھتے اور اٹھاتے اور اہل نوبہ کا سلام یہ تھا کہ سلام کرنے والا اپنے ہاتھ کو اپنے سر اور چہرہ پر رکھ دیتا اور اپنے منہ سے اشارہ کرتا۔

اہلِ عرب آپس میں "**انعم الله بک عینا**" (خدا آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب کرے) اور "**انعم صباحا**" (تمہاری صبح خوشگوار ہو کہا کرتے تھے۔

یورپ کے لوگوں میں صبح کی ملاقات کے وقت گڈ مارننگ (اچھی صبح) اور شام کی ملاقات کے وقت "گڈ ایوننگ" (اچھی شام) اور رات کی ملاقات میں "گڈ نائٹ" (اچھی رات) وغیرہ کہنے کا رواج ہے۔

ہندوستان میں ہندو مذہب میں نمستے، رام رام، نمشکار، پرنام اور جئے رام جی کا بھی رواج ہے۔

اہل مجوس سلام میں "ہزاری سال بزی" ہزار جیو جیو کہا کرتے تھے۔

اسلامی سلام: حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو حکم فرمایا جاؤ اور فرشتوں کی اس بیٹھی ہوئی جماعت کو سلام کرو اور سنو کہ وہ تمہیں وہ کیا جواب دیتی ہے وہ (جو جواب دے گی) وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا جواب سلام ہوگا، چنانچہ حضرت آدم گئے اور کہا:

السلام علیکم فرشتوں نے جواب دیا السلام علیک ورحمۃ اللہ

(آپ ﷺ نے فرمایا) فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے جواب میں "ورحمۃ اللہ" کا اضافہ کیا۔

ایک اشکال کا جواب

السلام علیکم کے جواب میں عموماً "وعلیکم السلام یا وعلیک السلام" کہا جاتا ہے، جب کہ فرشتوں نے حضرت آدم کے سلام کے جواب میں "السلام علیک ورحمۃ اللہ" کہا؟

جواب یہ ہے کہ ممکن ہے فرشتوں نے بھی سلام میں پہل کرنے کا ارادہ کیا ہو جیسا کہ عموماً ایسے موقع پر ہوتا ہے جب دو آدمی آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک پہل کرنے کا ارادہ کرتا ہے دونوں ہی السلام علیکم کہہ دیتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ اسلامی سلام کسی بندے کا بنایا ہوا نہیں سلام نہیں بلکہ خالق کائنات نے حضرت آدم کے دل میں اس کا الہام فرمایا اور ان کی زبان سے یہ لفظ نکلا اور اور مسلمانوں کو یہ تحفہ وتحیہ ملا اس لئے اس کی جامعیت وعالمگیریت کو کوئی اور دنیاوی سلام چیلنج نہیں دے سکتا۔

آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے

"آپس میں سلام کیا کرو۔" بات کرنے سے پہلے سلام کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری وعظ

حمد وثنا کے بعد فرمایا! میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم عربی، مکی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

لوگو! میں بیمار ہوں عنقریب دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق وجذبہ بہت بڑھ چکا ہے البتہ امت کی جدائی پر افسوس ہے، پر پتہ نہیں میرے بعد کیا حال ہو، اے اللہ تمام فتنوں سے اس امت کی حفاظت فرمانا اور ہمیشہ صراطِ مستقیم پر قائم رکھنا۔

لوگو! میری آخری وصیت خوب غور سے سنو تاکہ محفوظ کر کے ان لوگوں تک پہنچا سکو جو یہاں موجود نہیں ہے، آج کے بعد مجھ سے کچھ سننے کا موقع شاید نہ مل سکے گا۔

لوگو! اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال وحرام، اچھی وبری تمام چیزیں بیان فرمادیں۔ قرآن کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانو، قرآن کے احکام پر عمل اور اسکے بیان کردہ واقعات سے عبرت حاصل کرتے رہنا۔ اسکے بعد آسمان کی جانب سر اٹھا کر فرمایا۔ یا اللہ تو گواہ ہے کہ میں نے تیرا پیغام تیرے بندوں تک پہنچادیا۔

لوگو! گمراہی بلکہ اس کے تصور اور خواہش سے بھی بچتے رہنا ورنہ اللہ اور جنت سے دور اور جہنم سے قریب ہو جاؤ گے۔ ہمیشہ اہل حق کی جماعت سے وابستہ رہنا، اہل حق کی جماعت سے کٹ کر چلنے والا جہنم کے راستہ پر ہے۔ یااللہ! تو گواہ رہ کہ میں نے تمام احکام پہنچا دیئے۔

لوگو! دین وامانت کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، غلاموں کا خیال رکھنا جو خود کھاؤ، پہنو وہی ان کو کھلانا پہنانا، طاقت سے زیادہ ان سے کام نہ لینا، وہ بھی تمھاری طرح خون و گوشت وغیرہ سے بنے ہیں، خبر دار! اگر کسی نے غلام پر زیادتی کی تو قیامت میں اس کے خلاف گواہی دوں گا۔

عورتوں کے حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، ان کی مہر ادا کرنا، ان پر ظلم وزیادتی نہ کرنا، ورنہ قیامت میں اپنی نیکیوں سے محروم ہو جاؤ گے۔

امراء وحکام کی اطاعت کرنا ان کی نافرمانی ہر گز نہ کرنا، اگرچہ تمہارا حاکم کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، (مسلمان عادل) حاکم کی اطاعت، میری اطاعت اور میری اطاعت حقیقتا اللہ کی اطاعت ہے اسی طرح حاکم کی نافرمانی، میری نافرمانی اور میری نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔

خبر دار! ان کے خلاف بغاوت اور ان سے وعدہ خلافی نہ کرنا۔ لوگو! میرے اہل بیت، حفاظ، قراء اور علماءِ حق سے محبت رکھنا ان سے بغض وحسد نہ رکھنا نہ ان کو طعنہ دینا ان کی محبت دراصل میری محبت اور

میری محبت حقیقتاً اللہ کی محبت ہے، ان سے بغض رکھنا مجھ سے بغض رکھنا مجھ سے بغض رکھنا اللہ سے بغض رکھنا ہے۔

خبردار! میں نے ایک ایک بات تم کو پہنچادی (عمل کرنا تمہارا کام ہے)

زکوٰۃ دیتے رہنا ورنہ نماز بھی رد کردی جائیگی۔ اللہ نے ہر صاحبِ حیثیت پر حج فرض کیا ہے، موقع ہوتے ہوئے جو حج نہیں کرے گا تو اس کا کوئی بھروسہ نہیں۔ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی یا مجوسی۔ نیز وہ میری شفاعت سے محروم رہے گا، حوض کوثر سے پانی نہیں پی سکے گا۔

خبردار! میں نے ہر بات سے آگاہ کردیا۔ لوگو قیامت کے دن ایک چٹیل میدان میں تم کو جمع کیا جائے گا۔ وہ دن بہت بڑا اور نہایت ہولناک و دہشت ناک ہوگا، اس دن نہ مال کام آسکے گا نہ اولاد، اس دن عذاب سے وہی بچ سکے گا جو قلب سلیم (کفر و شرک سے پاک دل) لے کر وہاں پہنچے گا۔

دیکھو! میں نے ہر بات تم کو پہنچادی۔ اپنی زبان کی حفاظت رکھنا، آنکھوں کو رونے کا عادی بنانا، دلوں میں خشوع و خضوع پیدا کرنا، جسموں کو راحت کا عادی نہ بنانا، اللہ کے دین کی خاطر تکلیف و مشقت برداشت کرنا، دشمنانِ اسلام سے جہاد کرتے رہنا، ایمان کو خالص رکھنا، اپنے بھائیوں کو نصیحت کرتے رہنا۔ آپس میں حسد نہ رکھنا ورنہ تمھاری نیکیاں برباد ہوئیں گی، ایک دوسرے کی غیبت نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

خبر دار! میں نے تمام باتیں کھول کھول کر بیان کر دیں، قیدیوں کو آزاد کرنے اور کرانے کی خاص طور سے کوشش کرنا، نیک اعمال کی فکر و کوشش رکھنا، کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرنا۔ ورنہ سمجھ لو کہ مظلوم کا حمایتی اللہ تعالیٰ ہے وہی تم سب کا حساب لینے والا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔ معصیت ونافرمانی کے ساتھ اللہ ہر گز تم سے خوش نہیں ہوگا۔

خوب سن لو! جو اچھے اعمال کرے گا اس کا فائدہ اسی کو ہوگا اور جو برے عمل کرے گا اس کا وبال اسی پر پڑے گا، پروردگا بندوں پر ذرا بھی ظلم نہ کرنا۔

قیامت کے دن سے ڈرو جس دن ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ مل جائیگا۔ کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ میں عنقریب دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں یہ بیماری اسی کی علامت ہے، تمہارا دین اور امانت اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔

میرے ساتھیو! تم پر اور میری پوری امت پر سلامتی ہو۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اسکے بعد ممبر سے اتر کر ہمیشہ کے لئے حجرہ مبارکہ میں داخل ہوگئے۔

نماز کی اکاون سنتیں

قیام کی سنتیں

1) تکبیر تحریمہ کے وقت سیدھا کھڑا ہونا یعنی سر کو پست نہ کرنا۔

2) دونوں پیروں کے درمیان چار انگل کا فاصلہ رکھنا اور پیروں کی انگلیاں قبلہ کی طرف رکھنا۔

3) مقتدی کی تکبیر تحریمہ امام کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہونا۔

4) تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا۔

6) انگلیوں کو اپنی حالت پر رکھنا یعنی زیادہ نہ کھلی رکھنا اور نہ زیادہ بند۔

7) داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھنا۔

8) چھنگلیوں اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر گٹے کو پکڑنا۔

9) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا۔

10) ثناء پڑھنا۔

قراءت کی سنتیں

1) تعوذ یعنی **اعوذ باللہ** پڑھنا۔

2) تسمیہ یعنی **بسم اللہ** پڑھنا۔

3) چُپکے سے آمین کہنا۔

4) فجر اور ظہر میں طوالِ مفصل یعنی سورہ حجرات سے بروج تک، عصر و عشاء اوساط مفصل یعنی سورہ بروج سے **لم یکن** تک اور مغرب میں قصار مفصل یعنی سورہ **اذا زلزلت الارض** سے **سورہ الناس** تک کی سورتیں پڑھنا۔

5) فجر کی پہلی رکعت کو طویل کرنا۔

6) نہ زیادہ جلدی پڑھنا اور نہ زیادہ ٹھر کر بلکہ درمیانی رفتار سے پڑھنا۔

7) فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنا۔

رکوع کی آٹھ سنتیں

1) رکوع کی تکبیر کہنا۔

2) گھٹنوں کو پکڑنے میں انگلیوں کو کشادہ رکھنا۔

3) رکوع میں دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑنا۔

4) پنڈلیوں کو سیدھا رکھنا۔

5) پیٹھ کو بچھا دینا۔

6) سر اور سُرین کو برابر رکھنا۔

7) رکوع میں کم از کم تین بار **سبحان ربی العظیم** کہنا۔

8) رکوع سے اٹھنے میں امام کو **سمیع اللہ لمن حمدہ** اور مقتدی کو **ربنا لک الحمد** اور منفرد کو دونوں کہنا۔

سجدہ کی بارہ سنتیں

1) سجدہ کی تکبیر کہنا

2) سجدہ میں پہلے دونوں گھٹنوں کو رکھنا۔

3) پھر دونوں ہاتھوں کو رکھنا۔

4) پھر ناک رکھنا۔

5) پھر پیشانی رکھنا۔

6) دونوں ہاتھوں کے درمیان سجدہ کرنا

7) سجدہ میں پیٹ کو رانوں سے الگ رکھنا۔

8) پہلوؤں کو بازوؤں سے الگ رکھنا۔

9) کہنیوں کو زمین سے الگ رکھنا۔

10) سجدہ میں کم از کم تین بار **سبحان ربی الاعلیٰ** پڑھنا۔

11) سجدہ سے اٹھنے کی تکبیر کہنا۔

12) سجدہ سے اٹھنے سے پہلے، پیشانی، پھر ناک، پھر ہاتھوں کو، پھر گھٹنوں کو اٹھانا اور دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنا۔

قعدہ کی 13 سنتیں

1) دائیں پیر کو کھڑا رکھنا اور بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھنا اور پیر کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف رکھنا۔

2) دونوں ہاتھوں کو رانوں پر رکھنا۔

3) تشہد میں ان لا الٰہ پر شہادت کی انگلی کو اٹھانا اور الا اللہ پر جھکا دینا۔

4) قعدہ آخیرہ میں درود شریف پڑھنا۔

5) درود شریف کے بعد دعائے ماثورہ ان الفاظ میں جو قرآن اور حدیث کے مشابہ ہوں پڑھنا۔

6) دونوں طرف سلام پڑھنا۔

7) سلام کی داہنی طرف سے ابتداء کرنا۔

8) امام کو مقتدیوں، فرشتوں اور صالح جنات کی نیت کرنا۔

9) مقتدی کو امام و فرشتوں اور صالح جنات اور دائیں بائیں مقتدیوں کی نیت کرنا۔

10) منفرد کو صرف فرشتوں کی نیت کرنا۔

11) مقتدی کو امام کے ساتھ ساتھ سلام پھیرنا۔

12) دوسرے سلام کی آواز کو پہلے سلام کی آواز سے پست کرنا۔ مسبوق کو امام کے فارغ ہونے کا انتظار کرنا۔

فائدہ: رکوع میں ہاتھ کی انگلی پھیلی ہوئی ہوں۔ اور سجدہ میں یہ انگلیاں ہوئی ہونگی۔

لباس کی سنتیں

1) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید رنگ کا کپڑا پسند تھا۔

2) قمیص، کرتا یا صدری وغیرہ پہنیں تو پہلے دایاں ہاتھ آستین میں ڈالیں، پھر بایاں ہاتھ اسی طرح پاجامہ اور شلوار کے لئے پہلے دایاں پاؤں پھر بایاں پاؤں۔

3) پاجامہ، شلوار یا لنگی ٹخنہ سے اوپر رکھیں ٹخنہ سے نیچے لٹکانے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تہبند ٹخنہ سے نیچے لٹکانے والے پر اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا۔

4) نیا کپڑا پہن کر یہ دعا پڑھیں۔ **الحمد لله الذی کسانی هٰذا من غیری حول منی ولا ، قوة۔**

5) عمامہ کے نیچے ٹوپی رکھنا سنت ہے بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنا خلاف سنت ہے۔

6) سیاہ صافہ باندھنا مسنون ہے، شملہ چھوڑنا بھی مسنون ہے، شملہ کی مقدار ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ بھی ثابت ہے۔

7) کپڑے اتارتے وقت **بسم اللہ** کہیں اور ابتدا بائیں جانب سے کریں۔ قمیص یا کرتا وغیرہ اتارنا ہو تو تو پہلے بایاں ہاتھ آستین سے نکالیں پھر داہنا ہاتھ، اسی طرح شلوار اور پاجامہ اتارتے وقت پہلے بایاں پیر باہر نکالیں پھر داہنا۔

8) جوتا داہنے پاؤں میں پہنیں پھر بائیں پاؤں میں۔

9) اترتے وقت پہلے بائیں پاؤں سے اتاریں پھر دائیں پاؤں سے۔

10) نیا جوتا پہن کر یہ دعا پڑھیں۔ **اللھم انی اسئلک من خیرہ وخیر ما ھو لہ واعوذ بک من شرہ وشر ما ھو لہ۔**

پینے کی سنتیں

1)داہنے ہاتھ سے پینے کا برتن پکڑنا۔

2)پینے سے پہلے اگر کھڑے ہوں تو بیٹھ جانا۔ کھڑے ہو کر پینا منع ہے۔

3)**بسم الله** کہہ کر پینااور پی کر **الحمد لله** کہنا۔

4)تین سانس میں پینااور سانس لیتے وقت برتن کو منہ سے الگ کرنا۔

5)برتن کے ٹوٹے کنارے کی طرف سے نہ پینا۔

6)مِشک سے منہ لگا کر نہ پینا یا کوئی بھی ایسا برتن ہو جس سے دفعتاً پانی زیادہ آجانے کا احتمال ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ اس میں کوئی سانپ یا بچھو آجائے۔

7)صرف پانی پینے کے بعد یہ دعا پڑھنا مسنون ہے۔

الحمد لله الذی سقانا عذبا فراتا برحمته ماءا ولم یجعله بذنوبنا ملحا اجاجا۔

8) پانی پی کر اگر دوسروں کو دینا ہے تو پہلے داہنے والے کو دیں پھر اسی ترتیب سے دور ختم ہو اسی طرح چائے یا شربت پیش کریں۔

9) دودھ پینے کے بعد یہ دعا پڑھیں۔ **اللھم بارک لنا فیہ وزدنا منہ۔**

10) آپ زمزم کھڑے ہو کر پینا۔

11) وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا۔ اس میں بیماریوں کیلئے شفا ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ میں نے بار بار اپنی بیماریوں میں اس کا تجربہ کیا ہے اور شفا پائی ہے۔

کھانے کی سنتیں

۱)دستر خوان بچھانا۔

۲)دونوں ہاتھ گٹوں تک دھونا۔

۳)بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنا۔

۴)داہنے ہاتھ سے کھانا۔

۵) کھانے کی مجلس میں جو شخص سب سے بزرگ اور بڑا ہو اس سے کھانا شروع کرانا۔

۶)ٹیک لگا کر نہ کھانا۔

۷) کھانے میں کوئی عیب نہ نکالنا۔

۸) کھانا ایک قسم کا ہو تو اپنے سامنے سے کھانا۔

۹)اگر لقمہ گر جائے تو اٹھا کر صاف کر کے کھالینا۔

۱۰) جوتے اتار کر کھانا۔

۱۱) کھانے کے وقت اُکڑو بیٹھنا کہ دونوں گھٹنے کھڑے ہوں اور سرین زمین پر ہو، یا ایک گھٹنا کھڑا ہو اور دوسرے گھٹنے کو بچھا کر اس پر بیٹھے یا دونوں گھٹنے زمین پر بچھا کر قعدہ کی طرح بیٹھے اور آگے کی طرف ذرا جھک بیٹھے۔

۱۲) کھانے کے بعد برتن پیالہ و پلیٹ کو صاف کر لینا، پھر برتن اس کے لئے دعا مغفرت کرتا ہے۔

۱۳) کھانے کے بعد کی دعا پڑھنا۔

الحمد لله الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے کھلایا اور پلایا اور مسلمانوں میں بنایا۔

۱۴) پہلے دستر خوان اٹھوانا پھر خود اٹھنا۔

۱۵) دستر خوان اٹھانے کی دعا پڑھنا۔

الحمد لله حمد کثیرا طیبا مبارکا فیه غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنه ربنا

ترجمہ: سب تعریف اللہ کے لئے ایسی تعریف جو بہت ہی پاکیزہ اور بابرکت ہے اے ہمارے رب ہم اس کھانے کو کافی سمجھ کر یا بالکل رخصت کر کے یا اس سے غیر محتاج ہو کر نہیں اٹھا رہے ہیں۔

۱۶) دونوں ہاتھ دھونا۔

۱۷) کلی کرنا۔

۱۸) اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو یوں پڑھے۔ **بسم الله اوله وآخره۔**

۱۹) جب کسی کی دعوت کھائے تو میزبان کو یہ دعادے۔

اللهم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی

اے اللہ جس نے کھلایا مجھ کو اس کو کھلا جس نے پلایا مجھ کو اس کو پلا۔

۲۰) سرکہ استعمال کرنا سنت ہے جس گھر میں سرکہ موجود ہو وہ گھر سالن سے خالی نہیں سمجھا جاتا۔

۲۱) خالص گندم اگر کوئی استعمال کرتا ہے تو اسے چاہئے کہ اس میں کچھ جَو بھی ملالے چاہے تھوڑی ہی مقدار میں ہوتا کہ سنت پر عمل کا ثواب حاصل ہو جائے۔

۲۲) گوشت کھانا سنت ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ دنیا وآخرت میں کھانوں کا سردار گوشت ہے۔

۲۳) اپنے مسلمان بھائی کی دعوت قبول کرنا سنت ہے۔ البتہ اگر غالب آمدنی سود یا رشوت کی ہو یا وہ بدکاری میں مبتلا ہو تو اسکی دعوت قبول نہیں کرنی چاہئے۔

۲۴)اپنے عزیزوں، دوستوں، رشتہ داروں، اور مساکین کو ولیمہ کا کھانا کھلانا سنت ہے۔

۲۵)میت کے رشتہ داروں کو کھانا دینا مسنون ہے۔

۲۶) کھانے کے وقت بالکل خاموش رہنا مکروہ ہے (شامی) لیکن غم اور فکر اور مرض کی بات نہ کرے۔

شرح ابوداؤد بذل المجہود ص ۳۵ پر لکھا ہے کہ جب کوئی شخص بسم اللہ کہہ کر اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے تو شیطان اپنے بھائیوں سے کہتا ہے کہ:

اے بھائیو!

لامبیت لکم

تمھارے لئے اس گھر کے دروازے بند ہو چکے ہیں، شب بسری کے لئے کوئی اور گھر تلاش کرو۔

اور جب کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھ لیا جاتا ہے تو شیطان کہتا ہے لو اب کھانے پر بھی پابندی لگ گئی۔ یعنی یہاں نہ رہ سکتے ہو اور نہ کھا سکتے ہو؟ اور اگر بندہ گھر میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ کہنا بھول جائے تو اس وقت شیطان اپنے بھائیوں سے کہتا ہے **ادرکتم المبیت** تم نے گھر پالیا رات گزارنے کیلئے، اور اگر وہ بندہ کھاتے وقت بھی بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو شیطان کہتا ہے **ادرکتم المبیت والعشاء** یعنی قیام کے ساتھ طعام کی بھی اجازت ہے۔

عطر کی سنتیں

عطر لگانا سنت ہے۔[1]

ہدیہ میں اگر کوئی عطر پیش کرے تو اس کو نہ لوٹانا۔[2]

اگر کوئی ہدیہ میں تکیہ، خوشبو اور دودھ پیش کرے تو اس کو رد نہ کرنا[3]

رسول اللہ ﷺ کو عطر بہت پسند تھا۔[4]

حضرت انسؓ فرماتے ہیں جیسی خوشبو آنحضرت ﷺ سے آتی تھی ویسی خوشبو میں نے مشک وعنبر میں نہیں پائی آپ ﷺ مشک وعنبر سے زیادہ خوشبودار تھے،[5]

---

(1) بخاری، ص۸۷۸، ج۲، عن عائشہ، ابوداؤد، ص۵۷۳، ج۲ شمائل۔ ص۱۴ عن انس بن مالک

(2) بخاری۔ ص۸۷۸، ج۲، عن انس، ابوداؤد۔ ص۵۷۵، ج۲ عن ابی ہریرہؓ

(3) ترمذی۔ ص۱۰۷، ج۲ شمائل۔ ص۱۴، عن ابن عمرؓ

(4) نسائی۔ ص۹۳، ج۲، عن انسؓ

(5) دلائل النبوۃ۔ ص۲۲۵، ج۱ عن انسؓ

آنحضرت ﷺ سے کوئی مصافحہ کرتا تو دن بھر اس کا ہاتھ معطر رہتا اگر کسی بچہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو خوشبو کی وجہ سے وہ ممتاز ہو جاتا اور یہ خوشبو آپ ﷺ کی ہتھیلی کی خوشبو تھی۔[(1)]

آپ ﷺ کے منہ کا لعاب مشک عنبر سے زیادہ خوشبودار تھا۔[(2)]

آپ ﷺ کا پسینہ مثل موتی کے چمکتا تھا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔[(3)]

حضرت ام سلیمؓ آپ کے پسینہ مبارک کو شیشی میں بھر لیتی تھیں اور فرماتی تھیں یہ پسینہ تمام خوشبوؤں سے زیادہ بہتر ہے۔[(4)]

آپ ﷺ کا پسینہ ششیشی میں بھر کر لڑکیوں کی شادیوں میں استعمال کرتے اور وہ گھر دار العطر خوشبودار گھر کے نام سے مشہور ہو جاتا۔[(5)]

اسحاق راہویہ فرماتے ہیں یہ پسینہ خوشبو لگانے کی وجہ سے معطر نہیں تھا بلکہ جسم اطہر کی وجہ سے تھا آپ کا جسم مبارک ہی خوشبودار تھا۔[(6)]

---

(1) نسیم الریاض۔ ص ۳۴۹، ج ۱ عن عائشہؓ

(2) دلائل النبوۃ۔ ص ۲۵۷، ج ۱ عن علیؓ، شرح شمائل۔ ص ۲، ج ۲

(3) مسلم۔ ص ۲۵۷، ج ۲ عن نسؓ، دلائل النبوۃ، ص ۱۹۹، ج ۱

(4) مسلم ص ۲۵۷، ج ۲، عن ام سلیمؓ

(5) جمع الوسائل ص ۲، ج ۲، عن ابویعلی

(6) جمع الوسائل حاشیہ دلائل النبوہ۔ ص ۲۵۸، ج ۱

رسول اللہ ﷺ عطر کا بیحد اہتمام فرماتے یہاں تک کہ ازواج مطہرات کے یہاں عطر تلاش فرمایا کرتے تھے۔[1]

عود خالص یا عود کامع کافور گھر کی دھونی دینا۔[2]

مردوں کو مردانہ خوشبو استعمال کرنا جس کی خوشبو پھیلتی ہو اور رنگ غیر محسوس ہو جیسے گلاب کیوڑہ وغیرہ اور عورتوں کو زنانہ خوشبو استعمال کرنا جس کا رنگ غالب اور خوشبو مغلوب ہو جیسے حنا، زعفران وغیرہ۔[3]

عورتوں کو خوشبو لگا کر باہر نہ نکلنا کہ اس پر سخت وعید آئی ہے[4]

عید میں خوشبو لگانا[5]

---

(1) کنز العمال۔ ص ۳۷ ج ۷ عن عائشہؓ

(2) نسائی۔ ص ۲۸۳، ج ۲، عن ابن عمرؓ

(3) ترمذی ص ۱۰۷، ج ۲، شمائل۔ ص ۱۴، عن ابی ہریرہؓ

(4) ابوداؤد ص ۵۷۵، ج ۲، عن ابی موسیٰ

(5) شرح جمع الوسائل۔ ص ۵، مراقی الفلاح شرح طحطاوی۔ ص ۱۰۵

معاشرت کی سنتیں

1۔ سلام کرنا مسلمانوں کے لئے بہت بڑی سنت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔ ہر مسلمان کو سلام کرنا چاہئے خواہ اسے پہچانتا ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ سلام اسلامی حق ہے۔ کسی کے جاننے اور شناسائی پر موقوف نہیں۔

2۔ بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر بچوں پر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام کیا اس لئے بچوں کو بھی سلام کرنا سنت ہے۔

3۔ سلام کرنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ زبان سے السلام علیکم کہے ہاتھ سے یا سر سے یا انگلی کے اشارے سے سلام کرنا یا اس کا جواب دینا سنت کے خلاف ہے۔

4۔ کسی مسلمان بنائی سے ملاقات ہو تو سلام کے بعد مصافحہ کرنا مسنون ہے۔ عورت، عورت سے مصافحہ کر سکتی ہے۔

5۔ کسی مجلس میں جاؤ تو جہاں موقع ملے اور جگہ ملے بیٹھ جاؤ دوسروں کو اٹھا کر خود بیٹھ جانا گناہ کی بات اور مکروہ ہے۔

6۔اگر کوئی شخص مجلس میں آئے اور جگہ نہ ہو تو پہلے سے بیٹھنے والوں کو چاہئے کہ ذرا مل کر بیٹھ جائیں اور آنے والے مومن بھائی کے لئے گنجائش نکال دیں۔

7۔ کہیں اگر صرف تین آدمی ہوں تو ایک کو چھوڑ کر کانا پھوسی (سرگوشی) کی اجازت نہیں کہ خواہ مخواہ اس کا دل (شبہات کی وجہ سے) رنجیدہ ہوگا اور مسلمان بھائی کو رنجیدہ کرنا بڑا گناہ ہوگا۔

8۔ کسی کے مکان پر جانا ہو تو اس سے پہلے اجازت لے کر داخل ہونا چاہئے۔

9۔جب جمائی آئے تو سنت ہے کہ، منہ بند کرلے اور اگر منہ کوشش کے باوجود بند نہ رکھ سکے تو بائیں ہاتھ کہ پشت کو منہ پر رکھ لے اور ہاہا کی آواز نہ نکالے کہ یہ حدیث میں ممنوع ہے۔

10۔اگر کسی کا اچھا نام سنو تو اس سے اپنے مقصد کے لئے نیک فال سمجھنا سنت ہے اور اس سے خوش ہونا بھی سنت ہے۔ بدفالی لینے کو سخت منع کیا گیا ہے۔ جیسے راستہ چلتے کسی کو چھینک آگئی تو یہ سمجھنا کہ کام نہ ہوگا۔ یا کوا بولا یا بندر نظر آیا، یا الو بولا ان سے آفت آنے کا گمان کرنا سخت نادانی اور بالکل بے اصل اور غلط اور گمراہی کا عقیدہ ہے۔اسی طرح کسی کو منحوس سمجھنا یا کسی دن کو منحوس سمجھنا بہت برا ہے۔

سنت پر عمل کرنے سے بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے اس لئے اہتمام سے اس پر عمل کرنا چاہئے۔

گریہ زاری وماتم

گریہ وزاری اور ماتم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیزاری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے موقع پر حضرت علیؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ

اے اللہ کے رسول اگر آپ نے ہم کو صبر کی تعلیم دے کر رونے اور چلانے سے روکا نہ ہوتا تو آج ہم آپ کی وفات پر اتنا روتے کہ بدن کی رطوبت خشک ہو جاتی۔[1]

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت حسینؓ نے اپنی ہمشیرہ زینب اور اہل بیت کو مخاطب کر کے فرمایا

"مجھے تم لوگوں سے ایک ضرورت ہے جس کی میں تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جب میں شہید ہو جاؤں تو میرے غم میں تم لوگ گریبان نہ چاک کرنا اور نہ منہ پر طمانچہ مارنا اور نہ اپنے رخساروں کو زخمی کرنا۔[2]

(1) نہج البلاغت
(2) ذبح عظیم

حضرت امام جعفر صادقؒ کا ارشاد

کسی مصیبت پر فقط ران رہاتھ مارنے سے اس کا نیک عمل برباد ہو جاتا ہے۔ (1)

حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ کا فتویٰ

اگر حسینؓ کی شہادت والے دن کو غم واندوہ کا دن کہنا جائز ہوتا تو اس سے کہیں زیادہ حقدار دوشنبہ کا دن ہے اسی دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے وفات پائی۔ (2)

فتویٰ امام قہستانی:

جو حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ بیان کرنا چاہے تو اس کے لئے مناسب ہے کہ پہلے اور صحابہ کرام کی شہادت کا حال بیان کرے۔

محدث جلیل علامہ محمد طاہر مکی کا فتویٰ

فقہاء کرام نے تحقیق لکھا ہے کہ ہر سال امام حسینؓ کا جو ماتم ہوتا ہے وہ مکروہ تحریمی ہے (3)

---

(1) فروع کافی

(2) غنیہ

(3) مجمع البحار

محدث کبیر علامہ ابن حجر مکہ کا فتویٰ:

خبر دار خبر دار عاشورہ کے دن رافضیوں کی بدعتوں میں ہر گز ہر گز مشغول نہ ہونا جیسے مرثیہ خوانی، گریہ زاری، نوحہ وماتم یہ سب کام مسلمانوں کے نہیں ہیں۔

محدث شاہ عبد الحق دہلوی کا فتویٰ:

اہل سنت کا یہپ طریقہ ہوا چاہئے کہ عاشورہ کے دن فرقۂ روافض کی گڑھی ہوئی بدعتیں مثلا مرثیہ اور ماتم ونوحہ وغیرہ سے سے بچتا رہے کیونک یہ سب کام ہم مسلمانوں کے نہیں ہیں۔[1]

فتویٰ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی:

تعزیہ داری جو عشرہ محرم میں عمول ہے اور بنانا صریح وصورت قبور وغیرہ کا درست نہیں اور تعزیہ داری بدعت ہے یہ بدعت حسنہ نہیں کہ اس میں مواخذہ نہیں ہوتا بلکہ بدعت سیئہ ہے۔[2]

---

(1) شرح سفر السعادہ

(2) فتاوی عزیزیہ

امام ابو حنیفہؒ کا مقام محدثین کی نگاہ میں

حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سنہ ۸۰ھ میں کوفہ میں ہوئی جب کہ حضرات صحابہؓ کی بعض بزرگ شخصیتیں موجود تھیں، ان میں سے اکثر سے آپؒ کو ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا، آپ نے اکابر تابعین سے علم حاصل کیا اور اس میں ایسی مہارت پیدا کی کہ معاصر محدثین نے بھی آپ کے فضل اور حدیث دانی کا اعتراف کیا ہے اور اپنی اپنی خراج عقیدت پیش کی ہے، ذیل میں اختصار کے ساتھ بعض محدثین کے وہ اقوال وتاثرات ذکر کیے جاتے ہیں جو انھوں نے وقتاً فوقتاً آپؒ کے متعلق فرمائے ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ حافظِ حدیث ہیں، فقیہ امت ہیں، شیخ الاسلام ہیں، آپ کے اساتذہ میں حضرت نافع، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن دینار رحمہم اللہ جیسے محدث حضرات کا شمار ہوتا ہے اور آپ کی شاگردی حضرت عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید القطان رحمہا اللہ جیسے جلیل القدر، عظیم المرتبت محدث حضرات

نے اختیار کی ہے، زبردست فقیہ و محدث تھے، لوگوں میں مقبول تھے، آپ کی وفات سنہ ۱۷۹ھ میں ہوئی۔[1]

خطیب بغدادیؒ حضرت امام شافعیؒ سے روایت کی ہے کہ امام مالکؒ سے معلوم کیا گیا کہ آپ نے امام ابو حنیفہؒ کو دیکھا ہے؟ فرمایا: جی ہاں! میں نے ان کو ایسا پایا کہ اگر وہ اس ستون کے متعلق تم سے دعویٰ کرتے کہ یہ سونے کا ہے تو اسکو حجت سے ثابت کر دیتے۔[2]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ علمِ حدیث میں امام مالکؒ، اسماعیل بن جعفرؒ، ابراہیم بن یحییٰ رحمہم اللہ وغیرہم کے شاگردِ رشید ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ، ابو حمیدؒ، بویطیؒ، ابو ثور رحمہم اللہ وغیرہم کے استاذ محترم ہیں۔[3]

آپؒ فرماتے تھے کہ لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں؛ کیونکہ فقہ اور اس کی دقیق باتوں کے وہ ماہر ہیں۔[4]

---

(1) تذکرۃ الحفاظ: ۲۰۷/۱

(2) تذکرہ النعمان: ۱۴۷

(3) تذکرۃ الحفاظ: ۳۶۱/۱

(4) سیر اعلام النبلاء: ۴۰۳/۶

مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی وفات سنہ ۱۵۵ھ میں ہوئی، آپؒ سفیان بن عیینہؒ، یحییٰ بن سعید القطان رحمہا اللہ جیسے جلیل القدر محدثین سے علم حاصل کیا ہے، آپ کے بارے میں آپ کے استاذ محترم یحییٰ بن سعید القطانؒ فرماتے ہیں:

"میں نے مسعر بن کدامؒ سے زیادہ معتبر و ثقہ شخص نہیں دیکھا"۔ (1)

خطیب بغدادیؒ نے مسعر بن کدامؒ سے روایت کی ہے کہ

جس نے اپنے اور اللہ کے درمیان امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو واسطہ بنالیا، مجھے امید ہے کہ اس کو کوئی خوف نہ ہوگا اور اس نے اپنی احتیاط میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔

قاضی ابو القاسم بن الکاسؒ نے جعفر بن عونؒ سے روایت کی ہے کہ مسعر بن کدامؒ سے عرض کیا گیا کہ آپ نے اپنے اصحاب کی رائے چھوڑ کر ابو حنیفہؒ کی رائے کیوں اختیار کرلی؟ تو انھوں نے فرمایا کہ

ان کی رائے کی صحت کی وجہ سے، آپ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی رائے سے بہتر رائے پیش کریں، میں اس کو اپنالونگا

انھوں نے مسعر بن کدامؒ سے یہ بھی روایت کی ہے کہ

(1) تذکرۃ الحفاظ: ۱۸۸/۱

ہم نے حدیث امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ حاصل کی تو وہ ہم پر غالب آگئے؛ پھر ہم نے ترکِ دنیا کو اپنایا تو وہ اس میں بھی فوقیت لے گئے،اس کے بعد فقہ حاصل کی تو وہ ہم پر غالب آگئے۔

انھوں نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے روایت کی ہے کہ

میں نے مسعر بن کدامؒ کو امام ابو حنیفہؒ کے حلقہ میں دیکھا،امام صاحبؒ کے سامنے بیٹھے سوال کررہے تھے؛ انھوں نے فرمایا: کسی کالے بال والے کو امام ابو حنیفہؒ سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔

مسعر بن کدامؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہؒ پر رحم کرے بے شک وہ فقیہ اور بڑے عالم تھے۔(1)

عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ بڑے محدث ہیں، کئی صحابہؓ کی آپ نے زیارت کی ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پیدا ہوئے، آپ کے اساتذہ میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، ابو سعیدؓ، ام سلمہ رضی اللہ عنہم کا شمار ہوتا ہے اور آپ کی شاگردی حضرت ابوایوب سختیانیؒ، امام اوزاعیؒ، امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ وغیرہم جیسے کبارِ محدثین وفقہاء نے اختیار کی ہے، آپ کی وفات سنہ ۱۱۴ھ میں ہوئی۔(2)

---

(1) تذکرہ النعمان: ۱۵۹/۱۶۰

(2) تذکرۃ الحفاظ: ۹۸/۱

حارث بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ ہم حضرت عطاءؒ کے پاس بیٹھے ہوتے تھے، جب امام ابو حنیفہؒ آتے تو ان کے لیے حضرت عطاءؒ جگہ بناتے اور اپنے قریب بٹھاتے، ابو القاسمؒ نے ایک مرتبہ حضرت عطاءؒ سے عرض کیا کہ آپ کے نزدیک امام ابو حنیفہؒ بڑے ہیں یا سفیان ثوریؒ؟ تو انھوں نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ میرے نزدیک ابنِ جریجؒ سے بھی زیادہ فقیہ ہیں، اُن سے زیادہ فقہ پر قادر شخص میری آنکھوں نے نہیں دیکھا۔(1)

عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ حافظِ حدیث ہیں، اونچے درجے کے محدثین میں آپ کا شمار ہوتا ہے، شیخ الاسلام ہیں، فخر المجاہدین اور قدوۃ الزاہدین ہیں، آپ کے اساتذہ میں سلیمان تیمی اور امام عاصم رحمہا اللہ جیسے جلیل القدر حضرات ہیں اور آپ کی شاگردی عبد الرحمن بن مہدیؒ، یحییٰ بن معینؒ، ابو بکر بن ابی شیبہ رحمہم اللہ جیسے اکابر محدثین وائمہ جرح وتعدیل نے اختیار کی ہے، احادیث کے اندر آپؒ کو امیر المؤمنین فی الحدیث کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور مسلم شریف اور بخاری شریف کے راویوں میں ہیں۔(2)

آپ رحمۃ اللہ علیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگردِ رشید ہیں اور ان کے عقیدت مندوں میں ہیں آپ فرماتے ہیں کہ:

(1) تذکرۃ النعمان: ۱۷۱

(2) تذکرۃ الحفاظ: ۲۷۵/۱

جب کوئی شخص امام ابو حنیفہؒ کا نام برائی سے لے تو میں اس کو گوارا نہیں کر سکتا کہ میں اس کو اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھوں اور مجھے یہ بات بھی پسند نہیں کہ میں اس کے ساتھ بیٹھوں، مجھے خوف ہوتا ہے کہ کہیں اللہ پاک کی طرف سے کوئی آیۃ من آیات اللہ نہ نازل ہو جائے اور میں بھی اسی کے ساتھ ہو جاؤں، اللہ کی قسم امام ابو حنیفہؒ متقی تھے، اپنی زبان کی حفاظت بری باتوں سے کیا کرتے تھے، آپ کی مجلس بہتر ہوا کرتی تھی اور آپ بہت زیادہ حلیم و بردبار تھے۔(1)

نیز فرماتے ہیں کہ:

جب کسی مسئلہ پر امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ متفق ہو جائیں تو چاہیئے کہ آدمی اس کو قبول کر لے۔

آپؒ کی مجلس میں ایک شخص امام صاحبؒ کی طعن و تشنیع کر رہا تھا تو آپ نے کہا

خاموش ہو جاؤ! اگر تم امام صاحبؒ کو دیکھ لیتے تو زبردست عقلمند اور ذی ہوش پاتے۔

ابو سلیمان جرجانیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ فرما رہے تھے کہ:

سفیان ثوریؒ اللہ پاک سے زیادہ ڈرتے تھے اور میں کسی کو نہیں دیکھا جو امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ عقلمند ہو۔(2)

ایک مرتبہ آپؒ نے فرمایا کہ

---

(1) سیر اعلام النبلاء:۶/۴۰۰۔ ۱۴۰۔ خبار ابی حنیفہ واصحابہ:۳۲

(2) الانتقاء:۲۰۶، ۲۰۷

اپنی رائے سے دین کی بابت کچھ کہنا مناسب ہوتا تو امام ابو حنیفہؒ اس مرتبہ کے ہیں کہ ان کو اپنی رائے سے کہنا مناسب ہونا چاہئے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسئلہ میں کوئی حدیث نہ مل سکے اور رائے کی ضرورت پڑے تو امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کی رائے کی طرف رجوع کیا جائے گا؛ لیکن امام ابو حنیفہؒ ان میں سب سے اچھے ہیں، سب سے زیادہ باریک بیں ہیں، علم فقہ میں ان سب سے زیادہ غوطہ زن ہیں اور ان تینوں میں زیادہ فقیہ ہیں۔

خطیبؒ نے حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کا قول نقل کیا ہے کہ:

اگر اللہ نے امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوری رحمہا اللہ سے میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں عام لوگوں کی طرح ہوتا؛ اگر ہم رسول اللہ ﷺ اور حضراتِ صحابہؓ کا اثر نہ پائیں تو امام ابو حنیفہؒ کا قول ہمارے نزدیک ایسا ہی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کا اثر، صمیری، منصور بن ہشام سے روایت کی ہے کہ ہم حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے پاس تھے۔

ایک آدمی امام ابو حنیفہؒ کی برائی بیان کرنے لگا تو آپؒ نے فرمایا:

برا ہوا تمہارا! کیا تم ایسے آدمی کی برائی بیان کرتے ہو جس نے چالیس سال تک پانچوں نمازیں ایک ہی وضوء سے ادا کی، جو سارا قرآنِ کریم دو رکعتوں میں پڑھتا تھا؛ نیز یہ کہ جو کچھ علمِ فقہ ہے وہ میں نے امام ابو حنیفہؒ ہی سے سیکھا ہے۔

ایک مرتبہ آپ حدیث بیان کر رہے تھے طلبہ لکھ رہے تھے؛ اسی درمیان فرمانے لگے:

"حَدَّثَنِيْ نُعْمَانُ بْنُ ثَابِتٍ"۔

کسی نے کہا:

"آپ کس کو مراد لے رہے ہیں"۔

آپ نے جواب دیا:

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جو علم کے مخزن ہیں"۔

یہ سن کر بعض طلبہ نے حدیث لکھنا بند کر دیا تو آپؒ تھوڑی دیر خاموش رہے، اس کے بعد فرمایا:

"اے لوگو! آپ لوگ کتنے بے ادب ہیں، ائمہ کرام کے مراتب سے کس قدر ناواقف ہیں، علم اور اہلِ علم سے آپ لوگوں کی معرفت کتنی کم ہے، کوئی بھی امام ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر اقتداء کے لائق نہیں، اس لیے کہ وہ امام تھے، متقی تھے، صاف و بے داغ تھے، پرہیز گار تھے، عالم تھے، فقیہ تھے؛ انہوں نے علم کو بصیرت، فہم و فراست اور تقویٰ کے ذریعہ اس طرح کھول کر بیان کیا؛ جیسے کہ کسی اور نے نہیں کیا"۔ (1)

مام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

حافظ حدیث ہیں، آپ کی وفات سنہ ۱۸۲ھ میں ہوئی، آپؒ علمِ حدیث میں امام احمد بن حنبلؒ، بشر بن الولید، یحییٰ بن معین رحمہم اللہ جیسے اکابر محدثین کے استاذ ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے مشہور شاگردِ رشید ہیں، اتنے بلند پایہ کے محدث وفقیہ ہونے کے باوجود جب ہارون الرشیدؒ نے آپ سے امام ابو حنیفہؒ کے احوال دریافت کئے تو آپ نے فرمایا:

---

(1) تذکرۃ النعمان: ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲

"امام ابو حنیفہؒ منکرات و منہیات سے خود بھی اجتناب فرماتے اور دوسروں کو بھی روکتے، متقی وپرہیز گار تھے، اہلِ دنیا سے بچا کرتے تھے؛ اکثر خاموش رہا کرتے تھے، فکر مند رہا کرتے تھے، اپنے علوم کو لوگوں تک پہنچایا کرتے تھے، سخاوت بھی خوب کرتے، غیبت نہیں کیا کرتے تھے، جب کسی کا تذکرہ کرتے تو خیر کے ساتھ کرتے"۔

جب ان صفات کو ہارون الرشیدؒ نے سنا تو اپنے کاتب کو بلوایا اور کہا اس کو لکھ کر میرے بیٹے کو دے دو اور اپنے بیٹے سے کہا: اس کو یاد کرو، میں ان شاءاللہ اس کے متعلق تم سے سوال کرونگا؛ نیز امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ:

"امام صاحبؒ ہر رات ایک رکعت میں پورا قرآن شریف پڑھ ڈالتے تھے"۔(1)

قاسم بن معن رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ بڑے محدث ہیں، حجر بن عبد الجبار سے روایت ہے کہ قاسم بن معن رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا گیا کہ آپ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بیٹے ہیں، کیا آپ یہ بات پسند کرتے ہیں کہ امام صاحب کے اولاد میں سے ہو جائیں، تو قاسم بن معن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مجلسیں تو بہت ساری لگا کرتی ہیں اور اس سے استفادہ کرنے والے بھی ہوتے ہیں، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلسیں لگتی ہیں؛ لیکن یہ

(1) اخبار ابی حنیفہ واصحابہ: ۳۱

مجلس دوسری مجلسوں کے مقابلہ میں بہت نفع بخش ہوا کرتی ہے، قاسم بن معن رحمۃ اللہ علیہ نے حجر بن عبدالجبار سے کہا:

ذرا تم قریب آؤ، جب وہ قریب آ گئے تو ان کو اپنے بدن سے چمٹا لیا اور فرمایا کہ میں نے دیکھا تو بہت سارے عالم دین کو، لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح میں نے کسی کو نہیں دیکھا، آپؒ بردبار، متقی وپرہیزگار اور سخی تھے۔[1]

سعید بن ابی عروبہ رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ حافظ حدیث ہیں، آپ کی وفات سنہ ۱۵۶ھ میں ہوئی، یحییٰ بن معینؒ آپ کی توثیق فرماتے ہیں، امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

"اِن کو جو بھی کتاب ملتی اس کو زبانی یاد کر لیتے"۔[2]

آپ فرماتے ہیں کہ:

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عراق کے عالمِ دین تھے"۔

فرماتے ہیں:

(1) الانتقاء: ۲۰۸

(2) تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۷۷

"ایک مرتبہ میں کوفہ گیا اور آپ کی مجلس میں بیٹھ گیا، ایک دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ آیا تو انھوں نے ان کے لیے رحمت کی دعاء کی؛ تو میں نے عرض کیا کہ آپ ان پر رحمت کی دعاء کرتے رہیں، اللہ پاک آپ پر رحم کرتے رہیں گے، میں نے اس شہر میں آپ کے علاوہ کسی کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لیے رحمت کی دعاء کرتے ہوئے نہیں سنا اور اسی وجہ سے میں آپ کی فضیلت کا قائل ہو گیا"[(1)]۔

شریک القاضی رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ حفاظِ حدیث میں سے ہیں، آپ کی وفات سنہ ۱۷۷ھ میں ہوئی۔[(2)]

آپؒ فرماتے ہیں کہ:

امام ابو حنیفہؒ کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہتے اور بہت زیادہ خاموش رہا کرتے تھے، امت کی فکر میں رویا کرتے تھے، بہت کم گفتگو کرتے؛ اکثر اوقات علمی کاموں میں مصروف رہا کرتے تھے۔[(3)]

شعبہ بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ

احادیث کے حفظ واتقان میں امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کو جو درک حاصل تھا، وہ کسی صاحب علم پر مخفی نہیں، علامہ ذہبیؒ نے آپ کو حفاظِ حدیث میں شمار کیا ہے۔[(4)]

---

(1) الانتقاء: ۲۰۸

(2) تذکرۃ الحفاظ: ۱/۲۳۲

(3) سیر اعلام النبلاء: ۶/۴۰۰

(4) تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۹۴

عبد الصمد بن عبد الوارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میں شعبہ بن الحجاجؒ کے پاس تھا؛ اسی درمیان ان سے کہا گیا کہ امام ابو حنیفہؒ کی وفات ہو گئی تو شعبہؒ نے کہا ان کے ساتھ کوفہ کا فقہ چلا گیا، اللہ پاک ان پر اور ہم پر فضل و کرم فرمائے، آپؒ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں خاص طور سے حسن ظن رکھتے تھے"۔[1]

حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ حافظ حدیث ہیں، آپؒ کے استاذ میں سلمہ بن کہیل، عبد اللہ بن دینار، منصور بن المعتمر رحمہم اللہ وغیرہم جیسے جلیل القدر حضرات کا شمار ہوتا ہے اور آپ کی شاگردی وکیع بن الجراحؒ، یحییٰ بن آدمؒ، محمد بن فضیل رحمہم اللہ وغیرہم جیسے کبارِ محدثین نے اختیار کی ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ آپ کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ ہیں۔[2]

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"امام ابو حنیفہؒ متقی تھے، پرہیزگار تھے، حرام کاموں سے بچا کرتے، بہت سی حلال چیزوں کو بھی آپؒ ترک فرما دیا کرتے؛ تاکہ شبہ سے بچ سکیں، آپؒ جیسا فقیہ میں نے نہیں دیکھا، جو اپنے نفس اور اپنے علم کی

(1) الانتقاء: ۲۰۲

(2) تذکرۃ الحفاظ: ۲۱۲

حفاظت کرنے والا ہو، قبر آخرت کی پہلی منزل ہے،اس کی دردناکی کو یاد کرتے اور قبر کی تیاری کیا کرتے تھے"۔[(1)]

یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ بڑے محدث ہیں، فن اسماء الرجال کے امام ہیں، امام احمد بن حنبلؒ، علی بن مدینی رحمہا اللہ جیسے محدثین کے استاذ ہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"آپ رحمۃ اللہ علیہ کے جیسا میری آنکھ نے نہیں دیکھا"۔

علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے متعلق فرماتے ہیں:

"اسماء الرجال کے زبردست عالم تھے"۔[(2)]

آپ رحمۃ اللہ علیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے تھے:

"امام ابو حنیفہؒ کی رائے سب سے بہتر ہوا کرتی تھی؛اسی وجہ سے میں نے ان کے بہت سارے اقوال کو اختیار کیا ہے۔

یحییٰ بن معینؒ سے روایت ہے کہ:

---

(1)الانتقاء:۱۹۹

(2)تذکرۃ الحفاظ:۲۹۸/۱

میں نے یحییٰ بن سعید القطانؒ سے سنا ہے وہ ایک مرتبہ سنا رہے تھے کہ کس قدر اچھی باتیں ہیں جو امام ابو حنیفہؒ نے فرمائی ہیں"۔(1)

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ حافظ حدیث ہیں، آپ کے استاذ میں منصور بن المعتمر، عطاء بن السائب رحمہا اللہ وغیر ہم کا شمار ہوتا ہے اور آپ کے شاگردوں میں امیر المؤنین فی الحدیث عبد اللہ بن المبارک، یحییٰ بن سعید القطان رحمہا اللہ جیسے محدیثن کا شمار ہوتا ہے، آپ کی وفات سنہ ۱۸۷ھ میں ہوئی، خطیبؒ نے فضیل بن عیاضؒ سے روایت کی ہے:

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فقیہ تھے، پرہیزگاری میں معروف تھے، بڑے مالدار تھے، جو ان کے پاس جاتا ان پر فضل فرماتے، ان کی بڑی شہرت تھی، رات دن علوم دینیہ کی تعلیم میں مصروف رہتے؛ اکثر خاموش رہتے، کم بولتے؛ البتہ جب کوئی مسئلہ حلال وحرام کا آجاتا تو بہت اچھی طرح حق پر دلائل قائم فرماتے، بادشاہوں سے دور بھاگتے تھے"۔(2)

(1) سیر اعلام النبلاء: ۶/ ۴۰۲

(2) تذکرۃ النعمان: ۱۶۱

علی بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ حافظ حدیث ہیں، ولادت سنہ ۱۰۵ھ میں ہوئی اور وفات سنہ ۲۰۱ھ میں ہوئی۔[1]

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ عقلمند تھے؛ اگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی آدھی عقل کو لیا جائے اور اہلِ زمین پر جتنے لوگ بستے ہیں، ان تمام لوگوں کی عقلوں کو تولا جائے تو سب سے زیادہ عقلمند امام ابو حنیفہؒ ہی ہوں گے، امام ابو حنیفہؒ کا ان کے نزدیک سب سے بلند مقام تھا"۔[2]

یزید ہارون رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ حافظ حدیث ہیں، آپ کی وفات سنہ ۲۰۷ھ میں ہوئی۔[3]

آپ فرماتے ہیں کہ:

میں نے بہت سارے حضرات سے ملاقات کی ہے؛ لیکن ان حضرات میں سب سے زیادہ عقلمند اور سب سے افضل و متقی حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔

---

(1) تذکرۃ الحفاظ: ۳۱۶/۱

(2) اخبار ابی حنیفہ واصحابہ: ۳۰

(3) تذکرۃ الحفاظ: ۳۱۹/۱

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

"امام ابو حنیفہؒ متقی تھے، دنیا کو ٹھکرانے والے تھے، عالم تھے، سخی تھے، سچی زبان والے تھے، اپنے وقت کے سب سے بڑے حافظ حدیث تھے، ان کے ہم عصروں میں جس کو بھی میں نے پایا، سب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس نے امام ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر فقیہ نہیں دیکھا"۔(1)

عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ حافظ حدیث ہیں، سنہ ۱۸۷ھ میں وفات ہوئی۔(2)

حضرت سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے عیسیٰ بن یونسؒ نے کہا:

"تم لوگ امام ابو حنیفہؒ کے خلاف اپنی زبان مت کھولنا اور تم لوگ ان لوگوں کی ہرگز تصدیق مت کرنا، جو امام صاحبؒ کا نام برائی سے لیتے ہیں اور ان کا احترام نہیں کرتے ہیں، اللہ کی قسم! میں نے آپ سے افضل کسی بھی شخص کو نہیں دیکھا اور نہ آپ سے زیادہ متقی وپرہیزگار شخص کو اور نہ ہی آپ سے زیادہ فقیہ کو دیکھا ہے"۔(3)

(1) اخبار ابی حنفیہ واصحابہ: ۳۰
(2) تذکرۃ الحفاظ: ۲۷۹/۱
(3) الانتقاء: ۲۱۲

زہیر بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ حافظِ حدیث ہیں، آپ کی وفات سنہ ۱۷۳ھ میں ہوئی۔[1]

علی بن جعد کہتے ہیں کہ میں زہیر بن معاویہؒ کے پاس تھا، ایک آدمی آیا تو اس سے حضرت زہیرؒ نے پوچھا، تم کہاں سے آئے ہو؟ تو اس شخص نے کہا امام ابو حنیفہؒ کے پاس سے آیا ہوں، تو حضرت زہیرؒ نے فرمایا:

"اگر تم امام ابو حنیفہؒ کے پاس صرف ایک دن بھی رہو گے تو تم بہت زیادہ استفادہ کر لوگے اور تمہارے لیے فائدہ مند ہو گا؛ لیکن تم میرے پاس ایک مہینہ بھی رہو تو زیادہ فائدہ نہ ہو گا"۔[2]

وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ

حافظِ حدیث ہیں اور عراق کے محدث ہیں۔[3]

آپؒ جب کوئی فتویٰ صادر فرماتے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو دیکھتے اور اسی کے مطابق فتویٰ لکھتے، آپؒ فرماتے ہیں:

(1) تذکرۃ الحفاظ: ۳۳۲/۱

(2) اخبار ابی حنیفہ واصحابہ: ۳۰

(3) تذکرۃ الحفاظ: ۳۰۷/۱

"میں نے امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ فقیہ اور ان سے اچھی نماز پڑھنے والا کسی کو نہیں دیکھا"۔(1)

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ بہت بڑے محدث ہیں۔(2)

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بامروت اور بہت زیادہ نماز پڑھا کرتے تھے"۔(3)

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ

جلیل القدر محدث وفقیہ تھے۔(4)

ایک مرتب امام اوزاعیؒ نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے کہا یہ کون مبتدع کوفہ میں پیدا ہوا ہے، جس کی کنیت ابو حنیفہؒ ہے؟ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

---

(1)الانتقا:۲۱۱

(2)تذکرۃ الحفاظ:۲۶۲/۱

(3)تذکرۃ النعمان:۱۶۶

(4)تذکرۃ الحفاظ:۱۷۸/۱

"میں نے کوئی جواب نہیں دیا، بعد میں امام ابو حنیفہؒ کے چیدہ چیدہ مسائل ان کو دیکھایا، جب انھوں نے ان مسائل کو پڑھا اور دیکھا کہ یہ مسائل نعمان بن ثابت کی طرف منسوب ہیں تو فرمایا یہ نعمان بن ثابت کون ہیں؟ میں نے کہا: ایک شیخ ہیں، جن سے عراق میں ملاقات ہوئی ہے، تو امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ مشائخ میں بڑی قابل قدر شخصیت معلوم ہوتی ہے، تم جاؤ اور ان سے زیادہ علم حاصل کرو، میں نے کہا یہ وہی ابو حنیفہؒ ہیں، جن سے مجھ کو آپ نے روکا تھا"۔

پھر امام اوزاعیؒ اور امام صاحب مکۃ المکرمہ "زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَعَظَمًا" میں جمع ہوئے اور ملاقات ہوئی تو چند مسائل میں آپ سے گفتگو ہوئی، امام ابو حنیفہؒ نے ان مسائل کو بڑی عمدہ تشریح کے ساتھ بیان کیا، جب دونوں حضرات جدا ہوئے تو امام اوزاعیؒ نے حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا:

"کثرتِ علم اور وفور علم پر غبطہ (رشک) ہوا اور میں خداوند قدوس سے استغفار کرتا ہوں، ان کے بارے میں جو کچھ کہا، اس بارے میں کھلی غلطی پر تھا، ان کی صحبت کو لازم پکڑلو، کسی طرح ان کا ساتھ مت چھوڑو؛ کیونکہ ان کے بارے میں جو چیزیں مجھ کو پہنچی تھیں، میں نے ان کو ان کے خلاف پایا"۔ (1)

(1) تذکرۃ النعمان: ۱۵۴

ناخن کاٹنے کی سنت

1)داہنے ہاتھ کی ابگشت شہادت (کلمہ شہادت) سے شروع کریں اور چھنگلی تک پھر ہاتھ کی چھنگلی بائیں ہاتھ کی انگوٹھے پھر آخر میں داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کاٹنے اور داہنے پاؤں کی چھنگلی سے شروع کر کے انگوٹھے تک پھر بائیں پاؤں کے انگوٹھے سے چھنگلی تک ترتیب وار ناخن کاٹنا چاہئے -۔یہی طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ناخن تراشنے کا شامی میں منقول ہے۔ جس کی عبارت مع حوالہ نقل ہے۔

روی انه صلی الله علیه وسلم بداء بمسبحته الیمنیٰ الی الخنصر ثم بخنصر الیسری الی الابهام وختم بابهام الیمنیٰ وفی الرجل بخنصر الیمنیٰ ویختم بخنصر الیسریٰ ۔[1]

ناخن جمعہ کے دن نماز سے قبل کاٹنا سنت ہے:

کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقص شاربه ویقلم اظفاره یوم الجمعة قبل ان یروح الیٰ الصلوٰة۔

(1)شامی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن قبل نماز جمعہ مونچھوں اور ناخنوں کا کاٹتے تھے۔(1)

روایت:

من قلم اظافیرہ یوم الجمعۃ اعاذہ اللہ من البلاء یا الیٰ الجمعۃ الاخریٰ۔

جو شخص جمعہ کے دن ناخن کاٹے اگلے جمعہ تک بلاؤں سے اس کو اللہ تعالیٰ پناہ دیں گے(2)

حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ ابن دقیق العید رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ناخن تراشنے میں کوئی خاص کیفیت اور کسی دن کی تعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول وثابت نہیں۔

لہذا مذکورہ بالا طریقے کے مستحب ہونے کا اعتقاد جائز نہیں۔(3)

---

(1) ایضا

(2) شامی

(3) بذل المجهود فی حل ابی داؤد ج1 ص33

دُعا کے آداب

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک آدمی کے پاس گزرے وہ یہ دعا کہہ رہا تھا۔

اے اللہ! میں تجھ سے صبر کی توفیق مانگتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

تو نے تو اللہ سے مصیبت کو مانگ لیا (کیونکہ پہلے کوئی مصیبت آئیگی پھر اس کے بعد صبر ہو گا) تو اللہ سے عافیت کو مانگ (کیونکہ مصیبت آجائے تو پھر صبر مانگنا چاہئے)

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ایک اور آدمی پر ہوا جو یہ دعا مانگ رہا تھا

اے اللہ! میں تجھ سے پوری نعمت مانگتا ہوں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

او آدم کے بیٹے! تم جانتے ہو پوری نعمت کیا ہے؟

اس نے کہا

یارسول اللہ ﷺ یہ تو میں نے خیر کی امید میں دعا مانگی ہے (مجھے نہیں پتہ پوری نعمت کیا ہوتی ہے)

آپ ﷺ نے فرمایا پوری نعمت یہ ہے کہ:

آدمی جہنم کی آگ سے بچ جائے اور جنت میں چلا جائے۔

حضور ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے وہ کہہ رہا تھا

یَا ذَا الجَلَالِ وَالاِکرَام

آپ ﷺ نے فرمایا

ان الفاظ سے پکارنے کی وجہ سے تیرے لئے قبولیت کا دروازہ کھل گیا ہے اب تو مانگ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ ایک آدمی کے پاس گئے وہ کمزوری اور بیماری کی وجہ سے پرندے کے اُس بچے کی طرح نظر آرہا تھا جس کے پَر کسی نے نوچ لئے ہوں حضور ﷺ نے اس سے پوچھا:

کیا تو کوئی خاص دعا مانگا کرتا تھا؟

اس نے کہا میں یہ دعا مانگا کرتا تھا کہ:

اے اللہ! تو نے مجھے جو سزا آخرت میں دینی ہے وہ دنیا ہی میں جلد دے دے۔

حضور ﷺ نے فرمایا

تم نے یہ دعا کیوں نہیں مانگی اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی خیر و خوبی عطا فرما اور آخرت میں بھی خیر و خوبی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔

چنانچہ اس نے اللہ سے یہ دعا مانگی تو اللہ نے اسے شفا دی۔

حضرت بشیر بن خَصَاصِیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمہیں ربیعۃ القشعم قبیلہ سے یہاں لایا اور پھر تمہیں اللہ کے رسول کے ہاتھ پر مسلمان ہونے کی توفیق دی

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے آپ سے پہلے موت دیدے حضور ﷺ نے فرمایا یہ دعا میں کسی کے لئے نہیں کر سکتا۔۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حضور ﷺ جب کسی کے لئے دعا فرماتے تو دعا کی ابتدا اپنے سے فرماتے۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا تو ارشاد فرمایا! اللہ کی رحمت ہم پر ہو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہو اگر وہ صبر کرتے تو اپنے استاد (حضرت خضر علیہ السلام) کی طرف سے اور بہت سی عجیب عجیب باتیں دیکھتے لیکن انہوں نے یہ کہہ دیا:

ان اسئلک عن شئ بعدھا فلا تصاحبنی قد بلغت من لدنی عذرا ۔[1]

اگر اس مرتبہ کے بعد آپ سے کسی امر کے متعلق کچھ پوچھوں تو آپ مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھئے بیشک میری طرف سے آپ عذر (کی انتہا) کو پہنچ چکے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن ابی السائب رحمۃ اللہ سے فرمایا جو کہ مدینہ والوں کے واعظ تھے:

دعا میں بتکلف ایک جیسی عبارت لانے سے بچو کیونکہ میں نے حضور ﷺ اور صحابہ کا زمانہ پایا ہے وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو سنا کہ فتنہ سے پناہ مانگ رہا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

(1) سورۃ کہف

اے اللہ! اس کی دعا کے الفاظ سے تیری پناہ چاہتا ہوں پھر اس آدمی سے فرمایا کیا تم اللہ سے یہ مانگ رہے ہو کہ وہ تمہیں بیوی بچے اور مال نہ دے؟ کیونکہ قرآن میں مال اور اولاد کو فتنہ کہا گیا ہے تم میں سے جو بھی فتنہ سے پناہ مانگنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ گمراہ کرنے والے فتنوں سے پناہ مانگے۔

حضرت محارب بن وثار کے چچا کہتے ہیں میں آخری شب میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس سے گزر رہا تھا تو انہیں میں یہ دعا فرماتے ہوئے سنا تھا۔

اے اللہ! تو نے مجھے بلایا میں نے اس پر لبیک کہا تو نے مجھے حکم دیا میں نے تیری اطاعت کی اور یہ سحری کا وقت ہے، لہذا تو میری مغفرت کر دے۔

پھر میری حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے کہا میں نے آپ کو آخری شب میں چند کلمات کہتے ہوئے سنا ہے پھر میں نے وہ کلمات انہیں بتائے تو انہوں نے فرمایا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے وعدہ فرمایا تھا کہ میں تمہارے لئے اپنے رب سے استغفار کروں گا تو انہوں نے آخر شب میں ان کے لئے دعا مغفرت کی تھی۔

حضرت مولانا احمد حسن امروہی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا احمد حسن امروہی رحمۃ اللہ علیہ امروہہ کی ایک عظیم المرتبت، ذی وقار وذی اعتبار شخصیت تھے۔ آپ بر صغیر ہند وپاک کے نامور محدث اور دار العلوم دیوبند کے نامور اکابر علماء میں سے تھے۔ جن پر بجا طور پر قوم وطن کو فخر وناز ہوتا ہے۔ آپ امروہہ کے مشہور ومعزز خاندان رضویہ کے چشم وچراغ تھے۔ امروہہ میں آپ کے مورث اعلیٰ ابو الفتح حضرت شاہ ابن بدر چستؒ ہیں جو عہد اکبری کے ایک ممتاز ومنفرد بزرگ عہد تھے۔ آپ کے بارے میں پروفیسر خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے۔

"دسویں صدی ہجری میں امروہہ کے علمی اور روحانی مطلع پر حضرت شاہ بن بدر چشتی بدر منیر کی طرح نمودار ہوئے اور ساری فضا میں پھر روشنی اور توانائی پیدا ہو گئی۔ ان کے آستانۂ فیض پر دور دور سے تشنگان معرفت کھنچ آئے"۔

حضرت شاہ ابن بدر چشتی کے واسطہ سے حضرت مولانا احمد حسن امروہی کا سلسلۂ نسب حضرت امام علی موسیٰ رضا سے متصل ہوتا ہے جو اس طرح ہے۔

"حضرت سید مولانا احمد حسن محدث امروہی ابن مولوی اکبر حسین ابن سید نبی بخش ابن سید محمد حسین ابن پیر سید محمد حسن ابن سیف اللہ ابن ابو المعالی ابن ابو المکارم ابن حضرت شاہ ابو القاسم ابن حضرت شاہ ابن بدر چست ابن سید احمد گنج رواں ابن سید محمد ابن سید طیفور ابن سید شہاب الدین ابن امیر سید محمد ابن سید

محمود ابن سید احمد ابن سید عبد الخالق ابن سید محمد ابن سید احمد زاہد ابن سید عبد اللہ محمد ابن سید محمود ابن سید جنید ابن سید علی ابن سید معروف ابن سید ابوالشکر عبد العزیز ابن سید عبد الرحمن ابن سید عبد اللہ ابن سید موسیٰ ابن سید ابراہیم ابن حضرت امام علی رضا"۔

اس علمی اور بزرگ خانوادے میں مولوی سید اکبر حسین کے دولت خانہ پر ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء کو حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہی نے آنکھیں کھولیں۔ ابتداً مولوی سید رافت حسین حسینی ساکن دربار کلاں، مولوی کریم بخش نخشبی، مولوی سید محمد حسین جعفری ساکن محلہ چاہ شور وغیرہ عربی وفارسی ادبیات کی تحصیل کی۔

اس کے بعد دارالعلوم دیوبند جا کر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب صدیقی نانوتویؒ سے علم و فن کی تکمیل و تحصیل کی۔ جب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ زیارت حرمین شریفن کو تشریف لے گئے تو آپ امروہہ آگئے اور یہاں مولانا حکیم علی خان سے فن طب کی تحصیل کی، جب مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ حج کی سعادت سے بہرہ ور ہو کر وطن واپس ہندوستان تشریف لائے تو آپ پھر حضرت مولاانا قاسم صاحب نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد سند حدیث حاصل کی،اوراس فن میں وہ کمال وامتیاز حاصل کیا کہ آپ کے اساتذہ بھی آپ پر فخر کرتے تھے۔

مؤرخ امروہہ محمود احمد عباسی لکھتے ہیں:

"کمالات وفضائل کاذخیرہ وافر فراہم کر کے تبحر علمی میں وہ درجہ پایا کہ محترم استاد کو اپنے شاگرد رشید بلکہ مرید وجانشین کی ذات گرامی پر بجاطور پر فخر وناز تھا"

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صدیقی کے علاوہ آپ ک اساتذہ میں مولانا احمد علی سہارن پوریؒ، قاری عبدالرحمن پانی پتیؒ،اور موانا عبدالقیوم صاحب دہلویؒ جیسے باکمال اور جید علماء کرام شامل ہیں جب آپ حج کو تشریف لے گیے تو وہاں حضرت مولانا حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے شرف بیعت کی سعادت حاصل کی اور حضرت مولانا شاہ عبدالغنی دہلوی مجددی مہاجر مدنیؒ سے حدیث کی سند حاصل کی۔

علوم و معارف اور تمام فنون میں کمالات حاصل کرنے کے بعد درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کی اور خورجہ، سنبھل، مرادآباد وغیرہ سے تدریسی خدمات کا سلسلہ شروع کیا، پھر مدرسہ شاہی مرادآباد میں ایک طویل عرصہ تک تشنگان علوم حدیث وقرآن کو فیضیاب وسیراب کیا۔۱۳۰۱ھ میں اپنے وطن امروہہ تشریف لائے اور مدرسہ اسلامیہ عربیہ واقع جامع مسجد امروہہ میں تازیست حدیث وقرآن کی خدمات انجام دیں۔ اس مدرسہ کی بنیاد آپ ے استاد محترمحضرت مولانا محمد قاسم صاحب صدیقی نانوتویؒ کے دست مبارک سے رکھی گئی تھی۔

مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ کی ذات والا صفات نے مدرسہ کو وہ ترقی اور عروج عطا کیا جس کا فیض ایک عالم کو سیراب کر گیا۔اس مدرسہ میں مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ کے درس میں شامل ہونے کے لیے سرحد افغانستان بلک بخارا و ترکستان، بہار وبنگال، سلہٹ اور آسام، برما، دکن و مدراس وغیرہ سے تشنگابن علم حدیث آئے اور سال وسال؛ مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ کے فیوض سے فیضیاب ہوکر اپنے وطن واپس آکر علم حدیث وقرآن کی خدمات انجام دیتے۔ الحمد للہ ! حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ کا یہ بابرکت فیض آج بھی پوری آب وتاب کے ساتھ جاری ہے

حضرت حافظ عبدالرحمن صاحب صدیقی مفسر امروہیؒ، حضرت مولانا عبدالغنی پھلاودی متخلص بہ حافظؒ، مولانا سید رضا حسن رضوی امروہیؒ، مولانا حکیم امین الدین خاں شاہ آبادیؒ پرنسپل طبیہ کالج دہلی، بابائے طب حکیم فرید احمد عباسی، مولانا حکیم مختار احمد سدیقی امروہی ساکن بریلی، مولانا حکیم ظہور الحق صدیقیؒ، مولانا انور الحق عباسیؒ، حکیم سید حامد حسن رضوی افسر الاطباء حیدر آباد، مولانا غلام یحیی صاحبؒ سابق صدر مدرس مدرسہ الہیات کان پور، مولانا محمود حسن سہسوانیؒ سابق صدر مدرس مدرسہ شاہی مراد آباد وغیرہ۔

افسوس صد افسوس! ۲۹/ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ / ۱۸/ مارچ ۱۹۱۲ء کو سرزمین امروہہ کا یہ دریائے علم وعرفان اپنے تمام عقید مندوں شاگردوں کو سوگوار چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔ جس کا بابرکت وجود مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم رحمت تھا۔

حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ کی اولاد میں ایک فرزند مولانا سد محمد عرف بنّے میاں تھے اور دو لڑکیاں تھیں۔ مولانا سید محمد عرف بنّے میاں بھی اپنے وقت کے بڑے علماء میں سے تھے۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ دار العلوم چلہ کے بانیین میں سے تھے۔ مولانا سید محمد عرف بنّے میاں صاحب کے آٹھ فرزند ہوئے جن کے نام اس طرح ہیں:

سید احمد؛ آل احمد م سردار احمد، پروفیسر سید وقار رضوی، زبیر رضوی، آفتاب احمد، سلطان احمد اور مسعود احمد، ان میں پروفیسر سید وقار ضوی پاکستان میں اپنے وقت کے ذی علم ادیب و نقاد ہیں، کئی اہم کتابوں کے مصنف ہیں۔ اور زبیر رضوی صاحب عالمی شہرت یافتہ شاعر اور نقاد ادیب ہیں۔ اردو زبان کے

کئی اہم علمی اداروں کے سرپرست اور عہدیدار رہے ہیں۔ آج اردو دنیا میں آپ کی ذات گرامی سے امروہہ کا نام شعری میدان میں روشن وتابندہ ہے۔

آخر میں حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ کے ایک شاگرد رشید شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن نے جو آپ کی وفات حسرت آیات پر تعزیتی قطعہ تاریخ لکھا ہے۔ وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

گم ہوئی ہے آج صد حسرت ہمارے ہا تھ سے
حضرت قاسم نشانی دے گئے تھے اپنی جو
سید العلماء امام اہل عقل واہل نقل
پاک صورت، پاک سیرت، صاحب خلق نکو
معدم علم و حکم سرِ دفتر اہل کمال
عازم خلدِ بریں ہے جس کو چلنا ہے چلو
جب شبیہ قاسمی سے بھی ہوئے محروم ہم
تمھیں بتلادو کہ پھر ہم کیا کریں اے دوستو
درد یہ پہنچا ہے سب کو اس کا منکر کون ہے
ہاں مگر ایک فرق ہے تھوڑا سا گر میرے سنو
لوگ کہتے ہیں چلے علامہٗ احمد حسن
اور میں کہتا ہوں وفات قاسمی ہے ہو نہ ہو

کا مل و اکمل سبھی موجود ہیں پر اس کو کیا
جو کہ مشتاقِ ادائے قاسم خیرات ہو
اپنی اپنی جائے پر قائم ہیں سب اہل کمال
پر جگہ استاد کی خالی پڑی ہے دیکھ لو
ہاں جنونِ اتحادِ قاسم میں با رہا
تم کو ہم کہتے تھے من اور آپ کو کہتے تھے تو
مجمعِ حسرت قرین درد و غم میں میں بھی تھا
فکر میں تاریخ کے سب نے کیا جب سر فرو
بادلِ پُریاس آئی کان میں میرے صدا
حک ہوئی تصویر قاسم صفحۂ دنیا سے لو

۱۳۳۰ھ مشاہیر امروہہ

مفتی حبیب اللہ قاسمی

مولانا حبیب اللہ صاحب کی پیدائش یکم مارچ انیس سو اٹھاون (1958) عیسوی میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام حاجی شیخ یار مرحوم ہے، آپ جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، پوسٹ سنجر پور، اعظم گڑھ (یوپی) میں رہتے ہیں اور آپ کے آبائی وطن کا پورا پتہ اس طرح ہے: مقام و پوسٹ جھٹکاہی، وایا پچکیڑی بازار، ضلع مشرقی چمپارن، بہار۔

آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ہوئی، جہاں آپ کے بڑے بھائی قاری مطیع اللہ رہتے تھے، پھر آپ نے مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ (ضلع سہارنپور) میں داخلہ لیا اور عربی ششم تک وہاں تعلیم حاصل کی، ۱۹۷۷ء میں آپ نے دار العلوم میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۸ء میں آپ نے افتاء بھی کیا۔

فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جونپور (یوپی) میں تقریبا 13 سال تدریسی خدمات انجام دیں، پھر ۱۹۹۴ء میں آپ نے جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور (اعظم گڑھ) کی بنیاد رکھی اور تاہنوز مدرسے میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا حبیب اللہ صاحب کو فقہ و فتاوی سے خاص لگاؤ رہا ہے اور اس پہلو سے آپ کی نمایاں خدمات رہی ہیں، چنانچہ دارالعلوم دیوبند سے افتاء کی تربیت پانے کے بعد مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں آپ نے 13 سال تدریس کے ساتھ افتاء کی بھی خدمات انجام دی اور سترہ اٹھارہ سالوں سے دارالعلوم مہذب میں خدمات انجام دے رہے ہیں، آپ کے فتاوی کا مجموعہ بھی چھ جلدوں میں "حبیب الفتاوی" کے نام سے مطبوع ہے، اس کے علاوہ قضا کی خدمت بھی اپنے مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جامعہ حسینیہ لال دروازہ، جونپور اور محکمہ شرعیہ مینارہ مسجد، سرائے میر (اعظم گڑھ) میں انجام دی، فقہی سمینار میں آپ کے مقالات کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

آپ نے ایک درجن سے زیادہ کتابیں بھی تالیف فرمائی ہیں، جن میں فقہ کے موضوع پر نیل الفرقدین فی المصافحہ بالیدین، احکام یوم الشک، نوٹ کی شرعی حیثیت، المسائل مذکورہ فی الدعاء بعد المکتوبہ، تنقیح الاذہان، (میت کے متعلق مسائل)، تحقیقات فقہیہ (مختلف رسائل و مقالات کا مجموعہ) اور حبیب الفتاوی (٦ جلدیں) وغیرہ اور دیگر موضوعات پر: مبادیات حدیث، احب الکلام فی مسئلہ السلام، التوسل بسید الرسل، جذب القلوب والدین کا پیغام زوجین کے نام، تحفۃ السالکین، مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں، رسائل حبیب، صدائے بلبل (خطبات کا مجموعہ) خاص کر قابل ذکر ہیں۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ، مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، مفتی نظام الدین اعظمی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ، مولانا فخر الحسن رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قاری شریف احمد رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا فیاض احمد رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے ممتاز شاگردوں میں مفتی رشید احمد معروفی،

مولانا محمد کوثر اعظمی، مفتی محمد طاہر قاسمی، مفتی عبدالقدوس کا عظمی، مولانا حبیب اللہ بستوی، مفتی عزیز احمد گورکھپوری، مولانا محمد عثمان جون پوری، مفتی اظہار الحق گریڈیہا، مولانا شمیم احمد نیپالی اور مولانا عبد الحہ خاص کر قابل ذکر ہیں۔

مولانا حبیب اللہ صاحب کو اللہ تعالی نے بہت سی خصوصیات اور خوبیوں سے نوازا ہے اور خدمت دین کے لئے انہیں قبول فرمایا ہے۔ چنانچہ دین اور خدمت دین سے متعلق جو ذمہ داریاں اور مناسب اس وقت آپ سے متعلق وہ حسب ذیل ہیں:

1. بانی و مہتمم جامعہ دار العلوم مہذب پور، اعظم گڑھ۔
2. صدر مفتی جامعہ دار العلو مہذب پور، (اعظم گڑھ)
3. صدر مجلس القضاء والدراسات العلیا
4. رئیس مجلس دعوت والارشاد [1]

حضرت مفتی صاحب کے تلامذہ میں مفتی محمد عثمان بستوی اور مفتی محمد حمزہ گورکھپوری بھی قابل ذکر ہیں۔ احقر نے بھی حضرت مفتی صاحب سے سبق لیا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالی حضرت مفتی صاحب کا سایہ تادیر قائم رکھے۔ آمین

(1) بحوالہ: فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات۔

امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

صحاح ستہ کے ائمہ رواۃ واجلہ شیوخ میں جلیل القدر امام حدیث ہیں ،ابن مہدی (شیخ امام بخاری) نے چار کبار ائمہ حدیث میں سے ایک ان کو قرار دیا، ایک دفعہ ان سے ابن مبارک وسفیان ثوری کے بارے میں دریافت کیا گیا تو کہا اگر سفیان پوری کوشش کرلیں کہ ان کا ایک دن بھی ابن مبارک جیسا ہو جائے تو یہ بھی نہیں کر سکتے ، یہ بھی فرمایا کہ جس حدیث کو ابن مبارک نہ جانتے ہوں اس کو ہم نہیں پہچانتے ،امام احمد نے فرمایا کہ اپنے زمانہ میں ان سے زیادہ علم کو جمع کرنے والا کوئی نہیں ہوا، بہت بڑا ذخیرہ علم کا جمع کیا، کوئی بات ان سے کم ہی رہی ہو گی وہ صاحب حدیث حافظ تھے ،ان کی کتابوں میں بیس ہزار احادیث موجود ہیں اور ابن مہدی ان کو امام ثوری پر ترجیح دیتے تھے ،امام صاحب کے اخص اصحاب میں سے تھے ، بعض رواۃ نے ان کی طرف امام صاحب کے جو اقوال منسوب کئے ہیں انہوں نے ہر گز نہیں کہے جیسا کہ بہت سے دوسرے حضرات کی طرف بھی ایسی نسبتیں کی گئی ہیں۔[1]

(1)تقدمہ نصب الرایہ

حضرت سفیان بن عینیہ نے فرمایا کہ میں نے صحابہ کے حالات میں غور کیا اگر صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ اور آپ کے ساتھ غزوات میں شرکت کی فضیلت حاصل نہ ہوتی تو ابن مبارک ان کے برابر ہی ہوتے ، یہ بھی فرمایا کہ ابن مبارک فقیہ ، عابد ، زاہد، شیخ شجاع اور ادیب وشاعر تھے، فضیل بن عیاض نے فرمایا کہ انہوں نے اپنا مثل نہیں چھوڑا،ابن معین نے فرمایا ابن مبارک بہت سمجھدار، پختہ کار، ثقہ، عالم صحیح الحدیث تھے، چھوٹی بڑی سب کتابوں کی تعداد جو انہوں نے جمع کی تھیں بیس اکیس ہزار تک بیان کی جاتی ہے،یحییٰ اندلسی کا بیان ہے کہ امام مالک کو ہم نے کسی کے لئے اپنی جگہ سے تعظیما اٹھتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن ابن مبارک کیلئے انہوں نے ایسا کیا اور بالکل اپنے قریب بلا کر بٹھلایا، قاری امام مالک کو پڑھ کر سناتا رہا، بعض جگہ امام مالک روک کر پوچھتے کہ کیا تم لوگوں کے پاس بھی اس بارے میں کچھ ہے ؟ تو ابن مبارک جواب دیتے تھے اور بڑے ادب وآہستگی سے بولتے تھے، جب مجلس ختم ہوئی تو امام مالک ان کے حسن وادب سے بھی متاثر تھے۔

اور ہم سے فرمایا کہ کہ "یہ ابن مبارک فقیہ خراسان ہیں" خلیلی کا قول ہے کہ ابن مبارک کی امامت پر سب کا اتفاق ہے اور ان کی کرامات شمار سے باہر ہیں،اسود بن سالم نے فرمایا کہ جو شخص ابن مبارک کو مطعون کرے اس کے اسلام میں شک ہے،امام نسائی کا قول ہے کہ ابن مبارک کے زمانے میں ان سے زیادہ جلیل القدر، بلند مرتبہ اور تمام بہتر خصائل کا جامع ہمارے علم میں نہیں ہوا، حسن بن عیسیٰ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ اصحاب ابن مبارک نے جمع ہو کر ان کے فضائل شمار کئے تو سب نے طئے کیا کہ ان میں حسب ذیل کمالات مجتمع تھے۔

فقہ ،ادب، نحو، لغت، شعر، فصاحت، زہد، ورع، انصاف ، قیام لیل ، عبادت، حض، غزوہ وجہاد، شہسواری، شجاعت، جسمانی قوت ،ترک لایعنی، کمی اختلاف اپنے اصحاب سے ،عباس نے یہ امور بھی اضافہ کئے، سخاوت، تجارت، محبت باوجود مفارقت ان کے علاوہ بھی آپ کے مناقب وفضائل بہت ہیں ایک جہاد سے واپسی ہے 181ھ میں 63 سال کی عمر میں وفات پائی اور باوجود ان مناقب جلیلہ کے وہ امام ابو حنیفہ کے اصحاب تلامذہ میں سے تھے اور حسب تصریح تاریخ خطیب وبستان المحدثین وغیرہ امام صاحب کی وفات تک ان کی خدمت سے جدا نہ ہوئے ،امام صاحب کے تلمذ پر فخر کرتے اور ان کی مدح فرماتے مخالفین کو امام صاحب کی طرف سے جواب دیتے تھے ،وغیرہ ذالک۔

ابن مبارک سے کہا گیا کہ آخر کب تک حدیثیں لکھتے رہیں گے ؟فرمایا جس کلمہ سے مجھے نفع پہنچا شاید وہ اب تک نہ لکھا اکثر اوقات تنہا بیٹھے رہتے، کسی نے کہا آپ کو وحشت نہیں ہوتی ؟فرمایا وحشت کیسی ؟ جبکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا ہوں یعنی آپ کی حدیث میں مشغول ہوتا ہوں ،علوم نبوت سے انتہائی شغف رکھتے تھے۔امام اعظم سے مسانید امام میں بہ کثرت روایات کی ہیں رحمۃ اللہ رحمۃ واسعہ۔ (1)

(1)مناقب کردری جلد دوم وجامع المسانید

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

مولانا کا شمار ہندوستان کے جید علماء میں ہوتا ہے۔ مولانا کی پیدائش جمادی الاولیٰ 1376ھ (نومبر 1956ء) کو ضلع دربھنگہ کے جالہ میں ہوئی۔ آپ کے والد صاحب مولانا زین الدین صاحب کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مولانا رحمانی صاحب حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے ہیں۔ آپ نے جامعہ رحمانیہ مونگیر، بہار اور دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔

آپ المعہد الاسلامی، حیدرآباد، مدرسۃ الصالحات نسواں جالہ، ضلع دربھنگہ بہار اور دارالعلوم سبیل الفلاح، جالہ، بہار کے بانی وناظم ہیں۔ جامعہ نسواں حیدرآباد عروہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، حیدرآباد، سینٹر فار پیس اینڈ ٹرو مسیج حیدرآباد پیس فاؤنڈیشن حیدرآباد کے علاوہ آندھرا پردیش، بہار، جھارکھنڈ، یوپی اور کرناٹک کے تقریباً دو درجن دینی مدارس اور عصری تعلیمی اداروں کے سرپرست ہیں۔ المعہد العالی الھند تدریب فی القضاء والافتاء، پھلواری شریف، پٹنہ کے ٹرسٹی ہیں۔ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور مجلس تحفظ ختم نبوت، آندھرا پردیش کے جنرل سکریٹری ہیں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن تاسیسی اور رکن عاملہ ہیں۔ مجلس علمیہ، آندھرا پردیش کے رکن عاملہ ہیں۔ امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں، امارت ملت

اسلامیہ، آندھرا پردیش کے قاضی شریعت اور دائرۃ المعارف الاسلامی، حیدر آباد کے مجلس علمی کے رکن ہیں۔ آپ النور تکافل انسورنش کمپنی، جنوبی افریقہ کے شرعی ایڈوائزر بورڈ کے رکن بھی ہیں۔

اس کے علاوہ آپ کی ادارت میں سہ ماہی، بحث و نظر، دہلی نکل رہا ہے جو برصغیر میں علمی و فقہی میدان میں ایک منفرد مجلہ ہے۔ روزنامہ منصف میں آپ کے کالم ''شمع فروزاں'' اور ''شرعی مسائل'' مستقل طور پر قارئین کی رہنمائی کر رہے ہیں۔

الحمدللہ آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں، قرآن ایک الہامی کتاب، 24 آیتیں، فقہ القرآن، ترجمہ قرآن مع مختصر توضیحات، آسان اصول حدیث، علم اصول حدیث، قاموس الفقہ، جدید فقہی مسائل، عبادات اور جدید مسائل، اسلام اور جدید معاشرتی مسائل اسلام اور جدید معاشی مسائل اسلام اور جدید میڈیل مسائل، آسان اصول فقہ، کتاب الفتاویٰ (چھ جلدوں میں) طلاق و تفریق، اسلام کے اصول قانون، مسلمانوں و غیر مسلموں کے تعلقات، حلال و حرام، اسلام کے نظام عشر و زکوٰۃ، نئے مسائل، مختصر سیرت ابن ہشام، خطبات بنگلور، نقوش نبوی، نقوش موعظت، عصر حاضر کے سماجی مسائل، دینی و عصری تعلیم۔ مسائل و حل، راہ اعتدال، مسلم پرسنل لا ایک نظر میں، عورت اسلام کے سایہ میں وغیرہ شامل ہیں۔

کفو کا مسئلہ محدثین اور فقہاء کی نظر میں

متأخرین فقہاء نے کفو اور جوڑ کے مسئلہ کو بہت زیادہ پھیلا دیا ہے اور ذات پات اور پیشوں کی اس طرح درجہ بندی کی ہے کہ اس سے جاہلی دور کی ونچ نیچ کا تصور پیدا ہونے لگتا ہے۔

محدثین میں ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی حنفی شارحین بخاری نے اس صراحت کر دی ہے کہ :

"عرب کے مختلف قبیلوں کے درمیان نسب کے لحاظ سے اونچ نیچ اور عرب اور عجم کے درمیان قومی امتیاز اور مختلف پیشوں کے لحاظ سے تحقیر و تذلیل کا تصور صحیح حدیث سے ثابت نہیں"۔[1]

ان محدثین ثابت کیا ہے کہ جس حدیث سے بعض فقہاء نے استدلال کیا ہے وہ ضعیف اور موضوع ہے۔

---

(1) تفصیل کے لیے فتح الباری جلد 9 صفحہ 108 اور عینی شرح بخاری جلد، 9 صفحہ 378 کا مطالعہ کیا جائے۔

صحابہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ تابعین میں ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسئلہ تھا۔

فقہاء میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کے ساتھ کہا ہے کہ کفاءۃ کا اعتبار صرف دین میں ہو گا،اس کے بعد تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی شمار ہوں گے۔

فقہائے احناف میں امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی پہلی رائے امام مالک کے مطابق تھی بعد میں امام صاحب نے اپنے شاگردوں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے اتفاق کر لیا اور نسب اور پیشوؤں میں کفاءۃ کو تسلیم کر لیا۔

لیکن بعد کے حنفی فقہاء نے اس کی تشریح کرتی ہے کہ ائمہ احناف کا یہ مسئلہ کسی حدیث پر مبنی نہیں بلکہ صرف اپنے دور کے حالات کی رعایت پر مبنی ہے۔بحر الرائق نے لکھا ہے۔

"لان الناس یتفاخرون بشرف الحرف ویتعیرون بدناءتھا۔[1]"

---

(1)بحر الرائق صفحہ 131

یعنی اس دور میں لوگ نسبی تفاخر اور پیشوں میں اونچ نیچ کے تصور میں مبتلا ہو گئے تھے

ان حضرات نے گھریلو زندگی کو کشیدگی سے بچانے کے لیے مصلحتاً یہ رائے دی کہ شادی بیاہ میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان نسب اور پیشے کے لحاظ سے برابری کا لحاظ رکھا جائے۔

اس رائے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم بیمہ احناف نسب پیشہ میں اونچ نیچ کو تسلیم کرنے لگے تھے۔اس لیے بعد کے علماء احناف نے کفو کے مسئلہ میں جو غلو اور افراط سے کام لیا ہے وہ متقدمین فقہاء احناف کی صحیح ترجمانی نہیں۔

موجودہ دور کے دو بڑے حنفی عالم اور مفتی حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نے کفو کی اس درجہ بندی کی تردید کی ہے اور اسے اسلامی تعلیم کے خلاف کہا ہے۔[1]

(1) اخلاق رسول اکرم، صفحہ 100 تا 101

قبر پر میت کے لیے قرآن پڑھنا

میت کے لیے قرآن پڑھنے سے آیا میت کو ثواب ملتا ہے یا نہیں ؟اس میں اختلاف ہے۔جمہور سلف اور ائمہ مجتہدین ثواب پہنچنے کے قائل ہیں۔ہمارے امام شافعیؒ نے اختلاف کیا۔ان کی دلیل یہ آیت ہے

وان لیس للانسان الا ماسعیٰ

انسان کو اس کی کوشش کا بدلہ ملے گا۔

لیکن اس آیت کا جواب چند وجوہ سے دیا گیا ہے:

اول تو یہ کہ یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے۔

والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے بعد ان کی ذریت آئی۔

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ بیٹوں کو باپ کی نیکی سے جنت میں داخل کر دیا گیا۔

دوم یہ کی آیت قوم ابراہیم وموسیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

لیکن یہ امت مرحومہ تو اس کو وہ بھی ملے گا جو خود کرے گی اور وہ بھی جو اس کے لیے کیا جائے گا یہ قول عکرمہؒ کا ہے۔

تیسرے یہ کہ انسان سے مراد یہاں کافر ہے اور مومن اس سے مستثنیٰ ہے یہ قول ربیع بن انس کا ہے۔

چوتھے یہ قانون عدل ہے اور دوسرے کے لئے فائدہ کا پہنچنا اس کا فضل ہے یہ حسین بن فضیل کا قول ہے۔

پانچویں لام بمعنی علیٰ ہے کہ انسان کو ضرور انسان کو اس کے کئی بے گناہ کا ہوگا، نہ کہ دوسرے کا، جو حضرات ثواب کے پہنچنے کے قائل ہیں وہ یہ قیاس کرتے ہیں کہ جب حج، صدقہ، وقف، دعا، قرأۃ کا ثواب پہنچتا ہے تو دوسری عبادات کا بھی پہنچ سکتا ہے۔ اگرچہ یہ احادیث ضعیف ہیں لیکن ان کی مجموعی حیثیت سے ایصال ثواب کے اصل ثابت ہوسکتی ہے نیز قدیم مسلمان مردوں کے لئے جمع ہو کر قرآن پڑھتے رہے اور کسی نے انکار نہ کیا۔ اس اجماع مسلمین بھی ثابت ہوتا ہے یہ سب کچھ حافظ شمس الدین عبد الواحد المقدسی الحنبلی نے اپنے ایک رسالہ میں ذکر کیا۔

قرطبیؒ نے یہ کہا کہ شیخ عزالدین بن سلام ایصال ثواب کے قائل نہ تھے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو بعض لوگوں نے ان کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا کہ آپ دنیا میں ایصال ثواب کے قائل نہ تھے اب کیا حال ہے؟ کہا ہاں پہلے تو یہی کہتا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ خدا کے فضل و کرم سے ثواب پہنچتا ہے اور اب میں نے رجوع کر لیا ہے۔

قبر پر قرآن پڑھنے کے بارے میں ہمارے اصحاب نے جواز کا قول نقل کیا ہے۔ زعفرانی کہتے ہیں میں نے امام شافعی سے دریافت کیا کہ قبر کے پاس قرآن پڑھنا کیسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ حرج نہیں ہے۔

نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا شرح مہذب میں کہ "زیارت کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ زیارت کے بعد قرآن پڑھے اور دعا کرے اس پر امام شافعی کی تشریح بھی ہے اور ان کے اصحاب بھی اس پر متفق ہیں۔ اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں اگر قرآن ختم کرے تو افضل ہے۔

امام احمد بن حنبل پہلے اس کا انکار کرتے تھے کیونکہ ان کو اس سلسلہ میں کوئی حدیث نہیں ملی تھی لیکن ان کو وہ حدیث ملی جو ہم "دفن کے وقت کیا کہا جائے؟" کے باب میں ذکر کے آئے جس کے ابن عمر اور علاء بن حلاج راوی ہیں اور حدیث مرفوع بھی ہے تو رجوع کر لیا۔

خلال نے جامع میں شعبی سے روایت کی کہ جب انصار کا کوئی مر جاتا تو وہ اس کے قبر پر آتے جاتے اور قرآن پڑھتے۔

ابو محمد سمرقندی نے سورہ اخلاص کے فضائل ذکر کیا (مرفوعا) کہ جس نے قبرستان سے گزرتے ہوئے گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھی اور اس کا ثواب مردوں کو بخش دیا تو مردوں کی تعداد کے مطابق اسے اجر ملے گا۔

ابو القاسم سعد بن علی زنجانی نے اپنے فوائد میں ابوہریرہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قبرستان پر گزرا اور اس نے سورت فاتحہ اخلاص "**اور الھٰکم التکاثر** پڑھی پھر دعائیں مانگی کہ اے اللہ میں نے جو قرآن پڑھا ہے اس کا ثواب مومن مرد اور عورت دونوں کو دینا تو قبر والے قیامت کے دن اس کے شفارسی ہونگے۔

قاضی ابو بکر بن عبد الباقی انصاری نے سلمہ بن عباس سے روایت کی کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو حماد مکی نے بتایا کہ ایک رات میں مکہ کے قبرستان کی طرف چلا گیا اور ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا تو دیکھا قبر والے حلقہ در حلقہ ہیں میں نے اسے دریافت کیا کہ کیا قیامت قائم ہو گی انہوں نے کہا نہیں، ہاں ہمارے بھائی نے سورہ اخلاص پڑھ کر ہم کو ثواب پہنچایا تو وہ ثواب ہم ایک سال سے تقسیم کر رہے ہیں۔

عبد العزیز جو خلال کے ساتھی، انہوں نے روایت کی کہ انسؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی وسلم نے فرمایا جس نے قبرستان میں "یٰسین" پڑھی تو اللہ تعالی اس کی برکت سے مردوں کے عذاب میں تخفیف فرمادے گا اور پڑھنے والے کو مردوں کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا۔

قرطبیؒ کہتے ہیں یہ حدیث کہ "اپنے مردوں کے پاس یسین پڑھو" دو حتمال رکھتی ہے۔

ایک تو یہ کہ مرتے وقت اور دوسرا یہ کہ قبر پر، پہلا قول جمہور کا ہے اور دوسرا عبدالواحد مقدسی کا ہے اور ہمارے علمائے متاخرین میں سے محب طبریؒ نے اس کو عام رکھا۔ غزالی رحمہ اللہ نے احیاء میں اور عبدالحق نے احمد بن حنبلؒ سے روایت کرتے ہوئے عاقبتؒ میں بیان کیا کہ جب تم قبرستان میں داخل ہو تو سورہ فاتحہ، معوذتین اور اخلص پڑھو اور ان کا ثواب اہل قبر کو پہنچادوں کیونکہ یہ پہنچتا ہے۔

قرطبیؒ کہتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے پڑھنے کا ثواب پڑھنے والے کو ہے اور میت کو سننے کا ثواب ہے اسی لئے تو نصف قرآن کے بموجب قرآن کے سننے والے پر رحم ہوتا ہے۔

قرطبیؒ فرماتے ہیں خدا کے کرم سے کچھ بعید نہیں کہ پڑھنے اور سننے دونوں کا ثواب مردے کو پہنچادے۔

حنفیوں کے فتاوی قاضی خان میں ہے جو میت کو مانوس کرنا چاہے تو وہ قبر کے پاس قرآن پڑھے ورنہ جہاں چاہے پڑھے کیونکہ خدا ہر جہ کی قرأت کر سننے والا ہے۔[1]

(1) شرح الصدور۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ

حقوق والدین

لا تعبدون الا اللہ وبا الوالدین احسانا

ترجمہ: تم عبادت نہیں کروگے مگر خالص اللہ تعالی کی۔والدین کے ساتھ احسان عظیم کرو۔

احسان عظیم کرنا جو کہ چند قسموں کا جامع ہو۔اور وہ تین قسمیں ہیں: پہلی قسم قول اور فعل سے تکلیف نہ دینا، دوسری قسم جسم اور مال سے ان کی خدمت کرنا اور تیسری قسم جب حاضر ہونے کی طلب کریں تو حاضر ہونا۔

پہلی قسم تو مطلق واجب ہے۔اس لئے اسے چھوڑنے میں بہت بری نافرمانی لازم آتی ہے اور دوسری قسم مشروط ہے ان کے محتاج ہونے اور اس کے خدمت کرنے پر قادر ہونے پر۔پس اگر وہ محتاج نہ ہوں یا اسے قدرت نہیں ہے۔تو واجب نہیں ہے۔اور تیسری قسم بھی مشروط ہے اس پر کہ حاضر ہونے سے شرعی خرابی ثابت نہ ہو۔ورنہ واجب نہیں اور اگر والدین یا ان میں سے ایک اسے فرمائیں کہ نفلی عبادتوں کو چھوڑ دے اور ہمارے پاس حاضر رہ تو ان کے حکم تعمیل پہلے ہے۔

اوراگر فرمائیں کہ واجبات ترک کردے یا حج فرض کے لئے نہ جاتو قبول نہ کرے۔اوراگر سنن مؤکدہ کو جیسے جماعت اور عرفہ کا روزہ چھڑائیں تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ اگرایک دو بار ترک کرائیں توان کا کہا مان لے اوراگراس ترک کی عادت بنالیں توان کے حکم کو قبول نہ کرے۔

حقوق اللہ کے بعد حقوق والدین رکھنے کے وجوہ:

حاصل کلام یہ کہ ہم نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کواپنی عبادت کے بعداوران کے حق کواپنے حق کے برابر کیا چندوجوہ کی بناپر۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ والدین جس طرح اپنی اولاد کی پرورش اور تربیت کا سبب ہیں۔اورایجاد الٰہی کے فیض کاواسطہ ہوتے ہیں۔والدین کے سوا کوئی یہ مرتبہ نہیں رکھتا۔اگر کوئی تربیت اور پرورش کا ذریعہ بنتاہے۔تووجود کا سبب ہر گز نہیں ہوتا۔پس اللہ تعالیٰ کے انعام کے بعد والدین کے انعام سے کسی کاانعام بڑانہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ والدین کاانعام حضرت حق جل وعلا کے ساتھ پوری مشابہت رکھتاہے۔ کیونکہ وہ اس انعام کے عوض کوئی تعریف شکر یا کوئی ثواب اور جزا نہیں چاہتے۔بخلاف دوسرے لوگوں کے انعام کے لازمی طور پر کسی غرض سے مخلوط ہوتاہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر انعام کرنے سے رنجیدہ نہیں ہوتا اگرچہ بندہ گنہگار اور نافرمان ہو۔ اس طرح وہ بھی اولاد سے شفقت اور خیر خواہی سے رنجیدہ نہیں ہوتے اگرچہ اولاد نالائق ہو۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ والدین کو واحد حقیقی کی بارگاہ سے کمال مناسب ہے۔ جس طرح درجہ خدائی میں ایک ذات پاک کے سوا کسی کی گنجائش نہیں اسی طرح ماں باپ کے درجہ میں ایک ایک فرد کے سوا کوئی نہیں آسکتا۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ کمال جو ممکن ہے، اولاد کے بارے میں والدین اس کی آرزو کرتے ہیں۔ بلکہ ہر کمال میں اپنی اولاد کی اپنے آپ سے زیادہ ترقی چاہتے ہیں، اور کسی اچھی چیز پر اس پر حسد نہیں کرتے اور یہ والدین کے سوا کسی کی خصوصیت نہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ تمام شرائع اور دینوں میں والدین کی تعظیم واجب رہی۔ بلکہ اولاد کے ساتھ والدین کی مناسبت، محبت اور جھکاؤ ذاتی ہے بے شعور حیوانات میں بھی موجود ہے۔ جس طرح اللہ تعالی کی اپنے بندے کے ساتھ محبت ذاتی ہے۔ اور اس لئے کافروں کے حق میں رسل علیہ السلام کی بھیجنے، کتابیں اتارنے، دلائل قائم کرنے اور عذر زائل کرنے کے ساتھ مصروف ہے۔

اور اس آیت میں جو والدین کو ایمان کی قید کے بغیر مطلق ذکر فرمایا ہے، ایک اشارہ ہے کہ ماں باپ اگرچہ منافق یا فاسق و فاجر ہوں، اولاد کو ان کے متعلق بھی نرمی اور اچھے سلوک کی راہ پر چلنا چاہئے۔

اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمن علیہ السلام نے اپنے چچا کو جو کہ بمنزلہ باپ تھا، پیغام ہدیت دیتے ہوئے نرمی کا راستہ اختیار فرمایا جیسا کہ سورہ مریم میں اسے وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اور جب حنظلہ بن ابو عامر راہب نے جو کہ جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ تھے اپنے باپ ابو عامر راہب کو جو کہ سخت عناد رکھتا تھا قتل کرنے حضور ﷺ سے اجازت چاہی تو حضور ﷺ نے اجازت نہ دی اور باپ کو قتل کرنے سے اگرچہ واجب القتل تھا منع فرمایا۔

والدین کے ساتھ احسان کرنے کا طریقہ:

اور احادیث صحیح میں جو کچھ مروی ہے اس کے مطابق والدین کے ساتھ احسان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تہ دلی سے ان کے ساتھ محبت کرے۔

گفتگو، چلنے، بیٹھنے اور اٹھنے میں ادب کی باریکیوں کی رعایت کرے۔

مثلاً چلنے میں آگے نہ ہو۔ اور گفتگو میں انھیں ان کے نام کے ساتھ نہ پکارے مثلاً یا سیدی اور یا سیدتی، یا ائے والد محترم اور والدہ محترمہ اور اسی طرح خدمت میں مقدور بھر خرچ کرے۔

قول اور فعل میں انھیں خوش رکھنے کا قصد کرے اور اپنے قیمتی اوقات اور نفیس مال کا انھ سے دریغ نہ کرے اور وفات کے بعد ان کی وصیت جاری کرنے میں لگ جائے۔

اور انھیں دعائے خیر اور استغفار کے ساتھ یاد رکھے اور ان کے لئے صدقات و خیرات بھیجے۔

ایک جمعہ کی مقدار میں ان کی قبر کی زیارت کر۔ اور سورۃ یسین پڑھ کر اور اس کا ثواب ان کی روح کو گذارے اور جنھیں ان سے محبت اور قرابت ہے، ان کی خبر گیری کرے۔

جو سلوک وہ ان سے کرتے تھے بجالائے کیونکہ ان اعمال کے ساتھ والدین کے ساتھ نیکی کرنا پورا ہوتا ہے۔

اور ان تمام مراتب کو سورہ اسرا میں چند کلمات کے ضمن میں ارشاد فرمایا۔:

انھیں اف تک مت کہو اور انھیں مت جھڑکو اور ان سے بڑی تعظیم سے بات کرو اور ان کے لئے تواضع وانکسار کے بازو جھکا دو رحمت سے اور اور عرض کرو۔

اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انھوں نے مجھے (بڑی محبت اور پیار سے) پالا تھا جب میں بچہ تھا۔[1]

(1) تفسیر عزیزی ج ۲

دس آدمی ظالم ہیں

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ دس آدمی ظالم شمار کئے جاتے ہیں۔

1۔ وہ شخص جو اپنے لئے دعا کرے والدین اور دوسرے مسلمانوں کو بھول جائے۔

2۔ وہ شخص جو قرآن پاک کی کم از کم سو آیتیں روزآنہ تلاوت نہ کرے۔

3۔ وہ شخص جو مسجد میں جائے اور دو رکعت پڑھے بغیر نکل جائے۔

4۔ وہ شخص جو قبرستان سے گزرے اور مردوں کو سلام اور ان کیلئے دعا نہ کرے۔

5۔ وہ شخص جو جمعہ کے روز شہر میں آئے اور جمعہ کی نماز پڑھے بغیر چلا جائے۔

6 وہ مرد و عورت کہ جن کے محلہ میں کوئی عالم آئے اور محلہ کا کوئی شخص بھی اس عالم کے پاس دین کی بات حاصل کرنے کیلئے نہ جائے۔

7۔ وہ دو شخص جو آپس میں اللہ کیلئے محبت رکھتے ہوں لیکن ایک دوسرے کا نام معلوم نہ کریں۔

8 وہ شخص جس کو کوئی کھانے پر بلائے اور وہ نہ جائے (بشرطیکہ اس دعوت میں شرعی قباحت نہ ہو)

9 وہ نوجوان جو فارغ البال ہو اور دین کا علم و ادب حاصل نہ کرے۔

10۔ وہ شخص جو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔

نماز کا طریقہ

قبلہ رو ہونا۔

نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا کعبہ کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو۔ ارشاد ربانی ہے

فول وجھک شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ۔ [1]

پس پھیر لیجئے اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف اور (اور اے مسلمانو) تم جہاں کہیں بھی ہو، اپنے چہرے کو اسی کی طرف پھیر لو۔

سفر ہو یا حضر، ہر جگہ رخ قبلہ ہی کی طرف ہونا چاہئے۔

ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ [2]

(1) سورہ بقرہ

(2) بقرہ

جہاں کہیں آپ نکلیں، اپنے چہرے کو مسجد حرام کی جانب پھیر لیجئے، اور اے مسلمانو! تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو، اسی کی جانب اپنے چہروں کو پھیر لو۔

نیت

نیت کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اس بات کا قصد اور ارادہ ہو کہ ہم یہ نماز جو کہ فلاں وقت کی ہے خالص اللہ کے لئے پڑھ رہے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین له الدین [1]

اللہ کی عبادت کریں، اسکے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

انما الاعمال بالنیات[2]

اعمال کادار ومدار نیتوں پر ہے۔

(1)سورۃ بینہ

(2)بخاری

اصل نیت تو دل کے ارادے کا ہی نام ہے، لیکن اگر زبان سے بھی کرلی جائے تو بھی جائز ہے کیونکہ اس سے دل اور زبان دونوں میں مطابقت پیدا ہو گی۔

تکبیر تحریمہ

تکبیر تحریمہ کا مطلب ہے "اللہ اکبر" کہہ کر نیت باندھنا۔ ارشاد ربانی ہے:

وربک فکبر (1)

اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

قد افلح من تزکیٰ وذکر سم ربه فصلیٰ (2)

کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے پاکی اختیار کی اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مفتاح الصلوٰۃ الطهور وتحریمها التکبیر وتحلیلها لتسلیم (3)

(1) سورۃ مدثر

(2) سورۃ اعلیٰ

(3) ترمذی

نماز کی کنجی وضو ہے اور اسکی تحریم اللہ اکبر کہنا ہے اور اسکی تحلیل سلام پھیرنا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

اذا قمت الی الصلوۃ فا سبغ الوضو ثم استقبل القبلۃ فکبر (1)

جب تم نماز کاارادہ کرو تو اچھی طرح وضو کرو پھر قبلہ کی طرف رخ کرکے اللہ اکبر کہو۔

ابو حمید ساعدی کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رو ہونے کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اس کے بعد "اللہ اکبر" کہتے (2)

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کانوں تک اٹھانا

تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھ کانوں کی لو اٹھانا چاہئے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھاتے تھے۔

مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ اکبر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے یہاں تک کہ انہیں اپنے دونوں کا کانوں کے بالمقابل لے آتے، اور ایک روایت میں ہے کہ انہیں اپنے دونوں کانوں کی لو کے برابر لے آتے۔

(1) مسلم ج1ص170

(2) ابن ماجہ ص58

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو یہاں تک کہ اٹھایا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے مقابل میں آگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں انگوٹھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کانوں کے برابر آگئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر کہا۔[1]

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں ہے۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز شروع کرتے وقت دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں کانوں کی لو تک اٹھائے، پھر (کچھ دن بعد) میں صحابہ کرام کے پاس آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ نماز کے شروع میں اپنے ہاتھوں کو اپنے سینوں تک اٹھاتے ہیں، اس حال میں کہ ان پر گرم گرم کپڑا اور چادر تھیں[2]۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ اگر (سردی وغیرہ کے موسم میں) ہاتھ چادر وغیرہ میں لپٹے ہوئے ہوں تو ہاتھوں کو کندھے تک اٹھانے کی گنجائش ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام نے کیا تھا۔ لیکن جب چادر وغیرہ میں لپٹے ہوئے نہ ہوں تو ہاتھوں کو کانوں کی لو اٹھانا چاہئے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے۔ اگر کانوں کی لو چھو جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس طرح کانوں کی لو تک پہنچنا بالکل یقینی ہو جاتا ہے ورنہ آدمی خود تو دیکھتا نہیں کہ اس کا ہاتھ کانوں کی لو تک پہنچا یا نہیں اور اس صورت میں خود اسے

(1) ابوداؤد ج1 ص121

(2) ابوداؤد ج1 ص121

بھی کانوں کی لو تک پہنچ جانے کا یقین اور سنت نبوی پر عمل ہو جانے کا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ ویسے کانوں کی لو کو چھونا ضروری نہیں ہے

ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھنا

عن علقمه بن وائل بن حجر من ابيه قال راءيت النبى صلى الله عليه وسلم يضع يمينه على شماله فى الصلوٰة تحت السرة [1] ()۔

ترجمہ: علقمہ بن وائل بن حجر اپنے باپ وائل بن حجر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے ناف کے نیچے۔

عن الحجاج بن حسان قال سمعت ابا مجلز وسالته قال قلت كيف اضع قال يمنع باطن كف يمينه علىٰ ظاہر كف شماله ويجعلهما اسفل من السرة [2]

ترجمہ: حجاج بن حسان روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو مجلز سے سوال کیا کہ ہاتھ کہاں رکھوں؟ انہوں نے فرمایا کہ نماز پڑھنے والا دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ پر رکھے اور دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے کرے۔

(1) زجاجۃ المصابیح ج1 ص232، تحفۃ الاحوذی ج1 ص214، آثار السنن ج1 ص69

(2) حوالہ مذکور

عن ابراہیم قال یضع یمینه علی شماله تحت السرة ۔ [1]

ترجمہ: ابراہیم سے مروی ہے کہ نماز پڑھنے والا اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھے۔ ناف کے نیچے۔

یہ ساری حدیثیں صحیح الاسناد ہیں اس کے بالمقابل وہ حدیثیں جن پر ہاتھ سینے پر باندھنے یا ناف کے اوپر باندھنے کا تذکرہ ہے، وہ سب کی سب ضعیف غیر محفوظ ہیں۔ [2]

ابن قدامہ مقدسی حنبلی لکھتے ہیں وروی ذال عن علی وابی ہریرہ وابی مجلز والثوری واسحق لما روی علی انه قال من السنة وضع الیمین علی الشمال تحت السرة ۔ رواه الامام احمد وابوداؤد وهذا ینصرف الیٰ سنة النبی صلی الله علیه وسلم [3]

ترجمہ: ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایت حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو مجلش،، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، اور اسحق بن راہویہ سے مروی ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت میں سے ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا ناف کے نیچے۔ روایت کیا اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور ابوداؤد نے۔ اور سنت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

---

(1) حوالہ مذکور

(2) تفصیل کیلئے دیکھئے آثار السنن الجزء الاول ص 64 تا 71 بحوالہ رسول اکرم کا طریقہ نماز ص 105)

(3) المغنی ج 1 ص 472

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ترجمہ اہل علم صحابہ وتابعین وتبع تابعین کا عمل اس پر ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ آدمی نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھے، پھر بعض کہتے ہیں کہ ناف کے اوپر (نہ کہ سینے پر) اور بعض کہتے ہیں کہ ناف کے نیچے رکھے۔ اور محدثین کے نزدیک سب جائز ہے۔ [1]

نوٹ: یہاں اس بات کا ذکر کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہیں کہ امام شافعی کی تین روایتوں میں سے ایک روایت ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی ہے اور یہی حال امام احمد بن حنبل کا اور احناف تو اسی کے قائل ہیں۔ [2][3]

ہاتھ باندھنے کے بعد ثناء پڑھنا

تکبیر تحریمہ اور سورہ فاتحہ کے درمیان سراً ثناء پڑھنی چاہیے۔

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ قال سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک [4]

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے تو یوں پڑھتے۔ سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک۔

---

(1) ترمذی

(2) (الکوکب الدری ج1 ص129) گویا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایت کو اکثر ائمہ کی تائید حاصل ہے۔

(3) تحفۃ الاحوذی ج1 ص212

(4) ابوداؤد ص129 و ترمذی

ابن ماجہ ص 58 ونسائی ج 1 ص 143 پر یہ روایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

اسی مفہوم و مضمون کی درج ذیل احادیث بھی موجود ہیں۔

عن حمید الطویل عن انس بن مال قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استفتح الصلٰوۃ سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولاالٰہ غیرک رواہ لاالٰہ غیرک۔[1]

دار قطنی اور شرح معانی الاثار میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی یہی پڑھتے تھے۔[2]

تعوذ اور بسم اللہ پڑھنا

ثنا کے بعد چونکہ اب قراءت کرنی ہے یعنی سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھنا ہے اس لئے **اعوذ با اللہ من الشیطان الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔** پڑھ کر قراءت شروع کی جائے۔ارشاد باری ہے:

فاذا قراءت القرآن فاستعذ با اللہ من الشیطن الرجیم

(1) الطبرانی وکتابہ المفرد فی الدعا واسنادہ جید

(2) دیکھئے شرح معانی الاثار ج 1 ص 96 آثار السنن الجزء الاول ص 72-73

اور جب قرآن پڑھئے تو اللہ کی پناہ مانگئے شیطان رجیم سے یعنی اعوذ باللہ پڑھئے۔[1]

نماز خواہ جہری ہو یا سری ان دونوں کو ہمیشہ سرا ہی پڑھنا ہے[2]۔

سورہ فاتحہ پڑھنا اور سورہ ملانا

اس کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنی ہے اور سورہ فاتحہ ختم ہونے کے بعد سرا آمین کہنا ہے، پھر کوئی سورہ ملانی ہے یا کسی سورہ کی چند آیتیں پڑھنی ہیں۔

عن عائشه قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستفتح الصلٰوة با لتكبير والقراءة با الحمد لله رب العٰلمين ۔[3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے تھے، اللہ اکبر سے اور قراءت شروع کرتے تھے الحمد للہ رب العٰلمین الخ سے۔

عن عباه بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا صلٰوة لمن لم يقراء بفاتحة الكتاب ۔[4]

---

(1) ثنا کے بعد اعوذ باللہ الخ اور بسم اللہ الخ پڑھنے کے متعلق دیکھئے نسائی ج ا ص ۱۴۳، صحیح ابن خزیمہ ج ا ص ۲۴۰، آثار السنن ج ا ص ۴۷ وغیرہ

(2) نسائی ج ا ص ۱۴۴ عن عبد اللہ بن مسعود

(3) مسلم ج ا ص ۱۹۴

(4) بخاری ج ا ص۔ ۱۰۴

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی۔

مسلم کی روایت ہے

لمن لم یقراء بام الکتاب فصاعدا [1]

جس نے سورہ فاتحہ اور اس سے زائد نہ پڑھا۔

نوٹ۔ حنفی مسلک میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے فرض نہیں

رکوع

قراءت سے فارغ ہونے کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے۔ رکوع کی حالت میں دونوں ہاتھ گھٹنوں پر ہوں، ہاتھ کی انگلیاں کشادہ ہوں، سر، پیٹھ اور سُرین برابر ہوں، ایسا نہ ہو کہ سر جھکا ہوا ہو اور پیٹھ اٹھی ہوئی ہو، پیر کی انگلیاں سیدھی ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اقیموا الرکوع والسجود [2]

---

(1) ج۱ص۱۶۹

(2) مشکوۃ ج1ص82

رکوع اور سجدہ مکمل کرو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

جب رکوع کرو تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھو اور انگلیاں کشادہ رکھو۔[1]

ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا ركع لو صبت على ظهره ماء لاستقر[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو پشت اتنی برابر ہوتی کہ اگر پانی بہایا جاتا تو بھی ٹھہر جاتا۔

رکوع میں کم سے کم تین مرتبہ **سبحان ربی العظیم** پڑھا جائے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا ركع احدكم فقال في ركوعه سبحان ربي العظيم ثلث مرات فقد تم ركوعه وذالك ادناه ۔[3]

(1) المعجم الاوسط للطبرانی
(2) المعجم الاوسط للطبرانی
(3) ترمذی ج1 ص35، ابوداؤد ج1 ص145، ابن ماجہ ص64

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو رکوع میں سبحان ربی العظیم تین مرتبہ کہے اور یہ ادنیٰ مقدار ہے۔

قومہ

رکوع مکمل کرنے کے بعد **"سمع الله لمن حمده"** کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے۔ اگر امام ہو تو صرف اتنا ہی کہے اور مقتدی کہیں **" ربنا لک الحمد "** اور اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو دونوں کہے۔ یہی قومہ ہے، قومہ میں دونوں ہاتھ کھلے ہوئے نیچے لٹکے ہوئے ہوں۔

عن ابی هريرة قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قام الیٰ الصلوة يكبر حين يقوم ثم يكبر حين يركع ثم يقول سمع الله لمن حمده حين يرفع صلبه من الركوع ظم يقول وهو قائم ربنا لک الحمد "۔ [1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے پھر رکوع میں جاتے وقت اللہ اکبر کہتے، پھر رکوع سے اٹھتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ کہتے، پھر کھڑے ہو جانے پر ربنا لک الحمد کہتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے۔

(1) بخاری ج1 ص109، مسلم ج1 ص169

"ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد" (1)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

"واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد" (2)

سجدہ

اب اللہ اکبر کہتا ہوا، دونوں ہاتھوں کو گھٹنے پر رکھے ہوئے سجدہ میں جائے، پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھے، پھر ہاتھوں کو پھر ناک اور پیشانی کو، منہ دونوں ہاتھوں کے درمیان ہو اور انگلیاں ملی ہوئی قبلہ رو ہوں۔ دونوں پیر انگلیوں کے بل کھڑے ہوں اور پیر کی انگلیوں کا رخ بھی قبلہ کی طرف ہو۔ پیٹ زانوں سے الگ اور بازو بغل سے جدا ہوں۔ پیٹ زمین سے اس قدر اونچا ہو کہ بکری یا بھیڑ کا بہت چھوٹا بچہ درمیان سے نکل سکے۔ سجدہ میں کم از کم تین مرتبہ **سبحان ربي الاعلیٰ** پڑھے۔ دو سجدے کرے اور دونوں کا طریقہ یہی ہے۔

---

(1) مسلم ج1 ص176

(2) بخاری و مسلم

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم امرت ان اسجد على سبعة اعظم على الجبهة واليدين والركبتين واطراف القدمين ولا نكفت الثياب والشعر (1)

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں، پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنوں اور دونوں قدموں کے کناروں پر، اور نہ سمیٹیں ہم کپڑوں اور بالوں کو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سجدوں میں برابر رہو۔ اور تم میں کا کوئی اپنے دونوں بازؤں کو کتے کی طرح نہ پھیلادے۔ (2)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سجدت فضع كفيك وارفع مرفقيك (3)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیوں کو زمین پر رکھو اور کہنیوں کو اوپر اٹھاؤ۔

---

(1) بخاری ج1 ص112، مسلم ج1 ص193

(2) بخاری و مسلم

(3) مسلم ج1 ص194

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو بھیڑ کا چھوٹا بچہ اگر درمیان سے گزرنا چاہتا تو گزر جاتا[1]

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھوں سے پہلے دونوں گھٹنوں کو زمین پر رکھتے اور جب سجدہ سے اٹھتے تو گھٹنوں سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے۔[2]

ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ

سجدہ میں ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھے، دونوں ہاتھوں کو پہلو سے جدا رکھے اور ہتھیلیوں کو کندھے کے بالمقابل رکھے۔[3]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب سجدہ کرے تو کہے سبحان ربی الاعلیٰ تین مرتبہ، اب سجدہ مکمل ہو گیا اور یہ ادنیٰ مقدار ہے۔[4]

جلسہ

---

(1) مسلم

(2) ترمذی

(3) ایضا

(4) ایضا

یہ ایک سجدہ ہو گیا۔اب اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ سے سر اٹھائے، پہلے پیشانی پھر ناک۔ پھر دونوں ہاتھ اور اطمینان کے ساتھ اس طرح بیٹھے کہ دایاں پیر اُسی طرح کھڑا رہے اور بائیں پیر کو زمین پر بچھا کر اسی طرح بیٹھ جائیں، دونوں ہاتھ زانوں پر رکھ لے، انگلیاں کھلی ہوئی، ہوں، رخ قبلہ کی طرف ہو، انگلیوں کے سرے گھٹوں کے قریب ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بایاں پاؤں بچھا دیتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے اور شیطان کی بیٹھک بیٹھنے سے منع فرماتے تھے [(1)]

ابو ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اپنے سر کو اٹھائے اور بائیں پیر کو موڑ کر اسی پر بیٹھ جائے، اور سجدہ میں پیر کی انگلیوں کو کھلا رکھے پھر اللہ اکبر کہتا ہوا دوسرے سجدہ میں جائے [(2)]

اب دوسرا سجدہ کرے، دوسرا سجدہ بھی پہلے سجدہ کی طرح کرے۔ دوسرا سجدہ مکمل ہوتے ہی ایک رکعت ہو گئی۔اب دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا ہے۔ لہذا بغیر بیٹھے سیدھا دوسری رکعت کیلئے کھڑا ہو جائے۔

---

(1) مسلم ج1ص194
(2) ابو داؤد ج1ص154، آثار السنن ج1ص119

جلسہ استراحت نہیں

دوسرے سجدہ کے بعد جلسہ استرحت نہ کرے۔یعنی ایسانہ ہو کہ دوسرے سجدہ سے فارغ ہونے کے بعد دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھ جائے، پھر اٹھے، بلکہ دوسرے سجدہ سے فارغ ہوتے ہی سیدھا کھڑا ہو جائے ،اسی طرح تیسری رکعت پوری ہونے پر چوتھی کیلئے سیدھا کھڑا ہو جائے، جلسہ استراحت نہ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا آپ سیدھے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔

عن ابی هريرة قال كان النبی صلی الله عليه وسلم ينهض فی الصلوٰة علیٰ صدور قدميه (1)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے قدموں کے کناروں پر کھڑے ہو جاتے تھے۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

حديث ابی هريره عليه العمل عند اهل العلم يختارون ان ينهض الرجل فی الصلوٰة علیٰ صدور قدميه

(1) ترمذی ج1 ص38

اہل علم کے نزدیک حدیث ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ پر ہی عمل ہے، وہ یہی پسند کرتے ہیں کہ نماز پڑھنے والا اپنے قدموں کے کناروں پر (پنجوں کے بل) کھڑا ہو جائے۔

ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی جلسہ استراحت کا تذکرہ نہیں بلکہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہونے کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

فقام ولم یتورک(1)

پس کھڑے ہو گئے اور بیٹھ کر سرین پر سہارا نہیں لیا۔

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر دکھائی اس میں بھی جلسہ استراحت نہیں بلکہ یوں ہے

ثم کبر فسجد ثم کبر فانتھض قائما(2)

اسی طرح تمام اکابر صحابہ جو سفر و حضر میں زیادہ تر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے، جلسہ استراحت کی نفی کرتے ہیں۔

ان کا طریقہ یہ تھا کہ پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ سے فارغ ہوتے ہی بغیر بیٹھے سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔

---

(1) ابوداؤد ج1 ص154، طحاوی ص127

(2) مسند احمد ج5 ص343، مجمع الزاوئد ج1 ص194

عن ابن مسعود انه کان ینهض فی الصلوٰة علیٰ صدور قدمیه و لم یجلس [1]

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نماز میں اپنے قدموں کے کناروں پر کھڑے ہو جاتے تھے اور بیٹھتے نہیں تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ کے اسی صفحہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، ابن ابی لیلیٰ سے بھی اسی قسم کی احادیث و آثار موجود ہیں۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نمازوں میں قدموں کے کناروں سے کھڑے ہو جاتے تھے۔

البتہ اگر کوئی شخص بڑھاپے کی وجہ سے یا کسی مجبوری کے تحت فوراً کھڑا نہ سکے تو بیٹھ جائے اور پھر کھڑا ہو جیسا کہ مالک بن الحویرث اور ابو حمید ساعدی کی روایات اسی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ لیکن یہ سمجھنا کہ بیٹھنا سنت ہے اور ضرور بیٹھنا چاہئے یہ غلط ہے۔ یہ سنت نہیں ہے البتہ معذورین کیلئے اس کی گنجائش ہے۔

ایک رکعت مکمل ہو گئی، بقیہ رکعتیں اسی طرح ادا کرنی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ دوسری رکعت میں ثناء نہیں پڑھنی ہے اور فرض کے تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ سورہ نہیں

---

(1) مصنف ابن ابی شیبہ ج1 ص394

ملانی ہے۔اور سنن ونوافل میں ملانی ہے۔ہر دو رکعت پر قعدہ ہو گا۔اگر دو ہی رکعت والی نماز ہو تو یہی قعدہ اخیرہ ہو گا۔اور تین یا چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پر قعدہ اولیٰ اور تیسری یا چوتھی رکعت پر قعدہ اخیرہ ہو گا۔اور قعدہ اخیرہ مکمل ہونے کے بعد سلام پھیر دیا جائے اور نماز ختم ہو جائیگی۔

تشہد

تشہد کے معنیٰ گواہ ہونا چونکہ **التحیات الخ** کے آخر میں کلمہ شہادتین بھی ہے،اس لئے اسے تشہد کہتے ہیں۔ہر قعدہ میں تشہد پڑھنا ہے،قعدہ اولیٰ ہو یا قعدہ آخرہ۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

فاذا صلی احدکم فلیقل التحیات لله الخ

جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو کہے التحیات للہ الخ۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا تشہد اس طرح سکھایا۔

التحیات لله والصلٰوۃ والطیبات والسلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته۔ السلام علینا وعلیٰ عباد الله الصالحین۔ اشهد ان لا اله الا الله واشهد ۔ ان محمد عبدہ ورسوله (1)

(1)بخاری ج1ص115،مسلم ج1ص173

سارے حمد وثناء اور نمازین اور تمام پاکیزہ چیزیں اللہ کیلئے ہیں۔اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم !آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

تشہد آہستہ پڑھا جائیگا۔ [(1)]()

تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ

لاالٰہ پڑھتے وقت انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کا حلقہ بنا کر اور چھوٹی انگلی اور اسکے پاس کی انگلی کو بند کر کے کلمہ کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائے اور الا اللہ پڑھتے وقت کلمہ کی انگلی جھکادے پھر جتنی دیر بیٹھے اسی حالت میں رہے۔

عن وائل بن حجر قال راءیت النبی صلی الله علیه وسلم قد حلق الابهام والوسطیٰ ورفع التی تلیها یدعو بها فی التشهد[(2)]

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ بنایا اور اس انگلی کو اٹھایا جو اُن دونوں سے ملی ہوئی تھی (یعنی انشت شہادت) اشارہ کرتے تھے اس سے تشہد میں۔

(1) ابوداؤد ج1 ص158، ترمذی ج1 ص38

(2) ابن ماجہ ص-66

مالک بن نمیر خزاعی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

راءیت النبی صلی الله علیه وسلم واضعا یده الیمنیٰ علیٰ فخذه الیمنیٰ فی الصلٰوۃ یشیر باصبعه(1)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھے ہوئے ہیں اور اسکی انگلی سے اشارہ کرتے ہیں۔

تشہد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا زبانی اقرار ہے اور انگشت شہادت سے اشارہ علیٰ اقرار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

هی اشد علیٰ الشیطٰن من الحدید یعنی السبابه رواه احمد(2)

(یہ انگشت شہادت سے اشارہ) شیطان پر تیز تلوار سے زیادہ سخت ہے۔

قعدہ اولیٰ میں تشہد سے زائد نہیں

قعدہ اولیٰ میں تشہد پڑھ کر کھڑا ہو جائے۔ اور جو نماز ہو اسی کے اعتبار سے تیسری و چوتھی رکعت پڑھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد

(1) ابن ماجہ ص 66، نسائی ج 1 ص 187، ابوداؤد ج 1 ص 158

(2) مشکوۃ ج 1 ص 85

سکھایا نماز کے بیچ میں اور نماز کے آخر میں۔ پس جب نماز کے بیچ میں ہوتے تو تشہد کے بعد کھڑے ہو جاتے اور جب نماز کے آخر ہوتے اپنے لئے جو چاہتے دعا کرتے۔(1)

قعدہ آخرہ میں درود اور دعائے ماثورہ

قعدہ آخرہ میں تشہد کے بعد یہ درود شریف پڑھا جائیگا۔ جو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے دریافت کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سکھایا تھا۔

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد کما صلیت علیٰ ابرہیم وعلیٰ اٰل ابرہیم انک حمید مجید

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جیسا کہ تو نے رحمت نازل فرمائی ابرہیم علیہ السلام اور آل ابرہیم علیہ السلام پر۔ بیشک تو قابل تعریف بزرگی والا ہے۔

اللھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد کما بارکت علیٰ ابرہیم وعلیٰ اٰل ابرہیم انک حمید مجید

(1) مسند احمد ج1 ص451

اے اللہ! برکت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ پر جیسا کہ تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم اور آل ابرہیم علیہ اسلام پر۔ بے شک تو قابل تعریف بزرگی والا ہے۔(1)

درور شریف پڑھنے کے بعد دعا پڑھی جائے جو خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر ہمیں بتائی ہے۔ دعا یہ ہے

اللھم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیر ولا یغفر الذنوب الا انت فاً غفر لی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم

اے اللہ! میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے اور سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں، پس تو ہی میری میری مغفرت فرما ایسی مغفرت جو محض تیرے فضل سے ہو اور مجھ پر رحم کر بے شک تو بہت بخشنے والا اور رحم کر نے والا ہے(2)

سلام اور خاتمہ نماز

یہ دعا پڑھ کر سلام پھیرے، پہلے دائیں جانب منہ پھیر کر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ پھر بائیں جانب منہ پھیر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ دونوں طرف سلام پھیرتے ہی نماز ختم۔

---

(1) بخاری ج2 ص940، مشکوۃ ج1 ص86

(2) بخاری ج1 ص115

عامر بن سعد اپنے والد سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے ہوئے دیکھتا تھا۔ یہاں تک کہ (رخ موڑنے کی وجہ سے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار کی سفیدی دیکھتا۔ [1]

طسلام پھیرتے **السلام علیکم ورحمة الله السلام علیکم ورحمة الله**، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک کی سفیدی نظر آنے لگتی۔ [2]

دعا میں ہاتھ اٹھانا

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان ربکم حی کریم یستحی من عبدہ اذا رفع یدیہ ان یردھا صفرا [3]

تمہارا پروردگار حیادار کریم ہے، اسے شرم آتی ہے کہ اس کا بندہ جب اسکی جانب اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے تو وہ انہیں خالی لوٹادے۔

(1) مسلم ج1 ص216
(2) ترمذی ج1 ص39، نسائی ج1 ص194
(3) ابوداؤد ج1 ص225

امیر المومنین حضرت عمر بن خاطاب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ سلی اللہ علیہ وسلم جن دعا میں اپنے ہاتھ اٹھاتے تو انہیں گرانے سے پہلے اپنے چہرے پر پھیر لیتے۔ [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے یہاں تک کہ آپ کے بغلوں کو سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔ [2]

سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور انہیں چہرے پر پھیر لیتے تھے۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دعا مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے بالمقابل یا اسکے آس پاس اٹھاؤ۔ [3]

یہ مضمون یہیں اختتام پذیر ہو رہا ہے، سوال وجواب کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ والسلام

---

(1) ترمذی

(2) مشکوۃ

(3) ابوداؤد

حسبنا اللہ و نعم الوکیل

تمام امور میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے کام پر راضی رہنا، اس سے اچھا گمان رکھنا، مصیبت ٹلنے کا انتظار کرنا، یہ سب چیزیں ایمان کا بہترین پھل ہیں اور ایمانی صفات میں سے ہے۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے فرمایا **حسبنا الله ونعم الوكيل** تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو گلزار بنا دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہ کو جب قریش مکہ نے دھمکی دی تو انہوں نے کہا:

حسبنا اللہ و نعم الوکیل

تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد و نصرت کے ساتھ انہیں کامیاب فرمایا۔

اکیلا انسان کچھ نہیں کر سکتا اور مصیبت کا سامنا بھی اکیلے نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ضعیف پیدا کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے بغیر مصائب و مشکلات کا سامنا نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور سب کاموں کو اسی کے سپرد کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، کیونکہ بندہ ضعیف ہے۔اس کے لئے قرآن کریم میں اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل کا حکم دیا گیا ہے کہ اس کے بغیر نجات اور مشکلات سے چھٹکارہ ممکن نہیں۔

اس لئے ایسے گھمبیر حالات میں آپ بھی یہی کہیں

حسبنا الله ونعم الوكيل

مال کی کمی ہو، ذریعہ معاش نہ ہو امن کی قلت اور رہزن کا خوف ہو تو زبان سے یہی پکارو کہ

"حسبنا الله ونعم الوكيل"

یہ اس تاریخ کا نوحہ ہے جو کبھی عظیم تر تھی

اس میں شک نہیں کہ امت مسلمہ نشیب و فراز کے مختلف ادوار سے گزرتی رہی ہے دوسری قوموں کی طرح اسے بھی اچھے اور برے دنوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، اگر کبھی اسے تلخیٔ ایام کے گھونٹ پینے پڑے ہیں تو کہیں ظفر مندی کے شیریں چشمے پر تسکین کے لمحات بھی میسر آئے۔

عروج و زوال کی یہ داستان پُر شکوہ بھی ہے اور عبرت آموز بھی۔ اس میں صحرو دریا کی مسافتیں پاٹنے والے مجاہد بھی ہیں اور خورد بین و خود نگر ملوک بھی۔ آوازۂ ستیز بلند کرنے والے شاہین نگاہ غازی اس میں شامل ہیں اور کنج فہم عافیت میں بیٹھنے والے گریز پا بھی۔

حقیقت یہ ہے کہ جب مسلم معاشرے کے افراد نے قرآنی تعلیمات سے منہ موڑا تو ان پر ادبار کی گھٹا چھا گئی۔ نکبت کے ان اندھیروں میں نفاق، بے عملی اور جہالت کے عفریت پلتے بڑھتے رہے۔ تن آسان امراء سے روح وضیر کی دولت چھن گئی اور معاشرے کے عام افراد یقین کے جوہر سے محروم ہو گئے۔

مسلمانوں کا دور زوال تین مختلف ادوار پر مشتمل ہے۔ ان ادوار میں وحشیوں اور غیر ملکی درندوں کے زیر نگیں ہوئے۔ اس کے نتیجہ میں ان کی مذہبی قدریں بے دردی سے پامال ہوئیں اور ان کے تمدن کا عظیم سرمایہ لوٹ کھسوٹ سے بچ نہ سکا۔ پہلا دور تاتاریوں کی یورش سے شروع ہوتا ہے جس

میں مسلمانوں کا تہذیبی اثاثہ تقریباً خاکستر ہو کر رہ گیا۔ دوسرا دور یورپی قوموں کی حریصانہ تگ ودو کا دور ہے۔ اس میں مسلمانوں کی آزادی چھنی، فکر و تدبر رخصت ہوئی اور ان سے بسالت کا جوہر ناپید ہوا۔

تیسرا دور زوال واستبداد میں چنگیز و ہلاکو خاں کی خوں آشامی بھی ہے اور نو آبادیاتی دور کے آقاؤں کی ستم رانی بھی۔ آج بھی وہاں ایک اشارے پر مظلوموں کو خاک وخوں میں لوٹا دیا جاتا ہے۔ شہر اور گاؤں تاراج کئے جاتے ہیں۔ ہر طرف آگ اور دھواں اٹھتا نظر آتا ہے۔

یہ تصویر روس اور اس کے قہرماں نظام کمیونزم کی۔ افغانستان سے لے کر پولینڈ تک اس کے شکنجے میں گرفتار ہیں۔ خود روس میں اشتراکیت خون کے دریا بہادینے کے بعد قائم ہوئی۔ مشرقی یورپ کے کمیونسٹ بھی درندگی اور ہلاکت کے ذریعے اشتراکیت لانے میں کامیاب ہوئے اور اب سفاکی کا یہ ڈرامہ افغانستان میں دہرایا جارہا ہے۔

روس ہو ،افغانستان ہوم یا مشرقی یورپ، کمیونزم نے پہلی ضرب اسلام پر لگائی۔ کمیونسٹ لیڈروں نے مسلمانوں کو سبز باغ دکھائے اور انھیں دل آویز نعرے دیے۔ انہوں نے اجتماعی حقوق کا پرچار کیا اور معاشی مساوات پر لمبے چوڑے لیکچر دیے۔

مسلمان ان کے جھانسے میں آئے تو ان پر اشتراکیت کی غلامی کا آہنی پھندا کس دیا گیا۔ روس اور افغانستان کے حالات سے عوام کافی حد تک باخبر ہیں، لیکن مشرقی یورپی ممالک کے بارے میں ان کی واقفیت قدرے کم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں لاکھوں کی تعداد میں مسلمان آباد ہیں۔ ان کا تہذیبی ورثہ شاندار ماضی پر مشتمل ہے، جس پر کوئی قوم فخر کر سکتی ہے۔ سقوط غرناطہ کے بعد قسطنطنیہ واحد مرکز تھا جہاں سے اسلامی علوم وفنون کے دھارے پھوٹے۔ یورپ کے علماء کے پاس صدیوں پرانی چند یونانی

کتابیں رہ گئی تھیں جنھیں وہ اپنا سرمایہ سمجھتے تھے ،ان کی سوچ دائروں سے آگے نہ بڑھ سکی۔ ترکوں نے انہیں شعور کی دولت بخشی اور ایک نئے تمدن سے آگاہ کیا۔

یہ اس تاریخ کا نوحہ ہے جو کبھی عظیم تر تھی اور اب اپنی سرزمین میں اجنبی ہے۔ نیقیہ اور بروصہ کے قافلہ سالار ڈاکوؤں کے ہاتھ لٹ گئے اور اب کوہسان بلقان میں مقید ہیں اور سسک رہے ہیں۔ ان کی آہیں ڈینوب کی لہروں کے ساتھ سر پٹخ رہی ہیں۔ ان کی چیخ و پکار برفانی صحراؤں میں دم توڑ رہی ہیں۔

کیا یہی اس قوم کا سفر تھا کہ انھیں موت دبوچ لے؟ ہر گز نہیں۔ وہ اس لیے تو یہاں نہیں آئے تھے کہ شیش مان اور لازار کی اولاد انہیں باجگزار بنالے۔ دنیا نے آنکھیں پھیر لیں اور اس کا ضمیر بے جان ہو گیا۔ مظلوم اپنی آہوں ے پردے میں چھپ گئے۔ اب ان شراروں کو کون دیکھے جو اٹھتے ہی بجھ جاتے ہیں۔

مشرقی یورپ پر اشتراکیت کی اندھیری شب چھائی ہے۔ اشتراکی درندے آزاد ہیں۔ مذہبی اقدار اور انسانی حقوق پر حملے جاری ہیں۔ ان حالات ک باوجود غیور مسلمان بقا کی جنگ میں مصروف ہے۔ اسے اپنے اسلاف سے محبت ہے۔ وہ ماضی کے سرمائے کو یوں رائیگاں جاتے نہیں دیکھ سکتا۔[1]

(1) مشرقی یوپ میں مسلمانوں کا عروج وزوال۔ فیض احمد شہابی، مطبوعہ ۱۹۸۹، دہلی

خلافت عثمانیہ کے زوال کے اسباب

علامہ ابو الحسن علی ندویؒ خلافت عثمانیہ کے زوال کی تاریخ اور وجوہات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"کہ سب سے بڑا مرض جو ترکوں میں پیدا ہوا تھا وہ جمود تھا اور جمود بھی دونوں طرح کے علم و تعلیم میں بھی جمود اور فنون جنگ اور عسکری تنظیم و ترقی میں بھی۔۔۔ علمی جمود اور ذہنی اضمحلال اس وقت صرف ترکی اور اس کے علمی اور دینی حلقوں کی خصوصیت نہیں تھی، واقعہ یہ ہے کہ پورا عالم اسلامی مشرق سے مغرب تک ایک علمی انحطاط کا شکار تھا، دماغ تھکے تھکے سے تھے اور طبیعتیں بجھی بجھی سی نظر آتی تھیں اور ایک عالمگیر جمود اور افسردگی چھائی ہوئی تھی، اگر ہم احتیاطاً آٹھویں صدی سے اس ذہنی اضمحلال کی ابتداء نہ کریں تو اس میں شبہ نہیں کہ نویں صدی وہ آخری صدی تھی، جب جدت فکر، قوت اجتہاد اور ادب و شاعری، حکمت و فن میں ندرت اور تخلیق کے آثار نظر آتے ہیں۔

یہی وہ صدی ہے جس میں مقدمہ ابن خلدون جیسی مفکرانہ تصنیف عالم اسلام کو حاصل ہوئی، دسویں صدی سے بہت واضح طور پر افسردگی، شدت تقلید اور نقالی کے آثار نظر آنے لگتے ہیں، یہ افسردگی اور اضمحلال کسی خاص شعبہ اور کسی خاص فن کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، دینی علوم، شعر و ادب، انشأ

وتاریخ تعلیمی نصاب ونظام سب کے سب کم وبیش اس سے متاثر نظر آتے ہیں، پچھلی صدیوں کے علماء کے تذکرے اور کتب وسوانح پڑھیئے، سینکڑوں ناموں میں ایک ایسے شخص کا ملنا مشکل ہوگا جس پر عبقری کے لقب کا اطلاق کا لقب درست ہو یا جس نے کسی موضوع پر کوئی نئی چیز پیش کی ہو، یا کسی خاص علم میں اس نے کوئی گرانقدر اضافہ کیا ہو۔۔۔ سوائے مجدد الف ثانی کے مکتوبات اور شاہ ولی اللہ دہلوی کی حجۃ اللہ البالغہ۔ شاہ رفیع الدین کی تکمیل الاذہان، شاہ اسماعیل شہید کی چند ایک تصانیف۔۔۔

صرف علم دین پر منحصر نہیں، ادب وشاعری بھی اپنی زندگی اور تازگی کھو چکی تھی اور ان پر بھی تقلید وتتبع کا غلبہ تھا، نثر وانشاپردازی کو تکلف وتصنع وقافیہ پیمائی، لفظی صناعی اور عبارت آرائی نے بے رونق وبے روح بنا رکھا تھا، دوستوں کے خطوط، تاریخ کی کتابیں اور دفتریں، تحریریں اور فرامین سے بھی س عیب پاک نہیں تھے، کہیں کہیں ادب وانشا کا کوئی ایسا نمونہ آجاتا ہے جو اس زمانے کے مذاق عالم سے الگ اور پست سطح سے بلند نظر آتا ہے"

پھر آگے فرماتے ہیں کہ:

"سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی ہی سے ترک تنزل وانحطاط، علمی پسماندگی اور جمود کا شکار ہو چکے تھے، تاریخ انسانی کا یہ وہ اہم ترین عہد ہے جس کا اثر بعد کی صدیوں پر نقش ہے، یورپ اس میں اپنی لمبی نیند سے بیدار واتھا اور ایک جوش وجنوں کی حالت میں اٹھ کر غفلت اور جہالت کے اس طویل زمانہ کی تلافی کرنا چاہتا تھا، وہ ہر شعبہ حیات میں ناگریز ترقی کر رہا تھا، طبعی قوتوں کو مسخر، کائنات کے اثرات کو

منکشف اور نامعلوم سمندروں اور اقلیموں کی دریافت کر رہا تھا، ہر علم وفن میں اس کی فتوحات اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کے انکشافات جاری تھے۔

اس مختصر سی مدت میں اس کے یہاں ہر علم میں بڑے بڑے محقق، موجد اور مجتہد فن پیدا ہوئے، کوپرینکس، گلیلو، کیپلر اور نیوٹن وہ عالم وہ محقق تھے، جنہوں نے ہیئات وطبعیات کا ایک جدید نظام پیدا کر دیا، سیاحوں اور جہاز رانوں میں کولمبس، واسکوڈی گاما اور میگلن جیسے عالی ہمت، اولوالعزم پیدا ہوئے، جنہوں نے نئی دنیا اور نامعلوم ممالک دریافت کئے۔

علم وصنعت کے میدان میں ترکوں کی پسماندگی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سولہویں صدی مسیحی سے پہلے ترکی میں جہاز سازی کی صنعت شروع نہیں ہوئی تھی، اٹھارویں صدی عیسوی میں ترکی پریس ومطابع حفظانِ صحت کے مراکز اور فوجی تعلیم طرز کے مدارس سے روشناس ہوئے۔

اٹھارویں صدی کے آخر تک ترکی نئی ایجادات اور ترقیوں سے اس قدر بیگانہ تھا کہ جب قسطنطنیہ کے باشندوں نے دار السطنت پر ایک غبارہ کو پرواز کرتے ہوئے دیکھا تو اس کو سحر یا کیمیا کی کرشمہ سازی سمجھے، نہ صرف یورپ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں ترکی سے اس میدان میں بازی لے جا چکی تھیں، بلکہ مصر بھی بعض مفید چیزوں سے فائدہ اٹھانے میں پیش قدمی کر چکا تھا، ترکی سے چار سال پہلے مصر میں ریلوے نظام قائم ہو چکا تھا، ڈاک ٹکٹ بھی چند مہینے پہلے مصر میں رائج ہو چکا تھا۔

جب ترکی کا یہ حال تھا، جو عالم اسلام کا قائد تھا تو دوسرے عرب ممالک کا جو ترکی کے زیر اثر یا دست نگر تھے جو کچھ حال ہوگا، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، چھوٹی چھوٹی نئی صنعتیں بھی ابھی ان ملکوں میں رواج پذیر نہیں ہوئی تھیں۔ایک فرانسیسی سیاح "موسیو والنی" جس نے اٹھارہویں صدی میں مصر کی سیر کی ہے اور شام میں چار سال تک مقیم رہا ہے) اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ "یہ ملک صنعت میں اس قدر پیچھے ہے کہ اگر تمہاری گھڑی خراب ہو جائے تو غیر ملکی کے اوکوئی درست کرنے والا نہیں ملے گا۔

پھر مسلمانوں کا تنزل صرف حکمت وعلوم نظریہ اور صنعت و حرفت ہی میں نہ تھا، بلکہ یہ ایک ہمہ گیر اور عمومی انحطاط تھا جو مسلمانوں پر پورے طور پر محیط تھا، حتی کہ وہ اپنے جنگ میں بھی یورپ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔

جن میں ترکوں کو درجۂ امامت واجتہاد حاصل تھا اور ان میں ان کی فوقیت کا دنیا کو اعتراف تھا ، لیکن یورپ اپنی ایجاد واجتہاد اور تنظیم کی بدولت فنون حربیہ میں بھی ترکوں سے بہت آگے بڑھ گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی فوجوں نے ۱۷۷۴ء میں عثمانی افواج کو شرمناک شکست دی اور دنیا پر ظاہر کر دیا کہ ترک جنگی طاقت میں عیسائی قوموں سے پیچھے رہ گئے [1]

---

(1) عصری علوم

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کی بات نہیں

سلطان محمد کے زمانہ میں بدرالدین نامی ایک شخص ظاہر ہوا جس نے مسلم علمائے دین کا روپ دھار رکھا تھا۔ وہ سلطان محمد کے بھائی موسیٰ کے لشکر میں تھا، اور اس دور کے دولت عثمانیہ کے سب سے بڑے منصب قاضی العسکری کے عہدے پر فائز ہوا، موسیٰ بن یزید نے اسے اپنا مقرب کاص بنالیا اور یوں وہ لوگوں کی عقیدتوں کا مرکز بن گیا۔

الشقائق العثمانیہ کے مصنف کہتے ہیں "شیخ بدر الدین محمود بن اسرائیل جو ابن قاضی سیماونہ کے نام سے مشہور تھا بلاد روم میں واقع سیماونہ قلعہ میں پیدا ہوا جو ایڈریانوپل کا ایک دیہات ہے اور ترکی کے اس خاص علاقہ میں واقع ہے جو یورپ میں آتا ہے۔

اس کا باپ یہاں کا قاضی تھا۔ وہ یہاں پر مقیم مسلم فوج کا امیر تھا۔ اس قلعہ کی فتح کی سعادت بھی بدرالدین کے والد کو حاصل ہوئی تھی۔ شیخ بدرالدین کی ولادت سلطان گازی خداوندکار (مراد اول) کے دور حکومت میں ہوئی۔

بچپن میں اس نے اپنے والد سے اکتساب علم کیا، قرآن کریم حفظ کیا۔ پھر مولانا زہدی کے نام سے معروف ایک عالم سے ابتدائی کتب پڑھیں۔ صرف و نحو کی کچھ کتابیں مولانا یوسف سے پڑھیں۔ پھر

مصر چلا گیا اور سید شریف جرجانی کی معیت میں مولانا مبارک شاہ منطقی مدرس قاہرہ سے اکتساب کیا، پھر مبارک شاہ کے ساتھ حج بیت اللہ کیا اور مکہ شریف میں شیخ زیلعی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے۔ مکہ مکرمہ سے دوبارہ قاہرہ آیا اور سید جرجانی کی معیت میں شیخ اکمل الدین ''بابیوری'' سے استافدہ کیا۔ شیخ اکمل الدین مملوکی شاہ مصر سلطان فرج بن سلطان بربوق کے استاد تھے۔

ظاہری تعلیم سے فراغت پاکر شیخ بدرالدین کو تصوف کا شوق ہوا اور اس دور میں مصر کے عظیم روحانی پیشوا سیخ سعید اخلاطی کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ شیخ اخلاطی نے اسے تبریز بھیجا کہ وہ لوگوں کو اللہ اللہ کرنا سکھائیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب تیمور لنگ تبریز آیا تو اس نے بدرالدین کی بڑی عزت افزائی کی اور بے تحاشا دولت اس کے نذر کی یہ تمام دولت چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔ پہلے وہ بدلیس گیا۔ پھر مصر کی طرف سفر کیا۔ ازیں بعد حلب اور کونیہ سے ہوتا ہوا بلاد روم میں تبرہ پہنچا۔

یہاں اسے جزیرہ ساقز کے رئیس جو مذہبا نصرانی تھا۔ کا دعوت نامہ پہنچا۔ بدرالدین اس کی دعوت پر ساقز گیا۔ نصرانی امیر نے اس کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی۔ اس کے بعد جب موسیٰ بن سلطان غازی کی عملداری ہوئی تو موسیٰ نے اسے قاضی عسکر کے منصب پر فائز کیا۔

موسیٰ اپنے بھائی محمد کے ہاتھوں قتل ہوا تو بدرالدین اپنے اہل وعیال سمیت ازنیق کے شہر میں محبوس ہو کر رہ گیا۔ بدرالدین نے لوگوں کو اپنے غلط اور فاسد مذہب کی طرف دعوت دینا شروع کر دی۔ وہ لوگوں کو مال ومتاع اور ادیان میں مساوات کی دعوت دیتا تھا۔

مسلم و غیر مسلم کے درمیان عقیدہ میں کسی تفریق کا قائل نہیں تھا۔ وہ کہا کرتا تھا سب انسان بھائی بھائی ہیں قطع نظر اس کے کہ ان نظریات اور ان کے دین کیا ہیں۔ یہودی ماسونیت کی دعوت بھی یہی تھی۔ وحدت الادیان کی اس دعوت پر پہلے جاہلوں، نا سمجھوں اور ابن الوقت لوگوں نے لبیک کہا اور بدر الدین کے بہت سے مرید اور شاگرد اس دعوت کے پرچارک بن گئے۔

جو لوگوں کو بدر الدین کے منہج اور مذہب کی دعوت دیتے تھے۔ ان مبلغین میں ایک شخص کا نام بہت مشہور ہوا جسے پیر قلیجہ مصطفی کہا جاتا ہے اس کے علاوہ ''طورہ کمال'' جو دراصل یہودی نسل سے تھا۔ کافی شہرت رکھتا تھا۔ یہودی رسول اللہ ﷺ کے دور سے آج تک مسلمانوں کے خلاف شازیں کرتے آرہے ہیں۔

الغرض "وحدۃ الادیان" کا یہ باطل مذہب کافی گیا اور اس کے پیرو بہت زیادہ ہو گئے حتی کہ اس باطل عقیدہ کی بازگشت سلطان محمد چلپی کے کانوں تک پہنچی۔ لہذا سلطان نے اپنے ایک قائد کو لشکر جرار کے ساتھ بدر الدین کے ساتھ جنگ کرنے کی غرض سے بھیجا لیکن صد افسوس کہ اس لشکر کا سپہ سالار سیسمان جس کو محمد چلپی نے بھیجا تھا" پیر قلیجہ "کے ہاتھوں قتل ہوا اور اس کے لشکر نے شکست کھائی۔

سلطان محمد چلپی نے اپنے وزیر خاص" بایزید پاشا" سر کردگی میں ایک اور لشکر روانہ کیا جس نے" پیر کلیجہ "سے جنگ کی اور اسے "قرۃ بورنو" کے مقام پر شکست دی اور" پیر کلیجہ مصطفی" پر جنگ کرنے کی حدلا گو کی یہ دراصل اللہ کریم کے اس حکم کی تابع داری تھی۔

انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا انیقتلوا او یصلبو الی آخرہ۔"(1)

بلاشبہ سزا ان لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں اللہ سے اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی یہ ہے کہ انہیں (چن چن کر) قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مختلف طرفوں سے یا جلاوطن کر دیے جائیں۔ یہ تو ان کے لئے رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں (اس سے بھی بڑی) سزا ہے"۔

شیخ بدر الدین اپنی گمراہی پر قائم رہا۔ وہ گمان کرتا تھا کہ وہ اس علاقے پر غلبہ حاصل کر لے گا کیونکہ وہ علاقہ مکمل طور پر تباہ ہو چکا تھا اور ہر طرف سے حملوں کی وجہ سے اس میں لا قانونیت کی فضا چھائی تھی۔ بدر الدین کہا کرتا تھا "میں پوری دنیا کو زیر نگیں کرنے کے لیے تحریک چلاؤ گا" اور میرے عقائد جن کے بارے غیبی اشارے ملے ہیں۔ دنیا میں مقبول ہوں گے۔

دنیا کو اپنے دو مریدوں میں علم اور راز توحید کی طاقت سے تقسیم کروں گا۔ اہل تقلید کے قوانین اور ان کا مذہب عنقریب باطل کر دوں گا۔ اور اپنا وسیع المشربی کی بدولت بعض شریعت کی حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھراؤں گا"

رومانیہ کے امیر الاخلاق نے اس بدعتی اور خارجی (جس نے اہل اسلام سے علیحدگی اختیار کر لی) کی مدد کی۔ سلطان محمد چلپی اس مادیت پرست اور دشمن اسلام زندیق اور اسکی باطل دعوت کی تاک میں تھا

(1) المائدۃ

اس نے اس زندیق کا ناطقہ بند کر دیا حتی کہ بدرالدین مجبوراً دلی اورمان کے علاقے میں چلا گیا جو آج کل بلغاریہ میں ہے۔

محمد شرف الدین شیخ بدرالدین کی دلی اورمان کی طرف جانے کے متعلق لکھتے ہیں۔ یہ اور اس کے ارد گرد کے علاقے باطنی مذہب کا گڑھ تھے۔ یہی وہ علاقہ ہے جو بابا اسحاق کی تحریک کا مرکز رہا ہے جو ساتویں صدی ہجری کے نصف میں دولت عثمانیہ کے خلاف آمادہ بغاوت ہوا۔

شیخ بدرالدین کا اس علاقے کی طرف جانا اور اپنے لاکھوں مریدوں کے ساتھ وہاں پر غلبہ پانا اور ان علاقوں میں اس کی تحریک کا زور پکڑنا اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ نے اس علاقے کا انتخاب اپنی مرضی سے کیا تھا۔ دلی اورمان میں یورپی امداد شیخ کو برابر پہنچنے لگی۔ اور عثمانی فرمانروا محمد اول کے خلاف بغاوت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا اور حقیقی اسلام کے دشمن ان باطنیوں کی تعداد ۸,۷ ہزار جنگوں تک پہنچ گئی۔

سلطان اول بڑا بیدار مغز اور محتاط شخص تھا۔ وہ ہر کام کو پوری احتیاط اور سوچ سمجھ کر سرانجام دیتا تھا۔ اس کے کے گٹھ جوڑ سے غافل کیسے ہو سکتا تھا۔ بدرالدین اور اُس کے حواریوں کی اس تحریک کو دبانے کے لیے اس نے کسی دوسرے قائد کا انتخاب نہ کیا۔ خود ہتھیار سجا کر میدان میں اترا اور ایک لشکر جرار کی قیادت کرتا ہوا دلی اورمان میں جا پہنچا۔

سلطان محمد نے سی روز جو اب یونان میں ہے، کو اپنی قیادت کا مرکز بنایا اور اپنے فوجیوں کو باغیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ دونوں طرف سے حملے ہونے لگے۔ باغیوں کو شکست ہوئی اور ان کا سرغنہ بدرالدین دلی اورمان میں شکست کے بعد سلطان کے خوف سے روپوش ہو گیا۔

سلطان کے مخبروں نے پوری کوشش کی باغیوں کی صفوں میں گھس گئے اور پوری ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے بالآخر باغیوں کا سرغنہ بدعتی، بدمذہب بدرالدین کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

بدرالدین کو جب سلطان محمد کے سامنے پیش کیا گیا تو سلطان نے اس سے پوچھا کیا وجہ ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا چہرہ زرد پڑ چکا ہے؟

بدرالدین نے بادشاہ کو جواب دیا اور کہا: اے میرے آقا سورج جب غروب ہونے لگتا ہے تو اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔

سلطنت کے علماء نے بدرالدین سے آزادانہ مناظرہ کیا پھر اس کو شرعی قانون کے مطابق سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔

علماء اسلام نے حدیث ذیل کی روشنی میں یہ سزا تجویز کی۔

من اتاکم وامرکم جمیعا علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم ویفرق جماعتکن فاقتلوہ

"جو تمہارے پاس آئے اور تمہیں ایک ایسے شخص کو حاکم بنانے کا حکم دے جو تمہارا عصا توڑنا چاہتا ہو اور تمہاری جمیعت کو پارہ پارہ کرنا چاہتا ہو تو اس کو قتل کر دو"

وہ باطل نظریہ جس کی بدرالدین دعوت دیا کرتا تھا وہ بعینہ ماسونیت یہودی نظریہ ہے جس کی 15ویں صدی ہجری، بیسویں صدی میلادی میں پورے زور شور سے دعوت دی گئی۔ اور اس دعوت کا مقصد صحیح اسلامی عقیدہ رکھنے والوں اور باطل نظریات کے پجاریوں کے درمیان سے تمام پردوں کو ہٹا کر انہیں ایک ہی ملت بنانے کی سازش کرنا ہے۔

کیونکہ "وحدت ادیان" کا پرچار کرنے والے یہ یہودی مکار تمام انسانوں، مسلمانوں، یہودیوں، عیسائیوں، گائے کی پوجا کرنے والوں اور کمیونسٹوں کے درمیان بھائی چارہ قائم کرنے کی خواہاں ہیں اور یہ بات اسلامی عقائد کے خلاف ہے۔

کیونکہ اسلام اس بات پر زور دیتا ہے کہ مسلمانوں اور باطل نظریات کے حامل افراد کے درمیان کوئی بھائی چارہ نہیں۔ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرنے والوں اور توحید کی آواز بلند کرنے والے اہل ایمان کے درمیان رشتہ اخوت کیسے قائم ہو سکتا ہے۔[1]

(1) دولت عثمانیہ

عربوں میں بت پرستی کے رواج کی ابتدا

مورخ عبدالکریم شہرستانی اور ابن خلدون وغیرہ لکھتے ہیں کہ پہلے پہل جس نے کعبہ میں بنا کے ان کی رسم ڈالی (اور اس کے ساتھ عرب نے بھی اُسکی موافقت کی اور اسی طریقہ پر اسلام کے آنے تک باقی رہے) عمر بن لحہ بن حارثہ امرء القیس بن ثعلبی بن مازن بن ازو بن کہلان بن سبا کی اولاد میں سے ہے (جو کہ حجاز کا بادشاہ تھا اور خزاعہ کی قوم اسی سے منسوب ہے کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ خزاعہ کعب بن عمرو مذکور الصدر کی اولاد میں سے ہیں)

عمرو کے بت پرست ہو جانے کا یہ سبب تھا کہ جب یہ بلقا میں (یہ ملک شام میں ہے) گیا تو ایک قوم کو دیکھا کہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں ان سے سبب اس کا دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہی ہمارے پروردگار ہیں ہم نے انکی صورتِ علویہ کو جسم بشری میں بنالیا ہے۔ جب ان سے کسی کی مدد مانگتے ہیں تو یہ مدد دیتے ہیں، جب پانی مانگتے ہیں تو یہ ہمیں سیراب کرتے ہیں۔ اس نے یہ بات جو سنی تو بہت ہی بھلی معلوم ہوئی اور ایک بت کی ان سے درخواست کی۔ انہوں نے ھُبل نامی ایک بت اس کو دے دیا۔ یہ اسے لئے ہوئے مکہ میں آیا اور خانہ کعبہ کے چھت لے کر رکھ دیا۔ اس کے ساتھ اور بت (جن کے نام اساف اور نائلہ تھے) لایا تھا ان کو مقام زمزم پر رکھ دیا۔ اور عام جاہلوں کو اُن پتھروں کی پہچان مورتوں کی تعظیم

وتکریم کے کے واسطے بلایا۔ سب نے قبول کیا۔ یہ واقعہ ۴۰۰ برس قبل اسلام سے سابور بادشاہ فارس کے زمانہ میں ہوا ہے۔

عمرو کی حکایات میں لکھا ہے کہ اسی نے "بحیرہ" کا نام بحیرہ رکھا اور "سائبہ" کا سائبہ اور "حامی" کا حامی۔ اور قیامت کا منکر تھا جس کی بابت خود کہتا ہے:

" حياة ثم موت ثم حشر كلام خرافة يا ام عمر "

زندگی سے مرنا مر کے پھر زندہ ہونا اے ام عمر حماقت اور خرافت کا کلام ہے (اپنی ماں سے مخاطب ہو کے کہتا ہے)

بعض مورخین کا یہ خیال ہے اساف (ابن عمر مذکور) اور نائلہ بنت سہل یہ دونوں کسی بد فعل کے مرتکب ہوئے ان کو خدائے تعالیٰ نے دو پتھروں کی صورت میں مسخ کر دیا حبل کی عبادت قریش کرنے لگے۔

بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یغوث اور یعوق اور نسر آدم علیہ السلامم کے بیٹوں کے نام تھے یہ لوگ بڑے پرہیزگار عابد وزاہد تھے جب یہ مر گئے تو حضرتِ شیطان تشرلف لائے اور لوگوں کو بہکا کے ان کی مورتیاں بنا کے مسجد میں رکھوادیں اور پھر دوسرے حلہ سے ان مورتوں کی عبادت کرنے کی رائے دی۔ اور جاہلوں نے یہ بھی کرنا شروع کر دیا۔

اور یہ بھی بیان کیا گیا کہ "وُدّ" مرد کی صورت میں بنایا گیا تھا اور "سواع" عورت کی صورت میں تھا اور "یغوث" شیر کی صورت پر اور "یعوق گھوڑے کی صورت پر۔ گھوڑے کی صورت پر "نسر" گدھ کی صورت پر۔ یہ تمام بت اور ان کی مثل دس، بیس اور بھی عرب کے معبود تھے۔ مگر قبیلے قبیلے میں بٹے ہوئے تھے۔ بعض قبیلے کسی بت کی پرستش کرتے بعض کسی اور کے۔

طعم اور حدیس تو "**کثریٰ**" کی عبادت کرتے۔ کلب "**وُدّ**" کی۔

بنی تمیم "تیم" **ہذیل "سواع"** کی۔

مذحج اور یمن کے قبائل "**یغوث**" کی۔

ذی الکلاع "**نسر**" کی (مقام حمیر میں)۔

ہمدان "**یعوق**" کی۔ بنی ثقیف "**لات**" کی۔

قریش اور بنی کنانہ "**عزیٰ**" کی۔ (اس کے دربان بنوشیبہ تھے)

اوس اور خزرج "**منات**" وغیرہ کی۔

بنی ہوزان "**مهار**" کی۔

بکر و تغلب "**اوال**" کی۔

بنی بکر بن وائل "**محرق**" کی۔

بنی ملکان بن کنانہ "**سعد**" کی۔

بنی عنزہ "**سعیر**" کی۔

خولان "**عمیانس**" کی۔

بنی طے "**رضا**" کی۔

قبیلہ دوس "**ذو الکفلین**" کی۔

الشبیبی نے لکھا ہے کہ عرب کے ہر گھر میں ایک بت رکھا ہوتا تھا جس کی وہ عبادت کیا کرتے تھے۔ جب مالکانِ مکان کہیں جانے لگتا تو سوار ہونے کے وقت اپنا جسم اس سے مس کر لیتا اور جب سفر سے واپس آتا تو قبل اس کے کہ اپنے اہل و عیال میں داخل ہو اس کے پاس حاضر ہوتا اور رسمِ تعظیم ادا کرتا۔[1]

(1) آئینہ عرب

مہدوی تحریک اور سید محمد جونپوری

یہودیوں ، عیسائیوں،اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قیامت سے پہلے حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہو گا اور تمام دینی امور اور دنیاوی معاملات کی اصلاح کریں گے ۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے اس عقیدہ پر مؤرخ و فلسفی علامہ ابن خلدون نے باقاعدہ روشنی ڈالی۔ وہ اپنے مقدمہ میں رقم طراز ہیں ''کہ ہر دور میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ آخری زمانہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں سے ایک ایسا شخص طاہر ہو گا جو مذہب کی از سر نو اصلاح و تنظیم کرے گا اور اسکی ذات سے ہر جگہ انصاف کی بالادستی قائم ہو گی۔ تمام مسلمان اس کے پیرو ہوں گے اور تمام عالم اسلام پر اس کا اقتدار قائم ہو جائیگا۔

لفظ ''مہدی' کے لغوی معنٰی بھی یہی ہے یعنی ایک ایسا شخص جو ''ہدایت یافتہ'' رہبر یا سردار ہو یعنی دوسروں کا رہبر بننے کا ملکہ رکھتا ہو۔

بہت سے محدثین نے مہدی علیہ السلام کے متعلق احادیث بیان کی ہیں۔ان کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص مہدی کے نزول میں اعتقاد نہیں لکھتا، اس کا عقیدہ ناقص ہے اور جو دجال کے ظاہر ہونے پر یقین نہیں رکھتا وہ جھوٹا ہے۔

بعض محدثین نے امام مہدی علیہ السلام کے تشریف ظہور پذیر ہونے سے پہلے کئی قسم مخصوص نشانیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

دراصل لفظ "مہدی" مختلف ادوار میں مختلف معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے۔

"لسان العرب" میں مہدی کا لقب چاروں خلفاء کو دیا گیا اور انہیں خلفائے رسشدین المہدیین کہا گیا۔ علامہ ابن جریر طبری نے یہ لقب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا۔

سلیمان بن سراہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ان کی شہادت کے بعد "مہدی ابن مہدی" کے لقب سے یاد کیا تھا۔ اموی دور کے عربی کے مشہور شاعر فرزدق اور علامہ ابن جریر طبری نے اس لقب سے خلفائے امیہ کو بھی ملقب کیا۔

مدعی مہدی

جب امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں شہید کر دئے گئے (61ھ/680ء) تو مختار بن علی عبید الثقفی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بیٹے محمد بن الحنفیہ کے مہدی ہونے کا اعلان کر دیا اس کے بعد جب کبھی کسی مسلمان ملک میں سیاسی، سماجی اور اقتصادی بحران پیدا ہوا تو وہاں کے بعض من چلے صوفیاء "مہدی ہونے کا دعویٰ کرتے رہے۔

تاریخ اسلام میں ایسے واقعات پائے جاتے ہیں کہ مختلف ادوار میں مختلف لوگوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور انہوں نے بعض حدیثوں میں تبدیلی کر کے ان کو اپنے دعویٰ کے ثبوت نیں استعمال کیا۔ خاص طور سے فاطمیوں نے ایسے سیاسی حالات اور احادیث سے فائدہ اٹھایا۔

جن لوگوں نے مہدویت کا دعویٰ کیا ان میں سے ایک ابن تومارات تھا جس نے مراکش میں الموحد خاندان کے دور حکومت میں 1122ء میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، اس کی سیاسی تحریک بڑی اہم مذہبی تحریک بن گئی تھی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ احیاء اسلام کا علمبردار ہے اسے اپنے مقاصد میں بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی تھی۔

شاہ نعمت اللہ ولی کی "فتنہ آخر الزماں" اور نزول مہدی سے متعلق پیشین گوئیوں سے بھی پندرھویں صدی عیسوی میں اس عقیدہ کو بڑی تقویت ملی۔ ایران میں علاقہ گیلان کے محمود اور اس کے پیروکاروں نے بھی مہدی ہونے کا دعویٰ 800ھ میں کیا تھا اور اسکی تحریک ایران میں شاہ عباس صفوی کے عہد حکومت تک بڑی کامیاب رہی تھی۔

علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں بعض ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، جیسے صفی التویزری اور العباس وغیرہ۔

بر صغیر ہند و پاکستان میں سلطان فیروز شاہ (1351ء۔1388ء) کے دور حکومت میں "مہدی" عقیدے کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اس کے عہد میں ایک شخص رکن الدین نے مہدی آخر

الزماں ہونے کا دعویٰ کیا۔ وہ دہلی کا رہنے والا تھا اور اس نے اپنے خیالات کی وضاحت میں کتابیں بھی لکھیں اور اعلان کیا کہ وہ اسے پیغمبر تسلیم کرلیں۔

علماء نے اس فتنہ کی طرف جب سلطان فیروز کی توجہ دلائی تو انہوں نے اس کو اس کے ساتھیوں اور مریدوں سمیت قتل کروادیا۔ اس کے بعد عرصہ تک کسی شخص کو مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے کی جرات نہ ہوئی۔

مدعی مہدویت سید محمد جونپوری

ہم یہاں تفصیل سے سید محمد جونپوری کے دعویٰ مہدی اور تحریک مہدویت کا جائزہ لیں گے۔

سید محمد جونپوری سلطان محمود شرقی (1440ء۔1457ء) کے عہد میں سوموار 14/جمادی الاولیٰ 842ھ مطابق 9/ستمبر 1443ھ جونپور میں پیدا ہوئے، ان کے والد بزرگوار کا نام سید خال اور والدہ محترمہ کا نام بی بی آغا تھا جو بعد میں ان کے مریدوں نے بدل کر ظہور مہدی کے روایات کے مطابق سید عبداللہ اور بی بی آمنہ کرلیا تھا۔

شجرہ نسب

سید عبداللہ بن عثمان بن موسیٰ بن قاسم بن نجم الدین بن عبداللہ بن یوسف بن یحییٰ بن نعمت اللہ بن اسماعیل بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادقؒ بن محمد بن باقرؒ بن علی بن زین العابدین بن سیدنا امام حسین

رضی اللہ عنہ بن حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ۔سید محمد جب چار سال چار دن کے ہوئے تو ان کے والد نے ان کو بڑے بھائی سید احمد کے ساتھ شیخ دانیال خضری جونپوریؒ کی شاگردی میں دے دیا۔

آپ بچپن ہی سے بڑے ہونہار اور بلا ذہین تھے۔انہوں نے سات سال کی عمر میں حفظ قرآن اور بارہ سال کی عمر میں تمام علوم ظاہری کی تحصیل مکمل کر لی تھی۔ان کی وسیع معلومات، کثرت مطالعہ اور غیر معمولی ذہانت سے بڑے بڑے علماء دنگ رہ جاتے اسی بناء پر انہیں اسد العلمٰا کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

مہدویوں کے علاوہ معاصرین اور متاخرین علما و صوفیاء نے بھی ان کی علمی استعداد اور قابلیت اور زہد و تقویٰ کی تعریف کی ہے۔مولانا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ کوئی شخص ان کی قابلیت اور خوبیوں سے انکار نہیں کر سکتا۔مولنا جمال الدین، علامہ ابوالفضل میاں، حاتم سنبھلی اور شیخ علی متقی جیسے علماءئے نامدار نے بھی ان کی علمی قابلیت اور زہد و ورع کی تعریف کی ہے اور ان کی بزرگی تسلیم کی ہے۔

مہدوی کتابوں میں لکھا ہے کہ ان کو بہت چھوٹی عمر ہی میں یہ روحانی اشارے ہوا کرتے تھے کہ وہ "مہدی آخر الزماں" ہوں گے اور یہ بھی کہ خواجہ خضر علیہ السلام ان کو غائبانہ طور پر روحانی تعلیم دیا کرتے تھے انہوں نے ان کو ذکر خافی بھی سکھایا تھا جس کا وظیفہ وہ کھوکھر کی مسجد جونپور میں دریائے گومتی کے کنارے کیا کرتے تھے۔

سید محمد جونپوری نے تعلیم سے فارغ ہو کر چھوٹی عمر ہی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور ان کے درس میں بے شمار طلباء اور عقید تمندوں کا جمگھٹا لگا رہتا۔ان کے درس میں امیر و غریب ہر سطح

کے لوگ شامل ہوتے۔ان میں سے ایک سلطان حسین شرقی والی جونپور بھی تھے وہ ان کے علم و معرفت کے بڑے گرویدہ تھے اور ان سے اپنی وابستگی کا اظہار فخر سے کیا کرتے تھے۔

جب سید محمد چالیس سال کے ہوئے تو سلطان حسین شرقی کے کئی بار درخواست کرنے کے با وجود 887ھ/1482ء میں جونپور سے ہجرت کر گئے تا کہ وہ ملک کے دوسرے علاقوں میں جا کر تبلیغ کریں اس سفر میں ان کے ہمراہ ان کی زوجہ محترمہ اللہ دی بیٹے سید محمود، خلیفہ میاں شاہ دلاور اور شیخ بھیک اور بہت سے دوسرے احباب بھی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جب وہ دانا پور (عظیم آباد، پٹنہ) پہنچے تو ان کی زوجہ محترمہ، بیٹے سید محمود اور خلیفہ شاہ دلاور کو روحانی اشارہ ہوا کہ وہ مہدی ہیں اور اپنے مہدی ہونے کا اعلان کر دیں۔انہوں نے خود بھی اس اشارے کی تصدیق تو کی مگر فرمایا کہ اس حقیقت کا اعلان ہم خدا کے حکم سے ایک معینہ وقت پر کریں گے۔

دانا پور سے پھر وہ کالپی و چندیری ہوتے ہوئے مانڈو پہنچے۔وہاں کے بے شمار لوگ ان کے پاکیزہ اخلاق، سنت نبوی کی اتباع اور مواعظ حسنہ سے ہدایت یاب ہوئے۔سلطان غیاث الدین خلجی (1469۔515ء) والی مالوہ کو جب ان کے علم و معرفت کی خبر ہوئی تو اس نے بھی ان کی زیارت کی خواہش کی لیکن اس وقت اپنے بیٹے نصیر الدین (1500۔1511ء) کے زیر حراست تھا۔

اس لئے اپنی حسرت کو پورا نہ کر سکا۔تاہم اس نے ان کی پیغام بھیجوایا کہ وہ اپنے چند مریدوں کو میرے پاس ضرور بھیجیں تا کہ میں ان سے مستفید ہو سکوں۔اس پر انہوں نے اپنے دو مریدوں سید سلام اللہ اور میاں ابو بکر کو اس کے پاس بھیجا۔

سلطان غیاث الدین خلجی نے ان پر سونے اور چاندی کے سکوں کی بارش کر دی اور ان سے سید محمد جونپوری کے متعلق بڑی تفصیل سے دریافت فرمایا۔ان کے جوابات سے وہ بڑا متاثر ہوا اور ان کے مہدی آخرالزماں ہونے پر ایمان لے آیا۔

اس نے ان کو بطور فتوح کے بہت سے مال وزر نذر کیا لیکن انہوں نے ان کی طرف نگاہ تک نہ کی اور خود رکھنے یا مریدوں میں تقسیم کرنے کے بجائے اس کو سلطان کے ملازموں ہی میں بانٹ دیا۔

جب لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ انہوں نے اس رقم کو کیوں قبول نہیں کیا تو فرمایا کہ میرے مرید اور ارادتمند کسی دنیاوی مال ومتاع کے لالچ کے بغیر خدائے برحق کی تلاش میں ہیں اور انہیں ایسی چیزوں کی ضرورت نہیں۔

اس موقع پر سلطان غیاث الدین خلجی کے خاص امراء میں سے ایک میاں الہداد حمید بھی ان کے حلقہ ادارت میں شامل ہو گئے۔وہ بڑے پایہ کے عالم، عمدہ شاعر اور بلند پایہ مصنف تھے اور بڑی شہرت کے مالک تھے۔بعد میں وہ مہدویوں کے خلیفہ ششم ہوئے۔

ان کی کثیر التعداد تصنیفات ہیں جن میں سے مرثیہ مہدی موعود،ایک دیوان،رسالہ بار امانت اور رسالہ در ثبوت مہدیت بڑی مشہور ہیں۔ان کی ان تصنیفات سے مہدوی تحریک کو بھی بڑی تقویت اور شہرت حاصل ہوئی ان کے ایک قابل قدر شاگرد ابن خواجہ طہ صاحب دیوانِ مہری بھی بڑے قابل قدر انسان تھے۔

اس کے بعد سید محمد نے 888ھ مطابق 1484ء میں جاپنایز پہنچ کر وہاں کی جامع مسجد میں ڈیرے جمادیے۔ وہاں بے شمار لوگ ان کی وعظ و تلقین سننے آتے تھے۔

ان میں سے ایک سلطان محمود بیگڑہ (1511ھ) بھی تھے وہ ان سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے بھی ان سے ذاتی طور پر ملاقات کی خواہش کی مگر بعض امراء نے ان کی ملاقات کو مصلحت حکومت کے خلاف سمجھا۔ سید محمد وہاں ڈیڑھ سال رہے۔ اور اس دوران میں ہزاروں لوگ ان سے مستفیض ہوئے۔ اسی جگہ ان کی اہلیہ وفات پاگئیں اور وہیں قلعہ میں دفن ہوئیں۔

وہاں سے پھر وہ برہان پور ہوتے ہوئے دولت آباد پہنچے اور اس جگہ کے صوفیا کے مزارات کی زیادت کی۔ پھر وہ احمد نگر پہنچے ان دونوں وہاں ملک احمد نظام شاہ اول (1490ح مطابق 1508ء) کی حکومت تھی وہ بھی ان گرویدہ ہو گیا اور اس نے ان سے بیٹے کی ولادت کے لئے دعا کی خواہش کی۔ چنانچہ ان کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا جس کا نام برہان نظام رکھا۔ بعد میں وہ سات برس کی عمر میں سلطان برہان نظام شاہ اول کے نام سے (1808۔1553ء) سلطنت کا وارث ہوا۔

احمد نگر سے پھر وہ بیدر پہنچے وہاں ان دنوں ملک قاسم برید کی حکومت تھی اور وہاں بھی بے شمار ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔

احمد نگر سے گلبر گہ گئے اور وہاں سید محمد گیسو دراز بندہ نواز کے مزار کی زیارت کی۔

اس سفر کے بعد اپنے 360 پیروکاروں کے ساتھ 901ھ میں بندرگاہ ابھول سے بحری جہاز میں مکہ معظمہ چلے گئے جہاں طواف کعبہ کے بعد رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان 901ھ 1495۔1494ء میں کھلم کھلا اپنے مہدی ہونے کا اعلان کیا۔تاریخ مہدوی کے مطابق یہ ان کے مہدی ہونے کا سب سے پہلا اعلان اور دعویٰ سمجھا جاتا ہے۔اس کے بعد وہ چند ماہ مزید مکہ معظمہ میں رہے مگر مدینہ منورہ میں حاضری دیئے بغیر ہندوستان چلے آئے۔

مختلف شہروں اور ملکوں کا سفر کرتے ہوئے قندھار سے فرہ پہونچے اور 63 سال کی عمر میں بروز سوموار 19 ذی قعدہ 910ح مطابق 23 اپریل 1504 میں یہیں انتقال ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر ان کے خلیفہ میاں الہداد نے ان کی قبر پر ایک بڑا دردناک مرثیہ پڑھا تھا۔ان کی وفات کے بعد ان کے بہت سے مرید واپس ہندوستان چلے آئے تھے اور جو تھوڑے بہت فرہ میں رہے،ان میں سے ایک شیخ محمد فراہی تھے جنہوں نے بعد میں اپنے عیسیٰ ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔

عقائد فرقہ مہدویت

عقیدہ(1)سید محمد جونپوری ولی کامل اور مکمل ہیں۔

عقیدہ(2) سید محمد جونپوری مہدی موعود ہیں 905ھ میں دعویٰ مہدویت کر کے 910ھ میں انتقال کیا۔

عقیدہ (3) تصدیق مہدیویت سید محمد جونپوری فرض ہے ان کا اور ان کی مہدویت کا انکار کفر ہے۔

عقیدہ (4) شیخ موصوف اگرچہ داخل امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن افضل ہیں چاروں خلفاء رضوان اللہ علیہ اجمعین سے۔

عقیدہ (5) سید محمد جونپوری سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل ہیں ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ وآدم اور تمام انبیاء اور مرسلین سے۔

عقیدہ (6) سید محمد جونپوری اگرچہ تابع تام ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیکن رتبہ میں آنحضرت خاتم المرسلین کے برابر ہیں کہ دونوں میں سر مو کمی وبیشی نہیں ہے۔

عقیدہ (7) یہ کو جو احدیث رسول خدا کی اور تفاسیر قرآن اگرچہ کیسی ہی روایات صحیحہ سے مروی ہوں لیکن شیخ جونپور کے بیان واحوال سے مقابل کر کے دیکھنا اگر مطابق ان کے احوال کے ہوویں صحیح جاننا ورنہ غلط جاننا۔

عقیدہ (8) یہ کہ شیخ موصوف کو باالذات مفترض الطاعات جانتے ہیں یعنی جو کچھ انہوں نے کہا یا کیا اس کی اتباع دوسروں پر فرض ہو گئی۔

عقیدہ (9) یہ کہ سید محمد جونپوری اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پورے مسلمان ہیں اور سوائے ان کے حضرت ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ وآدم اور تمام انبیاء اور مرسلین ناقص اسلام ہیں کہ کوئی پیغمبر نیم مسلم

ہے اور کوئی پاؤ مسلمان اور کوئی اس سے بھی کم تر ہے چنانچہ ''پنج فضائل ''میں ہے کہ شاہ دلاور نے اپنے مہدی سے روایت کی کہ آدم علیہ السلام ناک کے نیچے سے بالائے سر تک مسلمان تھے اور نوح علیہ السلام زیر حلق سے بالائے سر تک مسلمان تھے اور عیسیٰ علیہ السلام زیر ناف سے بالائے سر تک مسلمان تھے دوسری بار جب آوینگے پورے مسلمان ہو جاویں گے۔

عقیدہ(10) تسویہ یعنی شیخ جونپوری کو برابر حضرت سید الکائنات علیہ التسلیمات کے سمجھنا مہدویوں کا کھلم کھلا اعتقاد ہے کہ اس میں کسی فرد بشر بلکہ خدا دادو گر سے بھی ذرہ برابر خوف وشرم نہیں رکھتے ہیں۔

مگر ایک عقیدہ دیگر کہ اس سے بھی بد تر ہے اس میں البتہ خدا و خلق سے ذرہ شرماتے ہیں کہ صاف ہر ایک کے سامنے زبان پر نہیں لاتے ہیں وہ یہ ہے کہ ''حضرت سید کائنات علیہ التسلیمات شیخ جونپور کے عوام مریدوں کے برابر ہیں چہ جائے خاص مریدین واصحاب کے۔(استغفر اللہ ثم استغفر اللہ ناقل) کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بمراتب بہتر ہیں''۔[1]

سید محمد جونپوری کی مہدوی تحریک اکابرامت کی نظر میں

ملا عبد القادر بدایونی منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں کہ سید محمد ایک عارف صاق تھے اور فقر ومعرفت کی دنیا میں وہ بڑے پایہ کی ہستی تھے لیکن ان کے مریدوں نے غلط راستہ اختیار کر لیا۔ مفتی غلام

(1) بحوالہ ہدیہ مہدویہ

سرور لاہوری لکھتے ہیں کہ وہ بڑے حال مست بزرگ تھے جس طرح بعض صوفیا نے جذب و مستی کی حالت میں ''اناالله'' اور ''اناالحق'' کہہ دیا تھا اسی طرح ان کی زبان سے بھی ''انا مہدی'' نکل گیا تھا، لیکن جب وہ ہوش میں آئے تو تائب ہوئے اور اپنے مہدی موعود ہونے سے انکار کیا۔

تاہم بعض جاہل لوگوں نے ان کی دوسری بات کا اعتبار نہ کیا اور ان کی پہلی بات پر ہی اصرار کیا اور وہ ان کو مہدی موعود سمجھنے لگے۔ گویا وہ تمام چاہِ ذلت میں گر گئے اور دوسرے 72 فرقوں کی طرح اپنے فرقہ کو ''مہدویہ'' کہنے لگے۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کے خیال میں ان کے ''انا مہدی'' کہنے سے مطلب امام مہدی نہ تھا بلکہ اس کا مطلب ھادی و مہدی تھا اور یہ اسی طرح ہے جس طرح بعض لوگ اولیاء کرام کو ان کی روحانی بلندی وصف کی بناء پر ہادی و مہدی کہہ دیا کرتے ہیں۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خود سید محمد جونپوری نے اپنے پیر کاروں کو سمجھایا کہ میں مہدی موعود نہیں ہوں لیکن انہوں نے ان کی بات کا یقین نہ کیا اور اپنے ہی عقیدہ پر قائم رہے۔

شیخ عبدالرحمٰن چشتی مرآۃ الاسرا میں لکھتے ہیں کہ سید محمد بہت بڑے عارف تھے لیکن کشف میں غلطی کر گئے اور علامہ ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتے ہیں کہ سید محمد علوم ظاہری و معنوی کے بڑے عظیم المرتبت عالم تھے، لیکن دیوانگی کی حالت میں دعوی مہدویت کے مرتکب ہوئے۔

تاتاریوں کی خلاف ہندوستان کی مدافعت میں علاءالدین خلجی کے کارنامے

علاءالدین خلجی (۱۲۹٦-۱۳۱٦ء) کے زمانے میں تاتاریوں کے سات حملے ہوئے اور ہر حملہ ہندوستانی فوج کی نمبر آزمائی سے پسپا ہوا، پہلا حملہ اابارہ سواٹھانوے میں ماوراءالنہر کے تاتاریوں نے ایک لاکھ لشکریوں کے ساتھ کیا وہ غارتگری کرتے ہوئے دریائے سندھ تک پہنچ گئے ہندوستانی فوج نے الغ خان اور ظفر خان کی سرداری میں مندھ کے پاس ان کا مقابلہ کیا تاتاری ہارے اور بارہ ہزار لشکری مارے گئے ان کے سردار بھی بیوی بچوں کے ساتھ قیدی بنا کر دہلی لائے گئے، اس فتح سے ہندوستان کی قوت کی شہرت ہوئی اس کی خوشی پر بڑا جشن منایا گیا شہر میں قبے بنائے گئے فتح نامہ پڑھ کر سنایا گیا شادمانی کے باجے بجائے۔[1]

۱۲۹۹ء میں تاتاری حملہ آور ہوئے انہوں نے سیوستان پر قبضہ کر لیا، لیکن ظفر خان نے وہاں پہنچ کر ان حملہ آوروں کو پسپا کیا اور ان کے سردار صلدی اس کے بھائی اور دوسرے لشکریوں کو ان کی

(1) تاریخ فیروز شاہی از ضیاءالدین برنی

عورتوں سمیت گرفتار کر کے دلی لایا، جس سے اس کی بہادری، دلاوذی اور بے باکی کا بڑا رعب بیٹھا اور ان لوگوں کو خیال ہوا کہ ہندوستان میں ایک دوسرا رستم پیدا ہو گیا ہے۔[1]

تاتاری اس ذلت آمیز پسپائی کے کا بدلہ لینے کے لیے بارہ سو ننانوے کے آخر میں قتلغ خواجہ کے سرداری میں دو لاکھ لشکری کے ساتھ ہندوستان کی طرف بڑھے، اور انہوں نے دریائے سندھ کو عبور کر کے سیدھا دلی کی طرف رخ کیا یہاں کے باشندوں میں بڑی سراسمگی پھیلی، وہ سب سمٹ کر دلی کے حصار اندر چلے آئے، بازاروں گلیوں، گھروں اور مسجدوں میں لوگ کھچا کھچ بھر گئے، شہر میں گرانی بڑھ گئی حملہ آوروں نے راستے مسدود کر دیے تھے اس لئے سوداگروں اور غلہ فروشوں کا آنا جانا بھی بند ہو گیا لیکن اس موقع پر سلطان علاء الدین کی بہادری کام آئی، وہ اپنے پورے دبدبے کے ساتھ لشکر لے کر شہر سے باہر چلا آیا اور سیری میں خیمہ زن ہوا اس نے اپنی مملکت کے ہر طرف سے فوجی سرداروں اور لشکریوں کو طلب کرنا شروع کیا، دلی کا کوتوال اس وقت عماد الملک تھا جس کی رائے اور ہوشمندی پر سلطان علاء الدین اکو بڑا بھروسہ تھا وہ سلطان کو اس کی مجلس خلوت میں مشورہ دیا کرتا تھا، وہ بھی تاتاریوں کی زبردست یورس سے پریشان ہوا وہ سلطان کے پاس آیا اور اس کو مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"ہم سے پہلے کہ جن قدیم بادشاہوں اور وزیروں نے جہاں داری اور جہاں بانی کی ہے وہ کسی بڑی لڑائی کے موقع پر جب یہ نہیں سمجھ سکتے تھے ایک لمحے میں کیا ہو جائے گا اور فتح کس کی ہو گی اور وہ بڑی لڑائی سے اجتناب کرتے تھے اور انہوں نے جب ملک اور سلطنت کو بڑی لڑائیوں کی وجہ سے

---

(1) برنی:۲۵٤

خطرے میں دیکھا تو اس کے لیے کچھ وصیتیں چھوڑیں ہیں، پرانے بادشاہوں کے وصایا میں لکھا ہے کہ لڑائی ترازو کا پلہ ہوتی ہے، چند نفر کے غلبہ سے بھاری اور دوسرا ہلکا پڑ جاتا ہے، اور کچھ دیر میں کام ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور اس کو پھر سے کامیابی سے سرانجام دینے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اگرچہ لڑائیوں میں لشکر کے سر دروں سے انہرام اور شکست کا چندہ خطرہ نہیں ہوتا، اور امید منقطع ہیں ہو سکتی، لیکن ہمسروں کی لڑائیوں میں جب ملک کی بازی لگادی جاتی ہے تو اس وقت بادشاہوں کو بہت کچھ سوچنا پڑتا ہے تاکہ مضبوطی اور ٹھیک طرح سے لڑائی کو روک سکیں اور اگر وہ لڑائی کو مہلک سمجھتے ہیں تو قاصد وغیرہ کو بھیجتے ہیں، خداوند عالم کوہان والے اونٹوں کو مغلوں کے مقابلے کو بھیجیں اور لشکریوں کو پیچھے رکھیں، مغل مور وملخ کی طرح آتے ہیں، ان سے لڑنے میں ابھی توقف کریں، اور دیکھیں وہ کیا کرتے ہیں، معاملہ کہاں تک بڑھتا ہے اگر لڑائی کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو، تو لڑائی کی جائے۔

تمام لوگ حصار کے اندر سمٹ آئیں مغلوں کے پاس بہت بڑا لشکر ہے وہ دس سواروں کو بھی اپنے پاس سے جدا نہیں کر سکتے یہ دیکھنا چاہیے کہ رسد کے بغیر کا تک رہ سکتے ہیں اگر کچھ روز میں ان کے مزاج، ارادے اور نیت کا اندازہ ہو جائے تو بہتر ہے، اگر یہ تنگ ہو کر واپس ہو جائیں اور لوٹ مار میں مشغول ہو جائیں تو اس وقت ان کا تعاقب کرنا درست ہوگا"۔[1]

علاء الملک کی ان باتوں کو سن کر سلطان علاء الدین پر جو اثر ہوا وہ بھی ضیاء الدین برنی ہی کے الفاظ میں سننے کے لائق ہے۔

---

(1) برنی ٢٥٦

سلطان علاء الدین نے ملک علاؤالدین کے باتیں سنیں اور آفریں کہی، پھر اپنے بڑے بڑے خوانین اور ملوک کو اپنے ساتھ بلایا، اور ان کو مخاطب کر کے مجمع میں کہا کہ :

تم جانتے ہو علاء الملک وزیر اور وزیر زادہ ہے میرا بہت مخلص اور ہوا خواہ ہے، پس جب ملک تھا اس وقت سے اب تک مجھ کو مشورہ دیتا ہے، میں نے اس کو موٹاپے کی وجہ سے کوتوالی دے دی ہے ورنہ اس کا حق وزارت کا تھا، اس نے مغلوں پر حملہ نہ کرنے کے متعلق مجھ کو کچھ مشورے دیے ہیں اور اچھی دلیلیں پیش کی ہیں، اب میں تم لوگوں کے سامنے اس کو جواب دیتا ہوں اس کو سنو"

پھر وہ علاء الملک کے مخاطب ہوا اور کہا"

اے علاء الملک تم میرے مخلص اور قدیم چاکر ہو تو اپنی دانائی کی وجہ سے وزارت کے لائق ہو، میں تمھارا اولی نعمت، مربی اور بادشاہ ہو اب میری سچی اور صحیح بات سنو مجھ سے اور تم سے پہلے ایک مثل کہی گئی ہے کہ ماونٹ کا چرانا اور پیٹ جھکا کر کر چلنا ساتھ ساتھ نہیں چل سکتا، دلی کے بادشاہت اس طرح قائم نہیں رہ سکتی جس طرح کے تم نصیحت کرتے ہو، اونٹوں کے کوہان کے پیچھے چھپ کر مغلوں کو نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا اور جنگ سے پرہیز کر کے بادشاہت قائم نہیں رکھی جاسکتی، کس طرح سے مناسب نہیں کہ مغلوں سے لڑائی نہ مردوں کے شور کرنے سے ختم کی جائے، اگر ہم تمہاری رائے پر عمل کریں تو ہمارے زمانے کے لوگ اور آئندہ آنے والی نسلیں ہماری داڑھیوں پر ہنسے گی، اور ہماری نامردی پر طعنہ دیں گے ہمارے دشمن دو ہزار کوس چل کر آیا تا اور دلی کے مینارہ کے پاس جنگ کرنا چاہیں، اور تم کہتے ہو کہ ایسے موقع پر ہم سستی اور نامردی دیکھائیں اور اونٹوں کے آگے کر کے بط اور مرغ کی طرح انڈوں

پر بیٹھ جائیں اور ان دشمنوں کو عقل اور تدبیر سے دفع کریں، اگر میں اس طرح کروں جس طرح کہ تم نے کہا ہے تو پھر میں اپنا چہرہ کس کو دکھا سکوں گا؟ کس منہ سے اپنے حرم کے اندر سے جاؤں گا، ملک کے لوگ مجھ سے کیا حساب کتاب کریں گے، پھر میری ہمت اور شجاعت کیا رہ جائے گی، جس میں آپ نے سرکشوں اور باغیوں کو اپنا فرمانبردار بنا سکوں گا، جو کچھ ہوں میں کل سیری سے بڑھ کر کیلی کے میدان میں چلا جاؤں گا، اور اس جگہ قتلغ خواجہ اور اس کے لشکر سے جنگ کروں گا اور میرے اور اس کے درمیان لڑائی اور خون ریزی ہوگی دیکھیں خدا کس کو ظفر اور نصرت عطا کرتا ہے، اے علاء الملک شہر کی کوتوالی تم کو دی، اپنے حرم، خزانہ اور تمام شہر کو تمہارے حوالے کیا، ہم میں سے جو مظفر و منصور ہوں اس کو دروازے اور خزانے کی کنجی دے دینا اور اس کے فرماں بردار ہو جانا، تم اتنی عقل و فراست کے باوجود یہ نہیں جانتے کہ عقل اور تدبیر اس وقت کام کرتی ہے جب دشمن سامنے نہیں پہنچتا، اور جب دشمن اتنے لشکر کے ساتھ روبرو آگیا ہے اس کے روبرو ہونے اور ہتھیلی پر جان رکھنے، تلوار، تبر، گرز اور دھار سے زخم کھانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہوتا، گھر کی کہانی بازار میں کام نہیں آتی، گھر میں چار گز کا جو صاف ستھرا کپڑا کام آتا ہے، لڑائی اور خونریزی کے میدان میں جہاں خون کی ندیاں بہتی ہیں بیکار ہوتا ہے۔ تم نے مغلوں کو دفع کرنے کے لئے جو کچھ کہا اس کے متعلق میں نے سوچا، جب ہم اس لڑائی سے فارغ ہو جائیں گے اور جنگ کا حق ادا نہ کر سکے تو پھر تمہارے خیالات کو سنیں گے تم لکھنے والے مرد ہوں اور لکھنے والے مرد کے فرزند ہو، تمہارے دل میں جو آئی تم نے میرے سامنے کہہ ڈالی سلطان نے کہا کہا تم حلال کے کھانے والے ہو، تمہاری رائے میرے لئے مبارک ہوتی ہے، لیکن اس وقت ایسی حالت پیش آگئی ہے کہ عقل کو تو گوشہ

میں رکھنا چاہیے، اس وقت توخون دینے خون بہانے، تلوار کو برہنہ کرنے اور دشمن سے لڑنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

(علاء الملک نے دست بوسی کی سلطان رخصت کر کے کر کے واپس شہر میں آیا تمام دروازے بند کر دیے صرف بدایونی دروازہ کھلا رکھا، شہر کے تمام چھوٹے بڑے لوگ حیرت میں تھے لیکن ان کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے تھے")

یہ کہہ کر سلطان علاء الدین کیلی آ کر اپنی فوج کو آراستہ کیا، اور تمام سرداروں کو ان کی جگہوں پر متعین کر کے خود فوج کے قلب میں شیر کی طرح کھڑا ہو گیا، ہندو راجہ بھی اس جنگ میں شریک ہوئے، ہندوستانی لشکر سے کوہ بھی لرز اٹھا، اور تمام بہادروں نے دشمنوں کی راہ لی، جس طرح شکار میں شیر کا راستہ روک لیا جاتا ہے، ہاتھی بھی صف آرا ہوئے، عصامی نے جنگ کی مرقع آرائی بڑے ولولہ انگیز طریقہ پر کی ہے۔[1]

(1) سلاطین دہلی کے عہد میں از صباح الدین عبد الرحمن

طب ہندی

طب ہندی کو "آیور ویدک" کہتے ہیں۔ ہندوؤں میں اس علم کی ابتداء برہما جی سے بتلاتے ہیں ۔ برہما جی کے بعد دکھشن اندر مہاراجہ نے اس میں مہارت حاصل کی۔ اس کے بعد چرک نے چرک سنگھتا بڑی مرتب کی۔ پھر دھنومتری اور شرت جی کی کتاب شرت سنگھتا بڑی مشہور ہوئی اس کے بعد واک بھٹ نے "واک بھٹ" نامی کتاب لکھ کر شہرت پائی۔ اس کے بعد مادھو اچاریہ اور سارنگ کی کتاب مقبول ہوئی۔ ابن اصیعہ نے ہندوستان کے ویدوں میں کنکا سنجھل۔۔۔۔ شاناق۔۔۔ جودر۔۔۔۔ منکہ اور اسیہ کا ذکر کیا ہے اور ان کی قابلیت کا اعتراف کیا ہے۔

ہندوؤں نے علم الادویہ، عقاقیر، سموم، کیمیا اور جراحت میں خصوصاً ترقی کی۔ عربی اور فارسی میں شرت اور چرک کا ترجمہ کیا گیا۔

ابن مبارک نے اپنی مشہور کتاب المنقد کو آیوریدک سے اخذ کیا۔ اسلامی اطباء نے اکثر جڑی بوٹیاں، اطریفلات، سموم، معدنیات اور کشتہ جات کو آیوریدک سے اخذ کیا۔

خلیفہ ہارون رشید نے تین وئیدوں منکہ، صالح اور ابن دھن کو بغداد بلوایا۔ منکہ نے سنسکرت کی طبّی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کر دیا۔ اسی زمانہ میں چرک کا بھی عربی میں ترجمہ ہوا۔ ابو محمد زکریا الرازی نے اپنی کتاب الحاوی میں چرک اور شرت کا ذکر کیا ہے۔ بعض مقامات پر انکی عبارتیں بھی نقل کی ہیں۔

ہندو آیورید ک کو الہامی قرار دیتے ہیں اور اس کا آغاز دوسری سے چوتھی صدی کے درمیان ہوا۔ آیورید ک کے معنی علم الشفا کے ہیں۔ کاراک، شرت اور راگ بھات ہندی نے اس فن کے اصول ومبادی وضع کیے۔ ان میں اول الذکر مہاراجہ کنشک کا درباری حکیم تھا، شتر آیور دید ک پر پہلی تصنیف ہے جو ویداا تریا کے خیالات کی ترجمانی کرتی ہے۔ پھر کاراک نے سمیتا میں فن طب کو عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ روایات کے مطابق اس نے دیوداس کے طبّی نظریات کو اس میں سمودیا ہے جس نے کاسیکے راجہ کے ہاں جنم لیا اور لوگوں کے امراض سے نجات دلائی۔ ہندو دیو نالا کے مطابق سمندر کو بلونے پر دھنو منتری کو امرت منتھن ہاتھ لگا تھا۔

ہندو اس کو اوتار سمجھتے ہیں اور اس کی پوجا کرتے ہیں۔ اس کے مجسمے کے چار ہاتھ ہوتے ہیں۔ ان میں سنکھ، چکر چونک اور امرت کا پیالہ پکڑے ہوئے دکھاتے ہیں۔ (1)

---

(1) بقراط۔ ص: ۱۹ تا ۲۰ ملک حیات

انبیاء کی ہجرت گاہ موضع "براس" کا محل وقوع

موضع براس سرہند سے ۱۷ کلو میٹر فاصلہ پر ہے۔ سرہند چنڈی گڑھ مین روڈ سے لنک روڈ براستہ گاؤں بڑالی، رام پور تھوڑا سا پیچیدہ راستہ ہے۔ لیکن شاہراہ جی ٹی روڈ پر سرہند سے تقریبا ۱۰ کلو میٹر فاصلہ پر گاؤں راجندر گڑھ کا بس اسٹاپ پڑتا ہے۔ راجپورہ کی جانب سے یہ بس اسٹاپ ۲۰ کلو میٹر ہے۔ اس جگہ سے مشرق کی جانب ایک لنک روڈ جاتی ہے۔ ریلوے کراسنگ کے بعد پہلے راجندر گڑھ گاؤں آتا ہے اور اس کے بعد دوسرا مقام براس گاؤں ہی آتا ہے اس طرح سے راجندر گڑھ بس اسٹاپ سے براس کی دوری تقریبا ۷ کلو میٹر ہے۔

اس وقت براس گاؤں کی آبادی دو ہزار کے قریب ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد کوئی بھی گھر یہاں مسلمانوں کا نہیں رہا۔ جبکہ اس پر آشوب حالات سے پہلے اس جگہ پر سید، پٹھان اور راجپوت مسلمان قومیں آباد تھیں۔ صدیوں سے سرہند کے گرنواح میں اور دور دراز دیہات اور قصبوں میں جاہ و جلال والے مسلمان ہی زیادہ تر آباد تھے، اس علاقہ کے مسلمان کئی بار بدلتے حالات کے ہاتھوں ظلم و ستم کا شکار رہو تے رہے۔ ان کی آبادیات کئی بار اجڑی اور کئی بار آباد ہوئیں۔

لیکن ۱۹۴۷ء کے خوفناک خونی دور نے یہاں کے مسلمانوں کی نسلوں کو ختم کر دیا جو کچھ بچے وہ پاکستان ہجرت کر گئے۔اب سرہند کے گرد نواح کے دیہات اور قصبات میں کہیں کہیں مسلمانوں کے گھر آباد ملتے ہیں۔لیکن یہ مسلمان نام کے ہیں ان میں اسلامی شعور کا فقدان ہے۔اب ان کو کچھ مسلم تنظیمیں اسلام سے روشناس کروا رہی ہیں۔

براس گاؤں سے ملحقہ ایک بہت بڑا ٹیلہ ہے جو ہزاروں سال پہلے اس کے بہت بڑے رقبہ پر مشتمل ہونے کے آثار ملتے ہیں۔زمانہ کی تغیر پذیری رفتار نے اس جگہ کو تہہ و بالا کر دیا اور یہاں پر آباد لوگ اس ٹیلہ کی مٹی اٹھا کر ہموار جگہ سے ملاتے رہے۔اس ٹیلہ کے عین وسط میں اوپری سطح پر جو کہ زمینی سطح سے تقریباً ۵۰ فٹ اونچائی پر وہ قبرستان موجود ہے جس کے بارے میں بزرگان دین نے اس جگہ پر انبیاء کی قبریں ہونے کی تصدیق فرمائی۔

براس میں انبیاء کہاں سے آئے:

صدیوں سال پہلے مشرق وسطی بشمول مصر، ترکی، شام، عراق، فلسطین ان علاقوں میں نمرود ،ہامان، فرعون شداد جیسے ظالم جابر حکمراں ہوئے جنھوں نے اپنی ذات کو خدا منوانے کے لیے اپنی رعایا پر ظلم کئے اور خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے رسولوں، نبیوں کو اپنے ظلم کا نشانا بنایا۔خدا اور رسولوں پر ایمان لانے والوں کو خوفناک سزائیں دیں۔

اس جبر و ظلم سے بچنے کے لیے اس دور کے انبیاء میں سے کچھ نے اپنے ایمان لانے والوں کے ساتھ ہجرت فرمائی، اوران میں کچھ انبیاء نے جنوب مشرق کی طرف بھی کوچ کیا۔ یقین اغلب ہے کہ یہ بزرگ ہستیاں اپنے اپنے دور میں براستہ ایران ہندوستان میں داخل ہوئیں اور سفر کرتے ہوئے پنجاب کے براس موضع میں قیام کیا قیام کے دوران انہوں نے وحدانیت اور نیک اعمال کی لوگوں کو تلقین فرمائی ،یہیں وفات پائی اوراسی مقام پر دفن ہوئے۔

ایک قیاس یہ بھی ہے جو کہ مختلف مذاہب کی کتابوں میں ملتا ہے ہ زمانہ قدیم میں انسان کی زندگی کے لیے ذریعہ معاش پالتو جانور ہوتے تھے جن کی اون کھال، گوشت اور چربی سے زندگی کی ضروریات پوری کرتے تھے ان جانوروں کی پرورش کے لیے لوگوں کو نئی نئی اچھی چراگاہوں کی ضرورت رہتی تھی جس کی تلاش میں وہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں سفر کرتے رہتے تھے۔ یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ اس قوم کے پیغمبر بھی اپنی امتوں کو ساتھ لے کر اس مقصد کے لیے سفر کرتے ہوئے ہندوستان میں آئے ہوں اس مقام پر قیام کیا ہو۔ واللہ اعلم

قصبہ سنگول اوراس کی تباہی

قصبہ سنگول جو کہ سرہند شہر سے چند کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے صدیوں سال پہلے یہ ایک پُر رونق شہر کی شکل میں تھا یہاں پر مغرور حکمران ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی رعایا کو اپنے آگے جھکنے پر مجبور کیا ان کا

خدا بن کر اپنی عبادت کروائی اور رعایا بھی ایسا کرنے کی عادی ہوگئی تھی اور نہایت گندے اور برے اعمال کی مرتکب ہوگئی تھی۔

خدا نے ان کی اصلاح کیلئے انہیں میں سے وقتاً فوقتاً نبی بھیجے جنہوں نے یہاں ے حکمرانوں اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوششیں کیں۔

ایک خدا کو ماننے اور اس کی عبادت کرنے کی تلقین فرمائی اور برے اور ذلیل حرکات سے بعض رہنے کی ہدایات دیں۔ لیکن چند مخصوص لوگوں کے علاوہ ان پر اور کوئی ایمان نہیں لایا۔ الٹے نبیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے حکمرانوں نے ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ اس کے باوجود یہ نبی خدا کا پیغام ان تک پہنچاتے رہے۔

جب اس سنگول کی بستی والے حکمرانوں اور لوگوں کے ظلم وزیادتی حد سے بڑھ گئی تو خدا نے ان انبیاء کو یہاں سے ہجرت کر جانے کا حکم دیا یہ انبیاء مختلف ادوار میں اپنے کچھ ایمان والوں کے ساتھ یہاں سے ہجرت کر کے "براس" بستی نامی بستی میں قیام پذ ثریر ہوئے۔ یہیں انبیاء نے وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے۔ خدا تالی نے سنگول بستی پر اپنا قہر نازل کیا یہاں پر پتھروں کی بارش ہوئی اس بستی کو نیست ونابود کر دیا۔ موجود آثار قدیمہ محکمہ نے اس بستی کی تباہی اور بربادی کے آثار اجاگر کئے ہیں۔

براس میں انبیاء کی قبریں ہونے کی تصدیق

سوانح حیات حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ "روضۃ القیومیہ" جو کہ خواجہ ابوالفیض کمال الدین محمد احسان کی تصنیف کی ہوئی ہے۔اس طرح لکھتے ہیں کہ :

حضرت مجدد الف ثانیؒ جنگل کی سیر کے واسطے باہر نکلے۔ شہر کے باہر جنوب مشرقی کونے میں ایک بلند ٹیلہ تھا اسے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ ظہر کی نماز وہیں ادا کی اور دیر تک مراقبہ کرنے کے بعد لوگوں کو فرمایا کہ نظر کشفی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ٹیلے پر انبیاء کے مقبرے ہیں بلکہ ان لوگوں ن مجھ سے ملاقات بھی کی ہے اور مجھے کہا ہے کہ ہم اس جگہ آرام کئے ہوئے ہیں۔

چنانچہ حضرت قیوم اول مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات کی پہلی جلد کا دوسو چھٹواں مکتوب جو کہ اپنے بیٹے حضرت محمد سعیدؒ کو آپ نے خازن الرحمۃ فرمایا ہے کے نام لکھا ہے اس یں تحریر فرمایا ہے کہ جو انبیاء علیہم السلام ہند میں مبعوث ہوئے ہیں اور اس جگہ آرام کئے ہوئے ہیں مجھ پر ظاہر ہوئے ہیں میں دیکھتا ہوں کہ ان کی قبروں سے نور کے شعلے آسمان تک جارہے ہیں۔

حضرت مولانا مجدد الملۃ اشرف علی تھانویؒ نے اپنے مرید حاجی محمد حسین بسی نواسی کو بتایا کہ انھوں نے اس جگہ پر مراقبہ کا اور ان حضرات کی روحوں سے ملاقات کی جو گنتی میں تیرہ حضرات ہیں۔اور ان میں ایک باپ بیٹے ہیں۔ حضرت کا نام "ابراھیم" ہے اور بیٹے کا نام "حذر" ہے۔ ہندوستان میں یہاں کے لوگوں کے ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔

نبیوں کی قبروں کی تعداد

اس مقام پر نبیوں کی قبروں کی تعداد کے بارے میں مختلف رائیں ظاہر کی گئی ہیں کسی نے تین (۳) کہا، کسی نے تیرہ (۱۳) بتایا ہے، کسی نے اس سے کم یا زائد بتایا ہے۔ لیکن سب سے صحیح روایت یہ ہے کہ یہاں تین (۳) نبی آرام فرما ہیں ۔اس وقت چہار دیواری کے اندر نو (۹) قبروں کے علاوہ دو (۲) قبریں اور ہیں جن پر ایک چھوٹا سے کمرہ تعمیر کیا ہوا ہے۔اور مسجد کے دامن میں مشرق کی طرف بھی تین (۳) قبروں کے نشان موجود ہیں، سر ہند میں حضرت مجد الف ثانیؒ کے روضہ شریف پر حاضری دینے والے زائرین جو کہ ملک کے دور دراز علاقوں سے آتے ہیں۔وہ وضع بر اس پہنچ کران قبروں کی زیارت کا شرف حاصل کرتے ہیں۔

بہت سے بزرگان دین کے علاوہ حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلویؒ، مولانا یوسف حسن کاندھلویؒ مولانا شیخ زکریاؒ اور اس خاندان کے بہت سے علماءدین بھی حاضری دے چکے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ان قبروں کے چہار دیواری کے اندر پر شکوہ خاموشی قلب کو حقیقی سکون بخشتی ہے اور اس سے ملحقہ مسجد کے میناروں سے بوقت اذان اٹھتی ہوئی اللہ اکبر کی صدا روح کو گرما دیتی ہے۔[1]

(1) گلشن اولیاء اکرام

گذشتہ لکھنؤ کی شادیاں (شان اودھ)

نئے گھروں میں جب پیام جاتا ہے تو اکثر لڑکا اپنے چند عزیزوں اور مخصوص دوستوں کے ساتھ بر دکھاوا کے نام سے دلہن والوں کے ہاں بلایا اور ایسی جگہ بٹھایا جاتا ہے جہاں سے عورتیں بھی اسے تاک جھانک کے دیکھ سکیں۔ گھر والے مرد جمع ہو کے اس سے ملتے اور حسب حیثیت خاطر مدارات کرتے ہیں۔

اسی طرح لڑکے کی ماں بہن ایک مقررہ تاریخ پر دلہن کے گھر جاتی اور مٹھائی کھلانے یا کسی اور بہانے سے دلہن کا چہرہ دیکھتی ہیں جو عام طور پر ان سے چھپائی اور پردے میں رکھی جاتی ہے مگر بعض شریف گھر والوں میں دل نہیں بلایا جاتا بلکہ خاندان کے مرد کسی نہ کسی عنوان سے لڑکے کی لاعلمی میں اسے دیکھتے اس کا حال دریافت کر لیتے ہیں اور یوں ہی لڑکی کی حالت کا بھی پتا لگایا جاتا ہے ان طریقوں سے لڑکے والے لڑکی کو لڑکی والے لڑکے کو پسند کر لیتے ہیں۔

جس میں صورت شکل، حالت و حیثیت کے علاوہ شرافت خاندان کو بھی بہت کچھ دخل ہوتا ہے، تو منگنی کی رسم عمل میں آتی ہے جس میں دولہا کی طرف سے مٹھائی جاتی ہے، پھولوں کا گہنا جاتا ہے

اور ایک سونے کی انگوٹھی جاتی ہے جسے بعض گھرانوں میں دولہا کے عزیز عورتیں خود لے جاکے پنھاتی ہیں۔

منگنی کی رسم ادا ہو جانے کے بعد سمجھا جاتا ہے کہ نسبت ٹھہر گئی اور اس وقت سے دونوں جانب معمول ہو جاتا ہے کہ جب کوئی تقریب ہو تو سمدھیانے میں خاص اہتمام سے حصے جائیں اور جو حصہ لڑکے یا لڑکی کے لیے ہوتا ہے وہ بڑا ہوتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ مشین و باوقعت بنادیا جاتا ہے۔

اسی اثنا میں اگر محرم آگیا تو جو دونوں جانب سے اہتمام اور تکلف کے ساتھ گوٹا الا ئچیاں چکنی ڈلی اور اعلی درجے کے کارچوبی اور ریشمی بٹوے سمدھیانے بھیجے جاتے ہیں۔

نکاح کے دن سے چند روز پہلے دلہن مانجھے میں بٹھادی جاتی ہے کہ جبکہ اسے مانجھے کا زرد جوڑا پہنایا جاتا ہے اس وقت سے روز اس کے بٹنا لگتا ہے اور یہ او بجز خاص ضرورتوں کے پردے سے باہر نہیں نکلتی۔

جس دن وہ مانجھے بیٹھتی ہے اسی روز رسم ہے کہ اس کا جھوٹا بٹنا ا، س کی جھوٹی مہندی، مصری کا کوزہ اور بہت سی پینڈ یا ایک شاندار جلوس کے ساتھ بھیجی جاتی ہیں جو پنڈیاں خاص دولہے کے لئے ہوتی ہیں اور جدا گانہ خانوں میں ممتاز محسوس ہوتی ہے انہیں کے ساتھ دولھا کیلئے امانجھے کا زرد بھاری جوڑا ایک رنگی ہوئی منقش چوکی اور لوٹا کٹورا بھی ہوتا ہے لوٹا کٹورا چوکی کے پڑناڑے سے کس کے باندھ دیے جاتے

ہیں اور جلوس میں یہ چیزیں اس ترتیب سے ہوتی ہیں کہ باجے والوں اور جلوس کے بعد سب کے آگے چوکی ہوتی ہے۔

اس کے بعد خوانوں میں دولہا کی مخصوص چیزیں ہوتی ہیں جو عموماً کچے طباقوں میں رکھی ہوتی ہے اور ان کے بعد بہت سے خوانوں میں عام قسم کی پنڈیاں ہوتی ہیں دلہن کی چھوٹی بہنیں اور ڈومنیاں، فینس اور ڈولیوں پر سوار ہو کے جاتی ہیں، دولہا کے گھر پہنچ کر ایک پینڈی اور مصری کے ساتھ ساتھ ٹکڑے کر کے کو سب ٹکڑے دولہا کو ڈھکا ڈھکا کر کھلاتی ہیں۔

اس رسم کی نسبت قیاس کیا جاتا ہے کہ خالص ہندی رسمی ہے جس کو نہ عرب سے تعلق ہے نہ عجم سے اس لیے مانجھے اور اس کے ساتھ کنگنے کی ابتدا ہندوستان کے سوا اور کسی جگہ نہیں ثابت ہوتی۔

مانجھے کے دس بارہ روز سے زیادہ زمانہ گزرنے کے بعد اسی شان و شوکت اور جلوس کے ساتھ دولہا کے گھر سے دلہن کے ہاں ساچق جاتی ہے ساچق ترکی لفظ اور ترکی رسم ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مغل اس رسم کو اپنے ساتھ ہندوستان میں لائے اس میں دولہا دلہن کے لئے چڑھاوے کا جوڑا جاتا ہے جو عموماً بہت بھاری اور کارچوبی ہوتا ہے۔اس کے ساتھ دلہن کے لیے سنہری مقیش کا سہرا چاندی کا چھلہ ،سونے کی انگوٹھی، دو یک اور چیزیں ہوا کرتی ہیں۔

اور وہ زیور ہوتا ہے جس کو پہنا کر وہ رخصت کی جائے گی۔اور پھولوں کا کہنا ہوتا ہے جوڑے کے ساتھ شکر کی نقل، شکر کے قرص،اور میواجات جاتا ہے،سانچق کے لئے خاص اہتمام سے منقش اور رنگین گھڑے تیار کرائے جاتے ہیں۔

پھر بانس اور کاغذ کے رنگا رنگ تختوں میں چار چار گھڑے لگا کے چوگھڑے بنا دیئے جاتے ہیں اور دولت مندی وامارت کی شان کے مناسب گھڑوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور اکثر سو سو دو دو سو کے شمار کو پہنچ جاتے ہیں۔

گران کے اندر چند گنتی کے نقلوں یا پاؤ آدھ سیر شکر کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ان کے منہگھڑوں پر عموماسوہے کا کپڑا ناڑے سے باندھا ہوتا ہے۔اور جلوس میں ان سب گھڑوں کے آگے چاندی کی ایک دہی کی مٹکی رہتی ہے۔ جس میں دہی بھرا ہوتا ہے اور اس کے منہ پر بھی سوہا ناڑے س باندھ دیا جاتا ہے۔اور اس کے گلے میں مبارک فالی کے لئے دو ایک مچھلیاں بھی بندھی ہوتی ہیں۔ یہ چیزیں جب دلہن کے گھر پہنچتی ہیں تو ایک اعزہ واقارب میں تقسیم ہوتی ہیں۔

سانچق کے دوسرے ہی روز سب کو دلہن کے گھر سے بڑے جلوس اور روشنی کے ساتھ مہندی جاتی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ غالبا یا عربی الاصل رسم ہے۔اس میں دراصل دلہن والوں کی طرف سے دولہے کے لئے وہ جوڑا جاتا ہے جسے پہن کر وہ بیاہنے کو آئے گا۔اس جوڑے میں علی العموم قدیم عہد مغلیہ کے درباری وضع کی خلعت، شملہ ،جیغہ ، سر پیچ اور مرصع کلغی ہوتی ہے۔

نصیب ہوا تو اس کے ساتھ موتیوں کا ہار بھی بھیجا جاتا ہے۔ مذکورہ چیزوں کے علاوہ ریشمی پاجامہ اور جوتا وغیرہ معمولی چیزیں بھی ہوتی ہیں۔ اکثر ایک طلائی انگوٹھی بھی جاتی ہے۔ اس جوڑے کے ساتھ دولہا کے لگانے کے لیے پسی بھی تیار مہدی بھی بھیجی جاتی ہے۔ جس کو بہت سے طباق میں پھیلا کے رکھتے ہیں اور اس میں سبز سرخ شمعوں کو نصب کر کے روشن کر دیتے ہیں۔

اس طرح کے مہندی کے بہت سے طبق روشن ہوتے ہیں۔ جو مہندی کے جلوس میں ایک خاص شان اور آن بان پیدا کر دیتے ہیں۔ مہندی کے ان روشن طباقوں کے ساتھ سو پچاس طباقوں میں ملیدہ بھی ہوتا ہے جو خرموں کو کوٹ کے بنایا جاتا ہے۔ اور جیسی حیثیت ہوتی ہے اسی کے مناسب کثرت سے بھیجا جاتا ہے۔ اس موقع پر جوڑے کے ساتھ دولہا کے لئے سونے کا سہرا بھی بھیجا جاتا ہے۔ مہندی کے دوسرے دن دلہا کی طرف سے برات جاتی ہے برات جانے کا اگلا ضروری وقت رات ہے۔ یعنی تین بجے سب کا تھا لیکن اب یہ وقت اکثر چھوٹتا جاتا ہے اور بجائے پہر رات رہے کے، دن چڑھے جانے لگی ہے۔

اس تاخیر کی ابتدا واجد علی شاہ آخری بادشاہ اودھ کے زمانے سے ہوئی۔ ان کی برات جانے میں دیر ہوگئی اور دن نکل آیا تھا۔ لوگوں نے آسانی اور روشنی کے سامان کی تخفیف کے خیال سے اسی وقت کو اختیار کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اب عموما ابتدائے روز سے برات جاتی ہے اور دوپہر کو عقد ہو جاتا ہے۔

برات میں حتی الامکان پورا جلوس جمع کیا جاتا ہے۔ مروجہ تین باجے یعنی پرانا ڈھول تاشا، اور جھانجیں، روشن چوکی اور ارگن باجا ضرور ہوتے ہیں۔ اس سے ترقی ہوئی تو گھوڑوں پر نوبت نقارہ

جھنڈیاں ہاتھی اونٹ گھوڑے اور اس سے بھی زیادہ حوصلہ ہوا تو انہیں باجوں کے متعدد گروہ بڑھا دیے جاتے ہیں۔

دولہا وہی جوڑا پہن کر جو مہندی کے ساتھ آیا تھا اور سہرا باندھ کے علی العموم گھوڑے پر اور اعلی طبقے کے امرا کے یہاں ہاتھی پر سوار ہوتے سارے جلوس اور باجوں کے پیچھے آہستہ آہستہ زینت و قار سے روانہ ہوتے ہیں۔ "نوشہ "یعنی نیا بادشاہ کہتے ہیں۔ اور خیال بھی یہی ہے کہ دولھا ایک دن کیلئے بادشاہ بنادیا جاتا ہے۔ مگر غور طلب امر یہ ہے کہ جب دولھا کو بادشاہ بناتے ہیں تو اس کے سر پر شملہ کیوں ہوتا ہے ؟تاج کیوں نہیں پنہاتے ؟اس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے ہندوستان میں مسلمان سر پر آراتاج نہیں پہنتے تھے بلکہ سب کے سروں پر کلغی دار شملے ہوتے تھے۔

انگریزوں نے غازی الدین حیدر کے زمانے سے شاہان اودھ کو تاج بنادیا مگر وطنی سوسائٹی نے اس بات کو قبول نہیں کیا اور اپنے بادشاہوں کی وضع وہی رکھی جو پرانی تھی اور اسی نمونے کا بادشاہ اپنے نو شاہوں کو بناتے ہیں۔ دولہا کے پیچھے فینسوں اور ڈولیوں میں سوار دولھا کی ماں، بہنیں اور عزیز و قریب عورتوں اور ڈومنیاں ہوتی ہیں۔ چلتے وقت گھر میں جو صدہا رسمیں اور ٹوٹکے ہوتے ہیں، بہت ہیں۔ اور لغو ہونے کی وجہ سے زیادہ تر قابل لحاظ بھی نہیں۔

اس شان سے جب برات دلہن کے گھر پہنچتی ہے تو عموما اس وقت دلہن نہلائی جا چکی ہوتی ہے۔ اور اس کے غسل کا پانی باہر لا کے دولہا کی سواری کے گھوڑے یا ہاتھی کے پاؤں کے نیچے ڈال دیا جاتا

ہے۔ دلہن کو یہ غسل 7 دن کے باسی ٹھنڈے پانی سے دیا جاتا ہے جو کلس کا پانی کہلاتا ہے۔ اور جاڑوں کے موسم میں غریب دلہن کے لیے اس پانی میں نہانا قیامت سے کم نہیں ہوتا۔ چوکی پر پان بچھا کے وہ نہلائی جاتی ہے اور یہی پان اس 21 پان والے بیڑے میں شامل ہوتے ہیں جو سب سے پہلے سسرال میں کھلایا جاتا ہے۔

اب دولہا سواری سے اتر کے زنانے میں جاتا ہے وہاں رسی ننگھائی جاتی ہے اور طرح طرح کی بیسویں اور رسمیں عمل میں آتی ہیں جو ہر گروہ اور ہر خاندان میں جدا جدا اور عجیب و غریب ہوتی ہیں۔

یہ وقت علی العموم وہ ہوتا ہے جب دلہن نہا تو چکی ہوتی ہے مگر ابھی کپڑے نہیں بنائے گئے ہوتے ہیں وہ ایک چادر میں لپٹی ہوتی ہے اور اس کے ہاتھ پر مصری رکھ کے دولہا کو کھلائی جاتی ہے۔ جس میں سالی یا زندہ دل عورتیں اور ڈومنیاں قیدیں بڑھا بڑھا کے دولھا کے لیے ہر کام مشکل کر دیتی ہیں۔

شادی کی یہ پہلی ہفت خواں طے کر کے دولہا باہر مردان میں آتا ہے جہاں بزم نشاط مرتب ہوتی ہے، آعزہ و احباب پر تکلف کپڑے پہنے قرینے سے صاف ستھری دری، چاندنی اور قالینوں کے فرش پر بیٹھے ہوتے ہیں اور سامنے مردانہ یا زنانہ طائفہ کھڑا مجرا کرتا ہوتا ہے۔

صدر مقام پر دولہا کیلئے زرنگار مسند تکیہ ہوتا ہے۔ جس پر دولھا کے ہم عمر لڑکے ہوتے ہیں۔ تاکہ ان کے ساتھ آزادی سے باتیں کر سکیں۔ دولہا کے لئے لازم ہے کہ اپنے ہر وضع، ہر حرکت سے شرمیلا پن ظاہر کرے۔ وہ نہ تو بے تکلف باتیں کر سکتا ہے نہ کوئی اس کی آواز سن سکتا ہے نہ کسی سے وہ

بے تکلفی سے مل جل سکتا ہے۔ منہ پر سہرا ہوتا ہے اور پھر سونے کے سہرے پر پھولوں کا سہرا باندھ کے اس قابل نہیں رکھا جاتا کہ کوئی بغیر کوشش اور دیر تک کی محنت کے اس کی صورت کو دیکھ سکے۔

محفل نشاط میں بیٹھنے بلکہ اکثر عقد ہو جانے کے بعد سہرا اٹھا کے شملہ میں لپیٹ دیا جاتا ہے۔ مگر ابھی اس کے لئے لازم ہے کہ ایک ہاتھ سے منہ پر رومال رکھے رہے جو اظہار شرم کی ایک علامت ہے اور اب چہرہ کھولنے کے بعد بھی اس رومال کی وجہ سے اس کی صورت دیکھنے کے شائقین کو بغیر دیر تک اس فکر میں لگے رہنے کے کامیابی نہیں ہو سکتی۔

دولہا کے باہر آکر تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد عقد نکاح کا انتظام ہوتا ہے۔ جس کے لیے سب بکھڑا کیا گیا ہے۔ اگر شیعہ خاندانوں کی شادی ہے تو دو مجتہد صاحب تشریف لاتے ہیں۔ ایک لڑکے کے نائب اور دوسرے لڑکی کے نائب وو کیل بن کے۔ لڑکی والے خود پردے کے پاس جا کے عادل شاہدوں سے تصدیق فرما کے لڑکی کی شرعی مختاری حاصل کرتے ہیں اور اس کے بعد دونوں دولہا کے سامنے بیٹھ کے دولہن کی جانب سے قرأۃ و صحت مخارج سے ایجاب و قبول کے صیغے ادا کرتے ہیں۔

اور اگر خاندان سنی ہے تو کوئی محترم مولوی صاحب اگر کوئی کانوں ہوا تو وہاں کے مقرر خاندانی قاضی صاحب آکے نکاح پڑھاتے ہیں۔ جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکی کے عزیزوں میں سے کوئی صاحب اس کے وکیل اور مختار بن کے آتے ہیں اور وہ شاہدوں کو پیش کرتے ہیں۔ کہ فلاں لڑکی نے مجھے

اپنا وکیل ان دونوں شاہدوں کے سامنے مقرر کیا اور مجھے اپنے عقد کا اختیار دیا۔ قاضی صاحب ان شاہدوں پر اطمینان کر کے اور مقدار مہر کو وکیل صاحب سے دریافت کر کے دولہا کو کلمہ شہادت پڑھاتے ہیں۔

مسلمان کے لئے جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے اس کا عربی میں اقرار کراتے اور اس کے بعد تین بار اس سے یہ کہے کہ فلاں لڑکی کے ساتھ اتنے مہر پر ہم نے تمہارا عقد نکاح کر دیا دولہا سے اقرار کرتے ہیں کہ " میں نے قبول کیا"اس کے بعد ایک دعائیہ خطبہ پڑھ کے وگوں سے کہتے ہیں" مبارک" ساتھ ہی مبارک سلامت کا غل ہوتا ہے۔ نقل اور چھوارے جو سینیوں میں بھرے سامنے رکھے ہوتے ہیں ان کو حاضرین میں لٹا دیتے ہیں۔

مجتہد یا مولوی صاحب کے آنے کے وقت گانا موقوف ہو جاتا ہے اور بعد عقد مولوی صاحب چلے جاتے ہیں تو پھر رقص و سرود کی محفل گرم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد دولہا پھر اندر زنانے میں بلایا جاتا ہے۔

عورتوں کی دنیا میں رسوم اور شرائط عقد کے اصلی لوازم کے بجالانے کا خاص یہی وقت ہے۔ زنانے میں اس موقع پر رسوم نکاح کے ضمن میں دولہا کے ساتھ ہر قسم کا تمسخر کیا جاتا ہے اور اس کے پریشان کرنے میں کوئی کارروائی اٹھائیں نہیں رکھی جاتی۔ ان تمام رسوم کی بجا لانے والی سالی اور ڈومنیاں ہوتی ہیں۔

درحقیقت ناکتخدا جوانوں کے لئے شادی ایک پر اسرار لاج (فرامشن خانہ) ہے جس میں بیسیوں ایسے مراحل پیش آتے ہیں جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ دولہن اوڑھ لپیٹ کے ایک غیر متحرک گٹھری کی طرح اس کے سامنے لاکے رکھ دی جاتی ہے۔اور ابھی تک اس سے رخصتی کا جوڑا نہیں پہنایا گیا ہوتا ہے۔ لاتے وقت کوشش کی جاتی ہے کہ پہلی آمد میں دلہن کی ایک لات دولہا کے پڑ جائے۔ پھر تونے گائے جاتے ہیں۔

دولہا سے بیوی کی غلامی، ذلیل ترین غلامی اور خدا جانے کیسے کیسے خدمت بجالانے کا اقرار کرایا اور وعدہ لیا جاتا ہے۔اس کے بعد آرسی مصحف کی رسم دہ ہوتی ہے۔اس کے لیے دولہا دلہن کے درمیان رحل پر قرآن شریف اور اس پر آئینہ رکھا جاتا ہے اور اس آئینے میں دولہا دلہن کا پہلا جلوہ دکھایا جاتا ہے۔ مگر لازم ہے کہ چہرہ دیکھنے سے پہلے دولہا سورہ اخلاص پڑھ لے۔

اس جلوے میں دلھن آنکھ بند کیے رہتی ہے۔ عورتیں اسے آنکھ کھولنے کے لئے طرح طرح کی التجائیں کراتی ہیں اور اسی سلسلے میں ہر قسم کی اطاعت و غلامی کا اس سے اقرار کرالیتی ہیں۔ بڑی مشکلوں اور خوشامدوں کے بعد دلہن آنکھ کھول کے ایک نظر دیکھتی پھر آنکھ بند کرلیتی ہے اور اسی پر رسوم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اب دولھا باہر رخصت کر دیا جاتا ہے تو دلہن کو کپڑے پہنائے جائیں، زیور پہنایا جائیں۔ بنائیں بنائی سنواری اور سسرال جانے کے لئے تیاری کی جائے۔ اس وقت ڈومنیاں بابل یعنی رخصتی کا نغمہ جاں گداز گاتی ہیں اور خوشی کا گھر ماتم کدہ بن جاتا ہے۔

جب دلہن بنا چنا کے تیار کر دی جاتی ہے اس وقت میکے کے تمام عزیز دوست اور سب ملنے والے رورو کے دلہن کو رخصت کرتے اور جو کچھ توفیق ہو روپیہ یا زیور سے دیتے ہیں۔ اسی اثنا میں جہیز کا سامان نکالا جاتا ہے۔ اسکی فرد لا کے دولہا والوں کے سامنے پیش کر دی جاتی ہے۔ جس میں وہ تمام زیور ,جوڑے, ظروف، پلنگ اور چوکیاں اور جو کچھ چیزیں دی جائیں درج ہوتی ہیں۔ تمام چیزوں کی فہرست سے مقابلہ کر لیا جاتا ہے اور اب دلھن رخصت ہونے کے لیے بالکل تیار ہوتی ہے۔

اس کا لباس کوئی بھاری کام دار جوڑا نہیں ہوتا ہے بلکہ ایک سوہے یعنی ٹول پر کی تنزیب کا کرتا اور سادہ ریشمی پاجامہ پہنے ہوتی ہے۔ اور ان میں سادگی کا کس قدر لحاظ رہتا ہے کہ گوٹھ تک نہیں لگائی جاتی۔ اور ناڑے کا ازار بند پڑا ہوتا ہے۔ اس کے سنگھار اور کپڑے پنھانے کے وقت ڈومنیاں " بابل "یعنی میں کا چھوٹنے کا راگ گاتی رہتی ہیں۔ جو نہایت ہی پر حسرت اور جگر گداز ہوتا ہے۔

ایک عجیب رنج والم کا سماں بندھ جاتا ہے۔ ہر شخص ملول و حزیں ہوتا ہے۔ تمام اعزہ، ملنے والے اور خاندان کے دوست ،احباب، مل مل کے اور سوز و گداز کے الفاظ کے ساتھ لڑکی کو رخصت کرتے ہیں۔ وہ خود زار و قطار روتی ہوئی ہے اور فینس ڈیوڑھی میں لگا دی جاتی ہے۔

اس وقت دولہا اندر بلایا جاتا ہے کہ وہ آکے اپنی دلھن کو لے جائے۔ وہ آتا اور دلھن کو اپنی گود میں اٹھا کے فینس میں بٹھا دیتا ہے۔ رخصت سے پہلے زنانے میں دولہا کو سلام کرائی دی جاتی ہے۔ اور تمام اقارب، دوست، احباب بقدر حیثیت دیتے ہیں۔ اسی وقت باہر شربت پلائی ہوتی ہے۔ جس میں شربت کا کنڑ اور گلاس فقط رسم کے طور پر لایا جاتا ہے۔ پیتا کوئی نہیں، مگر تمام حاضرین محفل شربت کی تھالی میں حسب حیثیت و توفیق روپیہ ڈالتے ہیں۔ اور اس طرح اندر باہر جو کچھ روپیہ سلام کرائی اور شربت پلائی میں جمع ہوتا ہے دولہا کو دے دیا جاتا ہے۔

اب برات اسی انداز اور اسی شان و شوکت سے دولہا کے گھر کی طرف واپس روانہ ہوتی ہے۔ واپسی کے اس جلوس میں جو اضافہ ہوتا ہے اس میں سب سے پہلے دلہن کی فینس جو دولہا کے گھوڑے کے آگے رہتی ہے اور نہایت ہی ممتاز ہوتی ہے۔ پر تکلف چھٹکا پڑا ہوتا ہے دونوں جانب کہاریاں جھٹکے کو پکڑے ہوئے ساتھ رہتی ہیں۔ ارد گرد دولہا کے ملازموں کا مخصوص لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔ اور دولہا کے بعد پھر اور سب ساتھ والی عورتوں کی فینسیں رہتی ہیں۔

سب سے زیادہ نمایاں چیز اس جلوس میں جہیز کا سامان ہوتا ہے۔ یہ سب سامان سارے جلوس اور باجے والوں کے پیچھے اور دلہن کی فینس کے آگے اس ترتیب سے جاتا ہے کہ تانبے کا ایک برتن ایک ایک چنگیزی رکھا ہوتا ہے اور ایک مزدور کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ چینی اور شیشے کے ظروف کشتیوں میں لگے ہوتے ہیں۔ ان کے بعد صندوق وغیرہ ہوتے ہیں۔ جن میں دولہا کے جوڑے ہوتے ہیں ان کے بعد پلنگ ہوتا ہے جس میں ریشمی توسک، لحاف تکیے، چادر، سب سامان تیار موجود ہوتا ہے۔ اور بچھونا ریشمی

ڈوریوں سے پایوں میں بندھا ہوتا ہے اور ڈوریوں کے دونوں سروں پر خاص وضع کی نقرئی گتھے لٹکے ہوتے ہیں۔

لڑکی کو معاشرت کا تمام سامان دیا جاتا ہے آئینہ، کنگھا، سنگھار کی ضروری چیزیں تیل، عطر اور اگر اسطاعت ہو تو چاندی کا پاندان خاصدان، لوٹا، کٹورا اور چیزیں دی جاتی ہیں۔ بہر حال یہ سب سامان باجوں اور برات کے جلوس اور دولھا کے درمیان میں رہتا ہے اور کھانے کی دیگیں ہوتی ہیں۔ سب کے پیچھے ڈولیوں پر کھانے کی دیغیں ہوتی ہیں یہ پھوڑے کا کھانا کھلاتا ہے۔ جس کو عموما لڑکی والے دولہا کو دیتے ہیں۔

اسی شان سے جب برات دولھا کے گھر پہنچتی ہے تو خوشی کے شادیانے بجتے ہیں۔ ڈومنیاں پہلے سے پہنچ کر بنڑے گانا شروع کرتی ہیں یا پہلے سے پہلے گانا شروع کرت ہیں جو خاص شادی کے گیت ہیں۔ اور اس مبارک سلامت کے زور شور میں دلہن اتاری جاتی ہے۔

بعض خاندانوں میں یہاں بھی اسے دولہا ہی گود میں لے کر اتارتا ہے۔ اور بعض گھرانوں میں دولہا کی ماں، بہنیں آ کے اتارتی ہیں۔ اندر اسے لے جا کر بٹھاتے ہیں۔ اس کے دامن پر نماز شکرانہ پڑھائی جاتی ہے۔ دلھن کے پاوں دھلا کے، پانی مکان کے چاروں طرف ڈال دیا جاتا ہے۔ رونمائی ہوتی ہے، جس میں تمام عورتیں اور عزیز مردجی کھول کھول کے روپیا یس زیور دیتے ہیں اور منھ کھول کھول کے اس کی صورت دیکھتے ہیں۔

اس نئے گھر میں یہ پہلی رات دلہن کے لیے نہایت سخت پابندیوں اور شرمیلے پن سے بسر کرنے کی رات ہوتی ہے۔ نہ وہ کسی سے بول سکتی ہے نہ باتیں کرسکتی ہے، نہ کسی کو آنکھ بھر کے دیکھ سکتی ہے سوا میکے کے ساتھ والیوں کے اور کسی سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اور اسی مصیبت سے بچانے کے لئے صبح ہوتے ہیں اس کا بھائی یا اور کوئی رشتہ دار چوتھی لینے کو آپہنچتا ہے اور جہاں تک بنتا ہے سویرے ہی سوار کرا لے جاتا ہے۔

اس مرتبہ بھی دلہن اگرچہ امتیاز اور شان سے جاتی ہے مگر جلوس اور باجے کی ضرورت نہیں۔ دولہا بھی دلہن کے ساتھ جاتا ہے اور اس کے ساتھ سات طرح کی ترکاریاں اور سات قسم کی مٹھائیاں جاتی ہیں۔ دن گزر کے، اسی رات کو دلہن کے گھر میں چوتھی کھیلی جاتی ہے۔ دلہن کو وہ "بر" کا جوڑا اتار کے چڑھاوے کا جوڑا ابنھایا جاتا ہے جو سب جوڑوں سے زیادہ بھاری کام دار اور نہایت ہی پر تکلف ہوتا ہے۔ یہ جوڑا پہنا کے اس کا خوب بناؤ چناؤ کیا جاتا ہے۔ دولھا کی طرف سے اس کی بہنیں اور رشتہ دار عورتیں بھی آجاتی ہیں۔ اور اس مجمع میں دولہا دلہن مٹھائی سے اور دولہا کیساتھ والیاں اور دلہن والیاں ترکاری اور پھولوں کی چھڑیوں سے باہم لڑتی ہیں یعنی مٹھائی اور ترکاریاں ایک دوسرے سے کے کھینچ کھینچ کے مارتی اور چھڑیوں کے ہاتھ رسید کرتی ہیں۔ کبھی دل لگی دل لگی میں لڑائی بھی تیز ہو جاتی ہے اور بعض عورتیں خفیف سی چوٹ بھی کھا جاتی ہیں۔

چوتھی کے دو چار روز بعد پھر دلہن دولہا کے گھر میں آتی ہے اور اس کے علی العموم چار چالے ہوا کرتے ہیں۔ چالے کا لفظ چال اور چلنے سے نکلا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دلہن اپنی سسرال سے بلائے جاتی

ہے مگر یہ بلانا خود اس کے میکے میں نہیں بلکہ میکے والیوں میں ہوتا ہے۔ یعنی اس کی خالائیں، پھوپھیاں، ممانیاں ہمت کر کے باری باری اسے اپنے ہاں بلاتی ہیں جہاں وہ مع دولھا کے جاتی ہے اور اس نئے جوڑے کے رکھ رکھاؤ کے لیے خاص اہتمام اور انتظام کیا جاتا ہے۔ فقط ایک رات دن دولہا دلہن مہمان رہتے ہیں اور رخصت کرتے وقت انہیں جوڑا اسلام کرائی اور زیور وغیرہ بقدر ہمت و استطاعت دیے جاتے ہیں۔

یہ تھی لکھنؤ والوں کی شادی جس کی بہت سی رسموں کو چھوڑ کر اس کا ایک اجمالی خاکہ ناظرین دلگداز کو دکھا دیا گیا۔ دیہات والوں کی شادی کا طریقہ بہ جز عقد نکاح کے، اور تمام باتوں میں بدلہ ہوا ہے۔ وہاں بھی مانجھا ہوتا ہے مگر دولہا کے لئے مانجھے کا ذرد جوڑا اس کی بہنیں اور عزیز عورتیں لاتی ہیں اور۔ دلہن کے گھر سے دھوم دھام اور جلوس اور باجے کے ساتھ مانجھا نہیں آتا نہیں۔ نہ دولھا کے یہاں سے ساچق آتی ہے۔ اور نہ دلہن کے گھر سے مہندی آتی ہے۔ بلکہ ساچق اور مہندی کا مقصد برات ہی کے دن ایک اور طریقے سے پورا ہو جاتا ہے۔

اور یہ کہ برات جب دلہن کے وہاں پہنچتی ہے تو اس کے مکان سے ذرا فاصلے پر ٹھہر جاتی ہے۔ وہاں سے پہلے بجائے ساچق کے "بری" کے نام سے دلہن کا جوڑا اور اس کے ساتھ اور بہت سے جوڑے اور سہاگ کی چیزیں جو ضروری سمجھی جاتی ہیں کچھ شکر، کچھ کھیلیں خوانوں میں لگا کے باجے کے ساتھ دلہن کے دروازے پر بھیجی جاتی ہیں۔ دولہا کے اعزہ و احباب ساتھ جاتے ہیں جو ان سب چیزوں کو دلہن والوں کو علانیہ دکھاتے اور ان کے سپرد کرتے، شربت پینے کے بعد واپس آتے ہیں۔ اس کے تھوڑی دیر بعد اسی طریقے سے دلہن کی طرف سے بری آتی ہے، جس میں دولھے کا جوڑا ہوتا ہے۔ یہ " بری

"دیہاتیوں میں مہندی کی قائم مقام ہے۔ اس کے بعد وہ جوڑا پہن کے جس میں جامہ، نیمہ، پگڑی ،مقنع، سہرا، پھولوں کی بدھیاں اور جوتا وغیرہ ہوتا ہے روانہ ہوتا ہے۔

اب برات دلہن کے دروازے پر جاتی اور اس مقام پر ٹھہرتی ہے جو محفل نکاح کے لیے منتخب کیا گیا ہو۔ یہاں رات بھر نغمہ و سرود اور ناچ گانے کی محفل گرم رہتی ہے۔ بجز اس وقت کہ جب قاضی صاحب آ کے نکاح پڑھائیں۔ نکاح کا وہی طریقہ ہے جو شہر والوں میں بیان کیا گیا ہے۔ عقد کے بعد لڑکی والے برات کا کھانا دیتے ہیں۔ شہر میں بجز بھوڑے کے کھانے کے برات کو کھانا دینا لازمی نہیں ہے۔ بلکہ دولہا خود کھلا پلا کے لے جاتا ہے۔ مگر دیہات میں لڑکی والوں کا اہم ترین فرض برات کو کھلانا ہے، جس میں ذرا بھی کمی رہ جائے تو ان کے خیال میں برادری میں ناک کٹ جاتی ہے۔

یہاں کھانا پورا تورا ہوتا ہے۔ جس میں پلاؤ، زردہ، قورمہ، خمیری روٹیاں، شیرمال لازم ہیں۔اور ہر ادنا و اعلا کو بلا استثناء اور امتیاز پورا تورا دیا جاتا ہے۔ کھانا لیتے وقت بے شرمی سے چھوٹی چیونٹی کے لیے کھانا مانگتے ہیں۔ گھوڑوں اور بیلوں کے لیے دانہ چارہ ضرورت سے بہت زیادہ طلب کرتے ہیں اور لڑکی والوں پر فرض ہے کہ زبان سے نہیں نہ نکلے کسی چیز کے دینے سے انکار کیا اور آبرو خاک میں مل گئیں اور سب کیا دھرا برباد ہو گیا۔ اس کے بعد رخصتی اور واپسی کا قریب قریب وہی طریقہ ہے جو شہر والوں میں ہے۔ہاں ایک رواج یہ بھی ہے کہ دیہات میں برات کے ساتھ عورتیں نہیں جاتی اور نہ دلہن کے ساتھ کوئی معزز خاتون آتی ہے دائی اور خادمہ کی حیثیت سے دو ایک ادنی درجے کے عورتیں البتہ چلی جاتی یہیں۔

سوا اس کے دیہات میں دلہن پر بھی بہت زیادہ سختیاں ہوتی ہیں۔اس کا فرض ہے کہ چوتھی میں واپس آنے کے گھڑی تک سسرال میں جس طرح رکھ دی جائے رکھی رہے۔نہ پیشاب پاخانہ کو جائے نہ بولے نہ چہرے پر سے ہاتھ اٹھائے اور نہ آنکھیں کھولے۔اس لئے یہ سب باتیں بے حیائی و بے شرمی میں داخل ہیں اور اس اندیشے سے کہ دلہن کو سسرال میں جا کے پاخانہ پیشاب کی ضرورت نہ پیش آئے، دو دن پہلے سے اس کا کھانا پانی بند کر دیا جاتا ہے اور زیادہ مصیبت یہ ہے کہ دیہات کے دلہن اکثر دوسرے گاؤں میں بیاہ جاتی ہیں اور آمد و رفت میں دو دو تین تین منزلیں طے کرنا ہوتی ہیں۔ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں دلہن بیچاری پر کیسی سخت مصیبتیں گزرتی ہوں گی۔

دیہات میں سانچق اور مہندی کے ترک ہو جانے اور برات کھلانے میں سختیاں ہونے کی وجہ غالبا یہ ہے کہ زیادہ تر برات سفر کر کے ایک بستی سے دوسری بستی میں جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ ایک دن ایک جلوس یہاں سے جائے اور دوسرے دن دوسرا جلوس وہاں سے یہاں آئے اور پھر تیسرے روز برات روانہ ہو علیٰ ہذاالقیاس براتیوں کو گو کہ دولہا اکثر اپنے گھر سے کھلا کے لے جاتا ہے مگر لڑکی والے کے گھر پہنچتے پہنچتے سارے براتی بھوکے بنگالی ہوتے ہیں اور کنگلوں کی سی شان دکھانے لگتے ہیں۔(1)

(1) گزشتہ لکھنو عبدالحلیم شرر لکھنوی صفحہ 384تا398

دسویں صدی کے فقہاء ہند

شیخ احمد بن زین الدین جونپوری

شیخ احمد بن زین برونوی جونپوری، جونپور کے نواح میں ایک مقام "برونہ" کے رہنے والے تھے، صالح عالم دین اور فقیہ عصر تھے۔ بہت ہی نیک اور پرہیزگار تھے شیخ معروف بن عبدالوسع جونپوری کے شاگرد تھے ،اور شیخ معروف مولانا اللہ داد کے تلمیذ و مرید تھے، جو مدرک التنزیل ،ہدایہ، کافیہ اور شافیہ کے شارح تھے۔ شیخ احمد نے اخذ طریقت بھی شیخ معروف سے کیا اور لمبی مدت تک ان سے وابستہ رہے یہاں تک کہ مرتبہ کمال کو پہنچے۔

اکثر علوم مروجہ میں ماہر تھے متبع شریعت مطہرہ زہد و قانع بزرگ تھے۔احتیاط کا یہ عالم تھا کہ لوگوں کے تحائف وہدایا قبول نہ کرتے اور اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔ان کے شیخ نے کچھ رقم دی تھی اس سے تجارت کرتے اور جو نفع حاصل ہوتا،اس سے گزر بسر کرتے تھے۔ان کے یہ اقوال مشہور ہیں۔

"فقراء سے وابسطہ رہو، خیر ان ہی میں ہے"

"امور دینیہ میں سوال اس لئے کہ حق ان ہی کے ساتھ ہے۔"

یکم جمادی الاخریٰ ۹٦۳ھ کو برونہ میں انتقال کیا۔

شیخ احمد بن ضیاء الدین مندوی

شیخ احمد بن ضیاء الدین حسینی مندوی، مشہور عالم وفیقہ تھے،اور تصوف وطریقت سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ سراج العاشقین کے لقب سے مشہور تھے۔ شیخ سلیمان بن عفان مندوی کے فیض یافتہ تھے۔ عابد وزاہد، قلیل الطعام، قلیل النوم،راضی برضائے الٰہی اور متوکل علی اللہ تھے ۲۹ محرم ۹۸۸ھ کو فوت ہو ئے۔

شیخ احمد بن عبد القدوس گنگوہی

شیخ احمد بن عبد القدوس گنگوہی حنفی المسلک وسلوک سے سے بھی گہرو لگاؤ تھااور مشہور مشائخ وقت میں سے گردانے جاتے تھے۔اپنے والد بزرگ وار شیخ عبد القدوس گنگوہی کے فیض یافتہ تھے، سماعِ غنا،اثبات وحدۃ الوجود سے متعلق انہوں نے الگ الگ رسالے تصنیف کئے۔ لیکن ان مسائل میں ان کے بیٹے شیخ عبد الغنی محدث گنگوہی صدر الصدور نے ان کی مخالفت کی اور حرمت سماع ایک رسالہ تصنیف کیا، جس میں اپنے والد اور شیخ عبد القدوس گنگوہی کے مسلک کی سخت تردید کی۔

اس پر شیخ عبد القدوس نے ان کو گھر سے نکال دیا اور وہ دہلی چلے گئے۔ بادشاہ ہند جلال الدین اکبر کو ان کی علمی رفعت کا پتہ چلا تو اس نے ان کو ہندی کی وزارت عظمیٰ پر متمکن کیا اور صدر الصدور کے منصب سے نوازا۔ شیخ احمد بن عبد القدوس نے ۹۷۲ھ میں وفات پائی۔

شیخ احمد بن عبد الملک لاہوری

شیخ احمد بن عبد الملک لاہوری فقہی مسلک کے اعتبار سے حنفی تھے۔ نہایت فاضل آدمی تھے اور حدیث فقہ کے ماہرین میں سے تھے۔ بعض درسی کتابیں شیخ منصور لاہوری سے پڑھیں اور امہات الکتب کے لئے شیخ عبد اللہ بن شمس الدین سلطانپوری کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور ان ہی کے ساتھ لاہور آئے اور پھر یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ سراپا فقر، فنا فی اللہ، پیکر زہد اور بدرجہ غایت پابند شریعت تھے۔ ہمیشہ تدریس و افتادہ میں مصروف رہے۔ جمعہ کے روز محرم ۹۶۶ھ کو فوت ہوئے۔

شیخ احمد بن مجد الدین شیبانی

شیخ احمد بن مجد الدین بن تاج الدین شیبانی نار نولی، امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیابانی کے نسل سے تھے۔ نار نول میں پیدا ہوئے اور وہیں پر پرورش پائی۔ شیخ حسن بن خالد نو گوری اور شیخ بایزید بن قیام الدین اجمیری سے تحصیل علم کی اور عرصہ تک ان کی صحبت و ملازمت میں رہے۔ شیخ وقت اور بہت بڑے عالم تھے۔

کتابوں پر عبور واستحضار کا یہ عالم تھا کہ اٹھارہ سال کی عمر میں مسند تدریس پر فائز ہو گئے تھے۔ نار نور سے اجمیر چلے گئے تھے۔ جب رانا سانگا اجمیر پر حملہ آور ہوا اور اس نے مسلمانوں کو قتل اور ان کے اموال ودولت کو لوٹنا شروع کیا تو ۹۲۲ھ کو وہاں سے نکلے اور نارنول چلے گئے۔ کچھ عرصہ وہاں ٹھہرے پھر ناگور منتقل ہو گئے۔ وہیں سفر آخرت کو روانہ ہوئے۔

بڑے فاضل، متقی اور متورع بزرک تھے۔ ہمیشہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں مشغول رہتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے۔ ان کا معمول تھا کہ آدھی رات کو اٹھ جاتے اور ذکر وعبادت اور تہجد میں مصروف ہو جاتے، چاشت کے وقت تک کسی سے بات نہ کرتے۔ اس کے بعد ظہر تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہتا۔ پھر عصر اوراد وظائف میں مشغول رہتے، عصر کے بعد وعظ تذکیر کے انداز میں مدارک التنزیل کا درس دیتے۔ درس کے وقت ان پر رقت وبکا کا غلبہ طاری رہتا اور قلب کی دنیا بدلی ہوئی نظر آتی۔ مدارک التنزیل کے درس کا وہی انداز تھا جو ان کے بزرگوں واساتذہ کا تھا۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں کسی بڑے سے بڑے کی پرواہ نہ کرتے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو وہ خو بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کم عمری کے دور میں طلب معاش کے سلسلے میں اپنے چند متعلقین کے ساتھ مانڈو گئے۔ محمود دہلوی وہاں کے شیخ الحدیث اور حکومت کی طرف سے علماء کے صدر الصدور تھے جماعت کھڑی ہوئی تو شیخ محمود نے اللہ اکبر کہہ کر امام سے پہلے ہی نماز کیلئے ہاتھ باندھ لئے نماز سے فارغ ہوئے تو شیخ الاسلام سے کہا، آپ کی نماز نہیں ہوئی اس لئے کہ امام کے تکبیر کہنے سے پہلے ہی آپ نے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لئے تھے۔

مانڈو کی شاہی رسم یہ بھی تھی کہ لوگ پوری طرح زمین کی طرف جھک اور انگوٹھا زمین پر رکھ کر شیخ الاسلام کو سلام کرتے تھے لیکن شیخ احمد شیبانی اور قاضی ادریس دہلوی جو ایک زبردست عالم تھے شاہی رسم کے مطابق سلام نہیں کرتے تھے وہ برملا کہتے تھے کہ یہ بدعت ہے۔ یہ دونوں شریعت کے مطابق السلام علیکم کہتے اور بادشاہ کے برابر بیٹھتے تھے۔ بادشاہ نے عدل وانصاف کے تقاضوں کو بطریق احسن پورا کرنے کی غرض سے قاضی ادریس کو اجمیر کا قاضی مقرر کیا تھا اور چار گاؤں انعام میں دیئے تھے اور مسند افتاء شیخ احمد کے سپرد تھی ان کے اسلاف بھی اسی مسند پر فائز تھے۔

اس عالم دین نے ۲۵ صفر ۹۲۷ھ کو انتقال کیا۔

شیخ احمد بن محمد نہر والا

شیخ احمد بن محمد بن قاضی خن عدنی خرقانی ان کی کنیت ابوالعباس تھی اور لقب علاء الدین احمد نہر والی گجراتی کے نام سے معروف تھے، مفتی قطب الدین محمد نہر والی کے نام کے والد تھے جو مکہ مکرمہ کے منصبِ افتاء پر فائز تھے ان کے جد امجد کا نام قاضی خان تھا، مگر یہ وہ قاضی خان نہیں ہیں جو مشہور فتاویٰ (قاضی خان) کے مصنف ہیں، بلکہ یہ علماء نہر والا میں سے ہیں۔

شیخ احمد بن محمد ۸۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور نہر والا کے فاضل علماء سے علم حاصل کیا۔ پھر عازمِ حرمین شریفین ہوئے اور وہاں ائمہ حدیث کی ایک بڑی جماعت سے کتب احادیث پڑھیں۔ یہ صحیح بخاری

کی مسند عالی کے حامل تھے، جس کا سلسلہ صرف چھ واسطوں سے امام بخاری تک پہنچتا ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

شیخ احمد بن محمد نے صحیح بخاری حافظ نور الدین ابو الفتوح احمد بن عبد اللہ طاؤسی نزیل گجرات سے پڑھی جو صلاح و تقویٰ سے متصف تھے، انہوں شیخ یوسف سمرہروی سے پڑھی جو سہ صد سالہ کے نام سے معروف تھے یعنی انہوں نے تین سو سالہ عمر پائی انہوں نے محمد بن شاد بخت فرغانی سے پڑھی جو ایک معمر بزرگ تھے۔

انہوں نے سمر قند ایک بہت بزرگ شیخ ابو لقمان یحییٰ بن عمار بن مقبل بن شاہان ختلانی سے پڑھی جنہوں نے ایک سو تینتالیس سال عمر پائی۔ انہوں نے خود جامع صحیح امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔

شیخ ابو العباس احمد علاء الدین نہر والی نہایت صالح، عالم دین اور اپنے دور کے معروف محدث تھے۔ مکہ مرمہ میں اقامت اختیار کرلی تھی۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔

شیخ احمد کے بیٹے قطب الدین محمد کا بیان ہے کہ جب تک میرے والد کی بینائی قائم رہی وہ ہر سال قربانی کے دن رمی سے فوراً بعد جمرہ عقبہ سے مکہ مکرمہ آجاتے، بیت اللہ کی طرف رخ کر کے حطیم میں بیٹھ جاتے اور طواف کرنے والوں کو دیکھتے رہتے۔ وہ نماز مغرب تک وہیں بیٹھتے۔

مغرب کے بعد بیت اللہ کا طواف اور سعی کرتے۔ پھر منیٰ واپس چلے جاتے۔ فرمایا کرتے کہ اولیاء اللہ کیلئے ضروری ہے کہ ہر سال حج کریں اور افضل پر عمل پیرا ہوں۔

اور افضل یہ ہے کہ یوم النحر کو دن کے پہلے حصے میں طواف زیارت کیلئے آئیں۔ میں بھی یہی کرتا ہوں اور حطیم میں بیٹھ کر طواف کرنے والوں کو دیکھتا رہتا ہوں کہ شائد کہ میری نظر کسی ایسے نیک آدمی پر پڑ جائے یا اسکی نظر مجھ پر پڑ جائے جس کی وجہ سے میں اللہ کے نزدیک کامیاب قرار پایا جاؤں۔

بینائی ختم ہونے کے بعد بھی وہ معمول کے مطابق وہیں آکر بیٹھ جاتے اور فرماتے میں تو کسی کو دیکھ نہیں سکتا لیکن ممکن ہے کسی مرد صالح کی نظر مجھ پر پڑ جائے اور میں اللہ کا صالح بندہ بن جاؤں۔ ان کی وفات ۹۴۹ھ کو مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

شیخ احمد بن محمد بہاری

شیخ احمد بن محمد بن طیب حنفی بہاری، عالم وفقیہ تھے اور ان کا شمار اپنے زمانہ کے نامور فقہا میں ہوتا تھا قصبہ بہار کے قریب ایک قریہ میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی۔ اپنے والد گرامی شیخ محمد بن طیب سے جو اُس دور کے عالم دین اور مشہور اساتذہ میں سے تھے اور شیخ بدھا طیب کے نام سے معروف تھے، کسب علم کیا۔ سرزمین ہند کے دسویں صدی ہجری کے اس فقیہ کی کسی تصنیف کا پتہ نہیں چل سکا۔

ہمارے اسلاف کا تکرار و علمی مذاکرہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بسا اوقات ہم ساٹھ ساٹھ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں رہا کرتے تھے، آپ ہم سے حدیث بیان کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد ہم لوگ آپس میں اس حدیثوں کا مذاکرہ کیا کرتے تھے اور اس حال میں مجلس مذاکرہ سے اٹھتے تھے کہ گویا وہ حدیثیں ہمارے دلوں میں پودے کی طرح جڑ پکڑ چکی ہیں۔

علی بن الحسین بن شقیق راوی ہیں کہ ایک رات میں عشاء کی نماز پڑھ کر حضرت عبد اللہ بن مبارک کے ساتھ مسجد سے باہر نکلا، شدید سردی کی رات تھی دروازے پر پہنچ کر ابن مبارک نے ایک حدیث کا ذکر چھیڑا اور ہم دونوں میں اس حدیث پر برابر مذاکرہ و مباحثہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ مؤذن نے آکر فجر کی اذان دیدی۔۔

اصمعی سے پوچھا گیا کہ آپ نے علم کیونکر محفوظ رکھا؟ حالانکہ آپ کے ساتھی بھول گئے، کہنے لگے میرے ساتھیوں نے علم حاصل کرنے کے بعد اس کو چھوڑ دیا اور میں برابر اس کا چرچا کرتا رہا۔ پہلے دور کے طلبہ میں مذاکرہ و تکرار عام معمول تھا، جب موقع ملا حدیث کا مذاکرہ اور علمی چرچا کیا کرتے تھے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کثرت تفقہ کا سبب اہل علم سے مذاکرہ و مناظرہ بتایا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ امام صاحب جب کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، اس وقت بھی ان کا محبوب ترین مشغلہ علمی مذاکرہ ہی رہتا تھا۔

امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ فقہاء کے ساتھ فقہ کا مذاکرہ بڑی رغبت اور بشاشت کے ساتھ کرتے تھے، کئی کئی روز کے مسلسل فاقوں کے باوجود اس میں فرق نہ آتا تھا۔

صاحب تعلیم المتعلم لکھتے ہیں کہ ہمارے شیخ استاذ شیخ برہان الدین فرماتے تھے کہ میں اپنے تمام ساتھیوں پر اس وجہ سے فوقیت لے گیا کہ تکرار و مذاکرہ کبھی نہ چھوڑتا تھا۔

حضرت نانوتی اور حضرت گنگوہی کا باہمی علمی مباحثہ

حضرت مولانا قاسم نانوتیؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا طلب علمی کا زمانہ قریب قریب یکجا گزرا ہے، دونوں بزرگوں میں علمی مباحثے اور مذاکرے بھی خوب ہوتے تھے، کبھی کسی مسئلہ پر بحث چھڑ جاتی تو گھنٹوں تک چلا کرتی تھی، ان دونوں مشہور طالب علموں کا مباحثہ کچھ ایسا نہ تھا جس کو دلچسپی کی نظر سے نہ دیکھا جاتا، اساتذہ بڑے شوق اور تعجب سے اس بحث کو سنتے اور سرتاپا کان ہو کر اس جانب متوجہ ہو جاتے تھے، کبھی لوگوں کے ڈھٹ لگ جاتے اور خاص و عام کا مجمع ہو جایا کرتا تھا، جانبین سے وہ نکتہ سنجیاں اور باریک بینیاں ہوتی تھیں کہ شاید و باید۔

ایک بار ایک استاذ نے دونوں کی گفتگو سن کر یوں فیصلہ فرمایای کہ قاسم ذہین آدمی ہے اپنی ذہانت سے قابو میں نہیں آتا ورنہ اس مسئلہ میں رشید احمد حق پر ہے۔[1]

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب اور تکرار و مذاکرہ

شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی صاحبؒ کا مشہور قصہ ہے کہ انہوں نے ایک طالب علم سے جو "کنز" پڑھتا تھا اور مولانا کی خدمت میں تھا، پوچھا کہ کنز کا تکرار کیا یا نہیں؟

اس نے عرض کیا جی ہاں! حضرت! پوچھا کتنی مرتبہ؟ اس نے کہا تین مرتبہ، تو مولانا نے فرمایا واہ! ماشاء اللہ! آپ تو بڑے ذہین معلوم ہوتے ہیں، ہم نے تو اپنے پڑھنے کے زمانے میں کنز کا اکیس مرتبہ تکرار کیا اور ہر مرتبہ نئی بات سمجھ میں آتی تھی۔

(1) تذکرۃ الرشید

ہمارے اسلاف اور اساتذہ کا ادب واحترام

امام شعبی کہتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سوار کو کر جارہے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان کو دیکھ کر قریب ہو گئے اور گھوڑے کی رکاب تھام لی، تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی! ایسا نہ کیجئے، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں اپنے علماء کی اسی طرح تعظیم کرنے کا حکم دیا گیا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اپنا ہاتھ دکھائیے، پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو پکڑ کر بوسہ دیا اور فرمایا کہ ہمیں اپنے اہل بیت کے ساتھ اس طرح محبت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔[(1)] حضرت سعید بن جبیر کہا کرتے تھے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مجھے حدیثیں سناتے تھے اگر اجازت دیتے کہ اٹھ کر پیشانی چوم لوں تو ضرور چوم لیتا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اپنے اساتذہ کی عظمت کا یہ حال تھا کہ عمرو بن حماد فرماتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اپنے استاذ امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کی مجلس سے زیادہ محبوب میں نے کوئی مجلس نہیں دیکھی۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا کوئی فقیہ اور ابن لیلی سے بڑا

---

(1) اخلاق العلماء

کوئی قاضی نہیں دیکھا۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں نہایت سکون ، ووقار رہتا تھا، طلبہ مؤدب اور خاموش بیٹھتے تھے،ادب وعظمت کی وجہ سے پوری مجلس پر ایک مقدس سکوت طاری رہتا تھا ،جاہ وجلال اور شان وشوکت سے کاشانہ امامت پر بارگاہ شاہی کا دھوکہ ہوتا تھا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ کتاب کے ورق بھی اس ڈر سے نہیں الٹتے تھے کہ کھڑکھڑاہٹ کی آواز نہ ہو۔[1] امام ربیع فرماتے ہیں کہ اپنے استاذ امام شافعی کے سامنے مجھ کو کبھی پانی پینے کی جرات نہیں ہوئی۔ حضرت ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی عالم کے دروازے پر جاکر دستک نہیں دی بلکہ اس کا انتظار کیا کہ جب وہ خود تشریف لاویں گے،اس وقت ملاقات کرلوں گا ۔حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کو اپنے جملہ اساتذہ کے ساتھ ایک خاص انس وتادب ملحوظ تھا،اکثر اپنے اساتذہ کے مناقب ومحاسن بیان فرمایا کرتے اور آنکھوں میں آنسو بھر لایا کرتے تھے۔[2]

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی اور حسن ادب

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک موقع پر خنزیر کے بارے میں تحقیق کی ضرورت پیش آئی، فقہی مسئلہ میں کسی جگہ خنزیر کا ذکر آیا تھا،تولوگوں نے کہا یہ تو بھنگیوں سے معلوم ہو سکتا ہے،وہی لوگ خنزیر پالتے ہیں،تو حضرت کے گھر جو بھنگی آتا تھا تو اس سے پوچھا کہ بھئی! خنزیر کے بارے میں اس بات میں تمہاری کیا تحقیق ہے؟اس نے اصلیت بتائی کہ یہ صورت ہوتی ہے،اس دن کے

(1)تذکرۃ المحدثین

(2)تذکرۃ الرشید

بعد جب وہ بھنگی آتا تو اسکی تعظیم میں کھڑے ہو جاتے اور فرماتے اس کے ذریعہ مجھے ایک علم حاصل ہوا ہے[1]

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حسن ادب

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت شیخ الہند کے ترجمہ قرآن پاک پر تقریظ لکھنے کی درخواست کی گئی تو اس پر حضرت نے فرمایا، تقریظ لکھنا تو اس کا حق ہے جو ایک طرح مدح پر قادر ہو تو دوسری طرف قدح بھی کر سکتا ہو اور ہم تو حضرت کے شاگرد ہیں ہم تو ان کی ہر چیز کی مدح ہی کریں گے، اگر ہم تقریظ لکھیں اور مدح کریں تو گویا اس کے معنٰی یہ ہونگیں کہ ہم قدح بھی کر سکتے ہیں اور اس کا بھی حق رکھتے ہیں اور اس کا قبیح و شنیع ہونا ظاہر ہے، چونکہ حضرت استاذ کی قدح گوشہ تصور میں لانا بھی سوء ادبی، بےادبی اور خلاف ادب ہے۔[2]

(1) خطبات حکیم الاسلام

(2) افادات مسیح الامت

شوہر کے لیے ہدایات

(۱) اگر بیوی مشترک مکان میں رہنا پسند نہ کرے تو الگ مکان کا انتظام کرے۔

(۲) بیوی کو والدین کے رحم و کرم پر نہ چھوڑے بلکہ خود بھی اس کی ضروریات کا خیال رکھے۔

(۳) اگر والدین یا بہنوں وغیرہ کی طرف سے بیوی کی کوئی جائز شکایت ہو تو خوبصورتی کے ساتھ والدین اور دیگر اہل خانہ کو سمجھائے اور شکایت کو حل کرنے کی کوشش کرے۔

(۴) اپنی آمد کے مطابق بیوی کی ضروریات کا انتظام کرے اور اس میں بخل نہ کرے۔

(۵) ضروریات مصارف کے علاوہ اپنی حسب حیثیت کچھ زائد رقم بیوی کو ماہانہ دے دیا کرے، جسے وہ اپنی مرضی سے خرچ کرے، اس کا حساب نہ لیا جائے۔

(۶) بیوی اگر بیمار ہو تو اس کے علاج معالجہ کی پوری فکر کرے اور اس کا مزاج پوچھے۔

(۷) جب گھر میں داخل ہوں سلام کر کے خندہ پیشانی اور مسکراہٹ کے ساتھ داخل ہوں، تاکہ بیوی بھی خوش ہو اور بچے بھی خوش ہوں۔

(۸) بیوی سے گفتگو ہمیشہ خندہ پیشانی سے کریں۔

(۹) اگر بیوی کی کوئی کوتاہی ہو تو اس کو نرمی اور محبت کے ساتھ نصیحت کریں۔

(۱۰) جہاں تک ممکن ہو غصہ اور سخت کلامی سے اور بات بات پر ڈانٹ ڈپٹ اور ناراض ہونے سے پرہیز کریں۔

(۱۱) اپنا کوئی حق خدمت وغیرہ کا بیوی پر نہ سمجھیں۔

(۱۲) اگر بیوی کوئی خدمت کرے اس کا احسان سمجھیں، اور اس پر اس کا شکریہ ادا کرے، اور کبھی کبھی اس کو انعام بھی دیا کرے کہ تم نے فلاں کام بہت اچھا کیا۔

(۱۳) اگر سفر پر جائیں تو دوران سفر خیریت کی اطلاع بیوی کو دیتے رہا کریں۔

(۱۴) سفر پر واپسی پر جس طرح کوئی تحفہ والدین کے لیے لاتے ہیں اس طرح بیوی کے واسطے بھی کوئی تحفہ اپنی حیثیت کے مطابق ضرور لائیں۔

(۱۵) جہیز کی کمی یا اس کے ناقص ہونے کا ذکر کبھی بیوی کے سامنے نہ کریں۔

(۱۶) بیوی کے گھر والوں میں سے کسی کا تذکرہ بیوی کے سامنے برائی کے ساتھ ہرگز نہ کریں۔

(۱۷) بیوی ک گھر والے اگر کبھی کوئی ہدیہ تحفہ پیش کریں، بیوی کے سامنے اس کی تعریف کریں اور ان کا شکریہ ادا کریں۔

(۱۸) گاہے گاہے بیوی کے ساتھ ہنسی دل لگی اور تفریح طبع کی باتیں کیا کریں۔

(۱۹) کسی بات پر بیوی اگر ناراض ہو جائے تو پیار و محبت کے ساتھ اس کو راضی کر لیا کریں۔

(۲۰) اگر بیوی سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کو در گذر اور معاف کر دیا کریں۔[1]

(1) معاشرہ پر ایک نظر

ساس کے لیے ہدایات

۱۔ساس کو چاہئے کہ بہو کے ساتھ اپنی لڑکی جیسا برتاؤ کرے۔

۲۔اس طرح پیار و محبت سے رکھے کہ وہ اپنی والدہ کو بھول جائے۔

۳۔اس کے آرام وراحت کا خیال رکھے۔

۴۔حاکمانہ طریقہ اختیار نہ کرے۔

۵۔کوئی غلطی اس سے ہو جائے تو اس کو درگزر کرے۔

۶۔اس کی غلطی دوسری عورتوں کے سامنے بیان نہ کرے۔

۷۔اس کے گھر والوں کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کرے، نہ گھر میں کسی کو کرنے دے۔

۸۔کھانے پینے میں اپنی اولاد جیسا برتاؤ کرے۔

۹۔اگر کسی وقت طبیعت میں کسل ہو یا کوئی مرض ہو تو خود اس کو کام کرنے سے منع کر دے۔

۱۰۔اگر کوئی بیماری ہو تو اس کا علاج کرائے۔

۱۱۔اس کے کام کو سراہا کرے۔اس کے کام کی تعریف کرے۔ کبھی اس کو انعام بھی دے دے۔

۱۲۔اس کے کسی کام میں اگر کوئی کمی ہو تو نرمی و محبت سے سمجھادے۔

۱۳۔اس کی کسی کمی کو اس کے خسر سے بھی نہ کہیں کہ وہ اس کو ڈانٹ ڈپٹ کریں۔

۱۴۔ کسی وقت اگر کام زیادہ ہو تو خود بھی اس کی مدد کریں۔

۱۵۔اس طرح اپنے لڑکے سے بھی اس کی کوئی کمی کوتاہی کا ذکر نہ کریں، نہ کسی قسم کی کوئی شکایت کریں۔

۱۶۔اس طرح اپنی لڑکیوں کو سمجھا کر رکھیں کہ اس کے ساتھ بے جا سلوک نہ کریں، بلکہ پیار و محبت سے رہیں۔

۱۷۔اگر تمہاری لڑکیاں عمر میں بہو سے چھوٹی ہیں تو ان کو تاکید کریں کہ وہ ان کا ادب و احترام کریں۔

۱۸۔ان کے احترام کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالیں۔

۱۹۔ بہو کے سامنے اس کے گھر والوں کا ذکر برائی سے نہ کریں۔

۲۰۔ بہو کے سامنے جہیز کی کمی ذکر نہ کریں، نہ جہیز کے سامان میں کوئی کمی نکالیں۔

۲۱۔نہ بہو کے سامنے اس کا ذکر کریں کہ تیرے گھر والوں نے فلاں چیز نہیں دی۔

۲۲۔ بلکہ بہو کے گھر والوں نے اگر کوئی سامان دیا ہو تو اس کے سامنے اس کی تعریف کریں۔

اس سے ساس کی محبت بہو کے دل میں ضرور بیٹھے گی اور پھر وہ دل سے ساس کی خدمت کرے گی۔ (1)

(1)معاشرہ پر ایک نظر

عورت اپنے علمبرداروں کی نظر میں

بائبل میں ہے کہ :

"جو کوئی خدا کو پیارا ہے وہ اپنے کو عورت سے بچائے گا۔ ہزار آدمیوں میں سے میں نے ایک کو خدا کا پیارا پایا ہے۔ لیکن تمام عالم کی عورتوں میں ایک عورت بھی ایسی نہیں جو خدا کو پیاری ہوتی"

بائبل میں یہ بھی ہے کہ :

"عورت موت سے زیاد تلخ حقیقت ہے"

"ترتولیان" مسیحیت کے ابتدائی دور کا امام ہے۔ اس کے بقول :

"عورت شیطان کے آنے کا دروازہ ہے۔ وہ مرد کو غارت کرنے والی ہے"

ایک اور بڑے مسیحی امام "کرائی سولٹم" کے بقول :

"عورت ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، ایک غارت گربلا اور ایک آراستہ مصبیت ہے"

اطالیوں کی ضرب المثل ہے:

"گھوڑا اچھا ہو یا برا اسے مہمیز کی ضرورت ہے، عورت اچھی ہو یا بری اسے مار کی ضرورت ہے"

سپین والوں کی ضرب المثل ہے:

"عورت کی اچھی صورت پر بھروسہ کرنا بے وقوفی ہے"

افلاطون جیسا فلسفی عورت کی تخلیق کے حوالے سے یوں رقم طراز ہے کہ:

"انسان شروع میں ذو جنسی تھا۔ یعنی مذکر اور مؤنث ایک ہی جسم میں اکھٹے تھے۔ اس کی چار ٹانگیں، دو چہرے اور چار بازو تھے۔ اس نے اپنے خالق "زیوس" کے خلاف بغاوت کر دی۔ سزا کے طور پر انھیں آدھا آدھا کر دیا گیا۔ جن میں سے ہر ایک کے پاس دو ٹانگیں، ایک اور دو بازو آ گئے۔ ان میں سے ایک مرد اور ایک عورت تھی۔ تب سے دونوں ایک دوسرے کی تلاش میں ہیں تاکہ اپنی تکمیل کر سکیں"

"ارسطو" کے نزدیک:

عورت کی نسوانی خصوصیات دراصل فطری نقائص ہیں۔

قدیم یہودی قانون کی رو سے:

کنواری لڑکی دعا کی بھی مستحق نہیں ہوتی

رومی شاعر "ورجل" کے بقول:

"عورت ہمیشہ ناپائدار ہوتی ہے"

روم مصنف "جیووینل" کے خیال میں:

"عورت سے بڑھ کر کوئی کینہ پرور نہیں"

سکاٹس مذہبی اصلاح پسند "جان ناکس" کے الفاظ میں:

"عورت کی حکمرانی فطرت کو سخت ناپسند ہے۔ یہ خدا کے لیے توہین آمیز ہے۔ حتیٰ کہ کامل مساوات کے نظام خیر سے انحراف ہے"۔

ویلئیم شیکسپیئر کا کہنا ہے کہ:

"اے کمزوری! تیرا نام عورت ہے"

"سیموئیل بٹلر" کے الفاظ میں:

"عورتیں کی روح اس قدر چھوٹی ہیں کہ بعض لوگ یقین رکھتے ہیں کہ عورتوں میں روح ہی نہیں ہوتی"

"ویلیم کنگریوں" کے الفاظ میں:

"جہنم میں بھی عورت کی حقارت جیسا غصہ نہیں"

"سیموئیل جانسن" کی زبان میں:

"ایک عورت کی اصلاح کسی کتے کا اپنی پچھلی ٹانگوں پر چلنے کے برابر ہے"

"ایلگزنڈر پوپ" کے مطابق:

"بہر کیف عورتیں کسی کردار کی حامل نہیں ہوتیں کچھ کاروبار کے لیے اور کچھ تفریح کے لیے ہوتی ہیں۔ لیکن عورت محض جنسیت کے لیے ہوتی ہیں"۔

برطانوی ناول نویس "ولیم میک پیس تھیکرے" کا کہنا ہے کہ:

"کچھ ایسی کمینگیاں ہیں جو مرد کے لیے انتہائی پست اور گھٹیا ہیں۔ لیکن ایک دلفریب عورت تنہا ان کے ارتکاب حوصلہ رکھتی ہے"۔

برطانوی ناول نویس "جارج میری ڈیتھ" کے الفاظ میں:

"مجھے توقع ہے کہ عورت وہ آخری شئے ہوگی جسے مرد مہذب بنائے گا۔

مشہور جرمن فلسفی فریڈرک کے بقول:

"عورت خدا کی دوسری غلطی ہے"

"سگھمنڈ فرائڈ" کے الفاظ یہ ہیں کہ :

"عظیم سوال اپنی تیس برسوں پر محیط نسائی روح کے متعلق تحقیق کے باوجود جس کا جواب دے پانے کا اہل نہیں ہوں یہ ہے کہ عورت کیا چاہتی ہے؟"

مشہور مصور "پکاسو" کے نزدیک :

"عورت دو طرح کی ہوتی ہیں، دیویاں یا پائڈان"

عورت کے بارے میں ان آرا کی موجودگی میں کون کہہ سکتا ہے کہ عورت سے بھلائی کی توقع کی جاسکتی ہے۔ لیکن در حقیقت عورتوں کی یہ حالت سراسر مردوں کی زیادتی کا نتیجہ ہے۔

شاعر مشرق حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں :

"اگر میں غیر مسلم ہوتا تو قرآن حکیم کو کس عورت کی تصنیف سمجھا۔ کیونکہ قرآن حکیم میں عورت کو بے پناہ رعایتیں اور حقوق دیئے گئے ہیں۔

چنانچہ قرآن حکیم نے بائبل کے اس بیان کو تسلیم نہیں کیا کہ " نیکی اور بدی کی پہچان کے درخت کو کھانے کا مشورہ سب سے پہلے عورت نے دیا" بلکہ قرآن نے یوں کہا کہ " شیطان نے دونوں کو بہ یک وقت ورغلایا۔

اور اس طرح ہدایت دی

واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجا"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہاری بیویاں تم ہی میں سے پیدا کیں

یعنی تمہاری جنس سے پیدا کیں اس کی فطرت تمہاری فطرت، اس کی خلقت تمہاری خلقت ہے ، تمہیں اگر سونے چاندی کی طلب ہے تو وہ بھی احتیاج مال سے بے نیاز نہیں رکھی گئی ہے۔

تم اگر اپنی راحت واشائش کے بھوکے ہو تو اس کا جسم بھی خشکی اور تھکن کے اثرات کو قبول کرنے والا بنایا گیا ہے۔

تمہیں اگر غصہ آتا ہے تو وہ بھی بے حس نہیں پیدا کی گئی ہے۔

تم اگر اپنی جاہ عزت کے طالب ہو تو وہ اپنی توہین ورسوائی سے خوش نہیں ہو سکتی۔

تم اگر حکومت چاہتے و تو وہ بھی غلامی کے لیے پیدا نہیں ہوئی۔

الغرض بھوک پیاس، گرمی، سردی، سختی نرمی، رنج اور خوشی کا احساس اس کو بھی ہو گا، چوٹ لگے گی تو اس کا بھی جسم دکھے گا، اس کے دل بھی کو تکلیف پہنچے گی تو غیرت وخودداری اس کی بھی تڑپ

اٹھے گی الغرض تمام انسانوں کی مرد ہو یا عورت اصل ایک ہی ہے، ایک جوڑے سے مردوں اور عورتوں کی ساری نسلیں چلی ہیں۔ (1)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تمام مومنوں میں ایمان کے اعتبار سے سب سے زیادہ کامل وہ شخص ہے۔ جو اخلاق کے اعتبار سے ان میں سب سے اچھا ہو۔ جو شخص جتنا زیادہ خوش اخلاق ہو گا، وہ اتنا ہی کامل ایمان والا ہو گا۔ اس لیے کامل ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان دوسروں کے ساتھ حسن اخلاق کا معاملہ کرے اور تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں اور اپنی عورتوں کیلئے بہتر ہوں، ان کے ساتھ اچھا اسلوک کرنے والے ہوں۔ (2)

حقیقت یہ ہے کہ انسانی زندگی کی گاڑی عورت و مرد کی مساوی کوشش سے منزل مراد تک پہنچ سکتی ہے۔

اسلام میں مرد کو عورت پر عورت کو مرد پر فضیلت محض تقوی کی بنیاد پر ہے نہ کہ خلقت کی بنیاد پر۔

(1) تحفہ دولھا

(2) ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجھا

ایسی 17 قسم کی عورتیں جن سے نکاح اور پیغام نکاح جائز نہیں

منگنی سے قبل رشتہ جوڑنے، پیغام دینے اور نکاح کرنے سے پہلے دو پہلو پیش نظر رکھنا بہت ہی ضروری ہے۔ اول یہ کہ زوجیت اور رشتہ ازواج میں لائی جانے والی لڑکی یا عورت سے از روے شرع نکاح جائز ہے یا نہیں، اور دوسرے یہ کہ اس عورت یا لڑکی سے ازدواجی زندگی خوشگوار گزر سکتی ہے یا نہیں؟ ذیل میں ایسی تمام عورتوں کا ذکر کیا جارہا ہے کہ جن سے نکاح کرنا، شادی کی نسبت و منگنی کرنا، ان کے پاس پیغام بھیجنا کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔

1) عورت شوہر والی ہو یعنی کسی شخص کے نکاح میں ہو۔ خواہ وہ شوہر کے ہاں ہو یا اس کا شوہر اسے اس کے میکے میں چھوڑے رکھا ہو۔ نہ لاتا ہوں نہ ہی اس سے کوئی واسطہ رکھتا ہو۔ مگر یہاں یہ بات اچھی طرح یاد رہے کہ نکاح کے بعد میکہ میں عورت کو چھوڑ دینا اور اس سے کوئی واسطہ نہ رکھنا سخت گناہ ہے۔ لہذا اگر نباہ مشکل اور نہ رکھنا ہو تو اسے طلاق دے دینا چاہیے کیونکہ یہ سخت غلطی ہے کہ ایسی صورت میں نہ طلاق دیا جائے اور جب طلاق کا مطالبہ کیا جائے تو اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ ہم اسکو سڑا سڑا کر

ماریں گے اس کو یوں ہی چھوڑی رکھ‌ءں گے۔ وہ بھی سمجھے کہ ہاں کسی سے اچھا واسطہ پڑا ہے۔ حالانکہ قرآن مین اس طریقہ کار پر اللہ تعالی نے فرمایا کہ

"توان کے ساتھ اچھی طرح نباہ کرو یا شریف آدمیوں کی طرح انہیں چھوڑ دو، طلاق دے دو"۔(1)

2) ایسی عورت کے جو کسی مرد کی عدت میں ہو یا خود اپنی مطلقہ بطو تین طلاق یعنی طلاق مغلظہ کی صورت میں ہو اور اس کا حلالہ نہ ہوا ہو۔(2)

3) ایسی عورت جو شبہ سے وطی ہو جانے کی وجہ سے استبراء رحم کے لیے وقت گزار رہی ہو یہی حکم اس باندی کا ہے جو کسی کی ملک میں ہو اور آقا کے حمل سے اس کی برائت منظور ہو۔(3)

4) ایسی عورت جو ان عزیزوں میں سے ہو کہ جن سے نکاح حرام ہے مثلاً ماں، نانی، دادی، بیٹی، پوتی، نواسی، بھتیجی، بھانجی، اوران سب کی اولادیں، پھوپھی اور خالائیں، ہاں مؤخر الذکر پھوپھی اور خالہ کی لڑکیوں سے نکاح جائز ہے۔(4)

5) ایسی عورت یا لڑکی کہ جس سے رضاعت (دودھ) کا رشتہ ہو، رضاعی ماں یا رضاعی بہن وغیرہ ہوتی ہو، یاد رہے کہ جب بچے یا بچی کے منہ میں دودہ چلا گیا تو رضاعت یعنی دودھ کا رشتہ ثابت ہو گیا۔ خواہ

---

(1) القرآن

(2) معارف القرآن

(3) احیاء العلوم

(4) شامی

تھوڑا گیا ہو یا زیادہ۔اسی طرح اگر انہوں نے چھاتی سے دودھ پیا ہو یا چھاتی سے نکال کر اس کے حلق میں ڈال دیا گیا تب بھی رضاعت دودھ کا رشتہ ثابت ہو جائے گا۔[1]

6) ایسی ہے عورت جس کی بیٹی، پوتی، یا نواسی وغیرہ سے نکاح کر چکا ہو یا شبہ عقد میں ان سے وطی سے چکا ہو۔یاد رہے کہ صرف عقد کر لینے سے اس عورت کی ماں اور اولاد حرام ہو جاتی ہے۔[2]

7) ایسی عورت کہ اس سے باپ یا بیٹے نے اس سے پہلے نکاح کر کے چھوڑ دیا ہو۔ترغیب وترہیب

8) نکاح کرنے والے کے عقد میں پہلے سے چار عورتیں برقرار ہوں۔[3]

9) ایسی عورت جو نکاح میں پہلے سے ہو اور اس کی موجودگی میں اس کی حقیقی بہن سے منگنی اور ازدواجی رشتہ نکاح کرنے جا رہا ہو۔ نیز اس عورت کی موجودگی میں عورت کی پھوپھی یا خالہ پہلے سے نہ ہو۔کیونکہ ایسی تمام عورتوں کے سے ایک ساتھ نکاح کرنا حرام ہے کہ جن میں اس طرح کی قرابت ہو کہ میں سے ایک کو مرد فرض کریں تو دوسرے سے نکاح درست نہ ہو گا۔[4]

10) لونڈی ہو، یاد رہے کہ آزاد مرد غیر کی لونڈی یعنی باندی سے نکاح کر سکتا ہے۔ لیکن آزاد عورت پر لونڈی لانا جائز نہیں ہے۔ہاں اس کے برعکس جائز ہے۔[5]

---

(1)عالمگیری

(2)مختار

(3)فتاوی دار العلوم دیوبند

(4)مسلم

(5)ہدایہ

11) ایسی عورت ہو کہ جس کا شوہر لاپتہ ہو اور قاضی نے اس کے نکاح کو فسخ نہ کیا ہو۔[1]

12) ایسی لعان شدہ عورت کہ جس کی تفریق قاضی نے کردی ہو مگر ان دونوں میں لعان کی اہلیت باقی ہو۔ نیز لعان شدہ عورت پر شوہر پر ہمیشہ ہمیش کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔[2]

13) ایسی عورت کہ جس کی ماں یانانی یا اس کی بیٹی کو شہوت سے چھوا ہو ازنا کیا ہو۔[3]

14) ایسی عورت کہ جس نے اس لڑکے یا مرد کے باپ دادا کو اور یا اس کے بیٹے کو شہوت سے چھوا ہو، ان کے ساتھ زنا کی مرتکب ہوئی ہو، یا زنا کی وجہ سے اس مرد یا اس لڑکے کی بھتیجی اور بھانجی لگ رہی ہو۔[4]

15) غیر مسلم ہو, کافر ہو, کفر بکتی ہو، خدا یا رسول اللہ یا کسی بھی آسمانی کتاب، یا کسی بھی پیغمبر اور یا اسلام کے کسی بھی رکن کا انکار کرتی ہو، اسی میں وہ عورتیں بھی داخل ہیں جو اباحت پسند ہیں، حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیتی ہیں ایسی عورت جو مجوسی ہو، قادیانی ہو، رافضی ہو، زندیقی اور مرتدہ ہو۔ اسی میں وہ عورتیں بھی داخل ہیں جو مشرکانہ عقائد پر ایمان رکھتی ہیں اور اسلامی نظریہ اعتقاد کے خلاف رہتی ہیں۔[5]

---

(1) ردالمختار

(2) احیاء العلوم

(3) مبسوط

(4) مبسوط

(5) احیاء العلوم

16) اہل کتاب نہ ہو, یاد رہے کہ اہل کتاب یہودی اور عیسائی عورتوں سے نکاح جائز ہے بشر طیکہ وہ اپنے مذہب پر قائم ہوں۔ لیکن اگر وہ عورت کتابیہ ہونے سے پہلے پہلے مسلمان تھی تو اس سے نکاح اس کے مرتدہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہو گا لیکن اگر عورت کتابیہ ہونے سے پہلے غیر مسلمہ تھی تو اس سے نکاح جائز ہو گا لیکن نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔ مگر یہاں یہ بات اچھی طرح یاد رہے کہ مسلمان عورت کسی یہودی یا عیسائی یعنی اہل کتاب شخص سے اپنا نکاح نہیں کر سکتی خواہ اہل کتاب عیسائی اور یہودی اپنے مذہب پر اچھی طرح قائم کیوں نہ ہو۔ یہاں صرف مسلمان مردوں کو اجازت ہے کہ وہ اہل کتاب عورتوں سے جو اپنے مذہب پر اچھی طرح اور بدستور قائم ہو شادیاں کر سکتا ہے مگر مسلمان مرد سے اپنی شادی نہ کرے تو بہتر ہے۔[1]

17) ایسی عورت جو اپنے پچھلے شوہر سے حاملہ ہو, ہاں حاملہ عن الزنا کے ساتھ نکاح درست ہے خواہ اسی سے ہو جس سے حمل قرار پایا ہو، یا کسی دوسرے شخص سے۔ اگر دوسرے شخص ہے ہو گا تو نکاح تو جائز ہو گا مگر جب تک وضع حمل نہ ہو گا صحبت و جماعت جائز نہ ہو گا۔[2]

(1) ھدایہ

(2) شادی اور شریعت

حقوق زوجین

شوہر کے حقوق

ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شوہر کے حقوق معلوم کیے! آپ نے فرمایا

بیوی پر لازم ہے کہ شوہر کے بلانے پر پورا حاضر ہوا گرچہ سواری کی پیٹھ پر بیٹھی ہو، شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزے نہ رکھے، اس کی اجازت کے بغیر کہیں نہ جائے۔(1)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

قیامت میں عورت سے نماز کے بعد شوہر کے حقوق کا سوال ہو گا۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

جو عورت شوہر کے گھر سے بھاگ جائے تو واپس آنے تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔

---

(1) رواہ ابن عمر

شوہر وبیوی کے حقوق

منیٰ خطبہ دیتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگو!

تمہاری بیویوں پر تمہارے اور تم پر انکے حقوق ہیں۔ عورتوں پر واجب ہے کہ گھر میں کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جس کا آنا انکے شوہر کو ناپسند ہو۔ شوہر کے علاوہ کسی مرد کی جانب نہ مائل ہوں۔ اگر عورت ان باتوں کا خیال نہ رکھے تو مرد کو ڈانٹ ڈپٹ کا حق ہے۔ اور مردوں پر عورتوں کے حقوق یہ ہیں کہ وہ عورتوں کے لئے (اپنی حیثیت کے مطابق) بہتر سے بہتر نان ونفقہ کا انتظام کریں (اور ہر طرح ان کی جائز جائز خواہشات کا احترام کریں)۔

اسلام سے پہلے عورت کی کوئی حیثیت نہ تھی وہ سماج میں ایک بوجھ تصور کی جاتی اور اس کے ساتھ باندیوں بلکہ جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ لیکن اسلام نے عورت کو وہ تمام حقوق عطا فرمائے جن کی وہ مستحق تھی۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اگر عورت پانچ وقت نماز پڑھے، رمضان مبارک کے روزے رکھے، اپنی عصمت کی حفاظت اور شوہر کی اطاعت کرے تو جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو سکتی ہے۔ کامل مومن وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آئے (ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ)

میں تم کو عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت کرتا ہوں وہ تمہارے پاس اللہ کی امانت ہیں۔انہوں نے خود کو تمہارے حوالہ کر دیا ہے اپنے ماں باپ پہ باپ کو چھوڑ کر تمہاری پابند ہو گی ہیں تم بھی ان کا خیال رکھو۔

مرد اور عورت کے پانچ حق

فقیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مرد پر عورت کے پانچ حق ہیں۔

1) پردہ میں رکھ کر اس کی خدمت کرے کسی کام کے لئے باہر نہ جانے دے عورت کا باہر نکلنا فتنہ وہ گناہ سے خالی نہیں۔

2) اس کو ضروری علم دین سکھائے۔(باپ کے بعد شوہر پر بھی یہ ذمہ داری ہے)

3) حلال روزی کھلائے۔

4) اس پر زیادتی نہ کریں کیونکہ وہ اس کے پاس اللہ کی امانت ہے۔

5) اس کی طرف سے پیش آنے والی برائیوں اور تکلیفوں کو برداشت کرے (تب ہی نباہ ممکن ہے) ورنہ معاملہ سنگین ہو سکتا ہے کہ طلاق کی نوبت آکر گھر برباد ہو جائے۔

برداشت کرو

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس کوئی صاحب بیوی کی شکایت کرنے کے لئے آئے۔ تو آپ نے فرمایا بھائی ان کی ایسی معمولی زیادتیوں کو برداشت کرنا چاہیئے یہ ہم کو جہنم سے بچانے والی ہیں کہ ان کی وجہ سے قلب مطمئن رہتا ہے کسی غیر کی جانب حرام طریقے پر مائل نہیں ہوتا مرد کے پیچھے عورت اس کے مال کی حفاظت کرتی مرد کی خدمت کرتی اس کے بچوں کی پرورش کرتی ہے۔

چار مصارف

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

چار خرچوں کا حساب نہیں ہوگا۔ ا۔ والدین پر کیا جانے والا خرچہ۔ ۲۔ روزہ کے افطار کا خرچہ۔ 3۔ جو کسی مقروض یا مقدمہ میں پھنسے ہوئے کو دیا جائے۔ ۴۔ بیوی بچوں کی (جائز) ضروریات پر کیا جانے والا سب سے بہتر اور باعث اجر و ثواب اہل و عیال پر کیا جانے والا خرچہ ہے۔

(حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ)

اولاد کی تربیت کے رہنما اصول

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔اما بعد

قال اللّٰہ تعالیٰ:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْااَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا

وقال رسول اللّٰہ ﷺ

علموا اولادکم واھلیکم الخیر وادبوھم۔

صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے کہ اے ایمان والو تم اپنے آپ کواور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی اولاد اور اپنے گھر والوں کو خیر و بھلائی کی باتیں سکھاؤاور ان کو ادب سکھاؤ

تربیتِ اولا کی اہمیت:

مذکورہ بالا آیت اور حدیث شریف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اولاد کی تربیت کو والدین کی اہم ذمہ داری قرار دیا ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ انسان کو اوالا والی نعمت دے تو ماں باپ کو ان کی تربیت کرنا چاہئے، والدین بچے کے مربی ہوتے ہیں جسمانی طور پر بھی اور روحانی طور پر بھی۔

اس لئے جہاں والدین بچہ کی جسمانی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ہمارا بیٹا جسمانی طور پر تندرست و توانا بنے وہاں اس کو علم وادب سکھانے کی بھی کوشش کرنا ان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ جب ماں باپ بچوں کی تربیت اچھی کرتے ہیں تو پھر بچوں کے جسم ہی فقط نشو و نما نہیں پاتے ان کے دل و دماغ کی صلاحیتیں بھی کھلتی ہیں۔ اس لئے دانشوروں کا مقولہ ہے:

جو شخص اپنے بچوں کو ادب سکھاتا ہے وہ دشمن کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔

ایک مقولہ یہ بھی ہے کہ:

جو شخص بچوں کو بچپن میں ادب سکھاتا ہے وہ بچہ بڑا ہو کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے۔

اس لئے والدین کو بچوں کی تربیت سے ذرا بھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے وہ کسان جو اپنے کھیت پر محنت نہیں کرتا تو اس کے کھیت میں بہت سی خود رو جڑی بوٹیاں اُگ آتی ہیں جو اسکی اصل فصل کو خراب کر دیتی ہیں اسی طرح جب والدین بچے کی تربیت کا خیال نہیں کرتے تو بچوں کے اندر بہت سے برے اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں جو ان کی اصل شخصیت کو بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔

ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

"ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔

یعنی بنیادی طور پر بچے کی شخصیت پر تین چیزوں کے اثرات پڑتے ہیں۔ سب سے پہلے اس کے والدین اور گھر یا خاندان کا اثر ہوتا ہے پھر اس کی گلی کے ماحول کا اثر ہوتا ہے جس مدرسے یا اسکول میں وہ پڑھنے جاتا ہے اس سے وہ متاثر ہوتا ہے۔

لیکن بہر حال والدین کی بنیادی ذمہ داری نبتی ہے کہ وہ اسے یہ تینوں چیزیں کس قسم کی فراہم کرتے ہیں۔

ماں کی گود بچے کی اولین (پہلی) درسگاہ ہے:

بچے کی زندگی کا پہلا مسکن ماں کی ٹھنڈی، میٹھی اور شفقت بھری گود ہوتی ہے۔ آغوش مادر کے ان سالوں میں ماں بچوں کیلئے مرشد کا کام کرتی ہے۔ ماں اگر بچے پر محنت کرے تو یہ ماں کی گود سے مادر زاد ولی ثابت ہو سکتے ہیں اس لئے ماں کی تربیت کی اہمیت بہت زیادہ ہے ماں کو اپنے بچے کی تربیت کا خیال اسی دن سے رکھنا چاہئے جس دن بچہ پیدا ہو۔ بلکہ یہ خیال ان کو حاملہ ہونے کے وقت سے ہونا چاہئے لیکن ہم بچے کہ پیدائش کے بعد ماں کی کیا ذمہ داری ہے اس کو بیان کرتے ہیں۔

نومولد بچے کو ماں کا تحفہ:

جب اللہ تعالیٰ بچے کی ولادت فرمادے تو ماں کیلئے یہ انتہائی خوشی کا موقع ہوتا ہے اور بچے کیلئے پہلا تحفہ جو ماں پیش کر سکتی ہے وہ ماں کا اپنا دودھ ہوتا ہے ماں کو چاہئے کہ وہ بچے کو اپنا دودھ ضرور پلائے۔ ہاں اگر دودھ کم ہے یا میڈیکلی ٹھیک نہیں ہے اور بچے کیلئے نقصان دہ ہے تو یہ اور بات ہے۔

لیکن اگر ماں کا دودھ بچے کیلئے ٹھیک ہے تو اس سے بہتر غذا بچے کو اور کوئی نہیں مل سکتی ہر ماں کو چاہئے کہ وہ ضرور دودھ پلائے تاکہ بچے کے اندر ماں کی محبت آجائے اگر ماں دودھ ہی نہیں پلائے گی تو ماں کی محبت بچے کے اندر کیسے آئے گی عام طور پر کئی بچیاں اپنی (Smartness) کو سامنے رکھتے ہوئے دودھ پلانے سے گھبراتی ہیں اور شروع ہی سے بچے کو ڈبوں کے دودھ پر لگا دیتی ہیں پھر جب ڈبے کا دودھ پی کر بچے بڑے ہوتے ہیں تو ماں کو ماں نہیں سمجھتے۔ اسی لئے کسی شاعر نے کہا

طفل سے بو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی

دودھ ڈبے کا پیا تعلیم ہے سرکار کی

جب نہ دین کی تعلیم پائی نہ ماں کا دودھ پیا تو پھر اس میں اچھے اخلاق کہاں سے آئیں گے۔

بچے پر ماں کے دودھ کے اثرات:

ایک ماں اپنے بیٹے سے ناراض ہوئی کہنے لگی بیٹے! تم نے میری بات نہ مانی تو میں کبھی بھی تمہیں اپنا دودھ معاف نہیں کرونگی۔ اس نے مسکرا کر کہا، امی! میں تو نیڈو کے ڈبے کا دودھ پی کر بڑا ہوا ہوں آپ

نے تو مجھے اپنا دودھ پلایا ہی نہیں مجھے معاف کیا کریں گی۔ تو واقعی ایسا دیکھا گیا کہ، ڈبوں کے دودھ کے اثرات اور ہوتے ہیں اور ماں کے دودھ کے اثرات اور ہوتے ہیں۔

بچے کو دودھ پلانے کے اثرات:

ماں کو چاہئے کہ بچے کو خود دودھ پلائے، خود بسم اللہ پڑھ لے اور جتنی دیر بچہ دودھ پیتا رہے ماں اللہ کے ذکر میں مشغول رہے ماں اللہ رب العزت کی یاد میں مشغول رہے ماں دعائیں کرتی رہے کہ اللہ! میرے دودھ کے ایک قطرے میں میرے بیٹے کو علم کا سمندر عطا فرما تو ماں کی اس وقت کی دعائیں اللہ کے یہاں قبول ہوتی ہیں ہمارے مشائخ جو گزرے ان کی ماؤں نے تو ایسی تربیت کی کہ باوضو اپنے بچوں کو ددھ پلاتی تھیں۔

اگر آج کوئی باوضو دودھ پلائے تو وہ بڑی خوش نصیب ہے اور اگر وضو نہیں کر سکتی تو کم از کم دودھ پلاتے وقت اللہ کا ذکر تو کر سکتی ہے۔ یہ نہ کرے کہ ادھر دودھ پلا رہی ہیں ادھر بیٹھی ٹی وی پر ڈرامہ دیکھ رہی ہیں ادھر فلم کا منظر دیکھ رہی ہے اگر گناہ کی حالت میں دودھ پلائے گی تو یہ بچہ نافرمان بنے گا اللہ کا بھی اور ماں باپ کا بھی۔ بعد میں رونے کا کیا فائدہ اس لئے بچپن سے ہی بچے کی تربیت ٹھیک رکھی جائے۔

پیدائش کے بعد تہنیک دینا:

جب بچے کی پیدائش ہو تو بچے کی تھنیک کروانا سنت ہے۔ تہنیک یہ ہے کہ کسی نیک بندے کے منہ میں دی ہوئی کوئی کھجور ہو، چپائی ہوئی کھجور ہو یا شہد ہو تو ایسی کوئی چیز بچے کے منہ میں ڈالنا یہ اللہ

کے نیک بندوں کا "سِلہ" جب بچے کے منہ میں جاتا ہے تو اس کی اپنی برکات ہوتی ہیں چنانچہ یہ تحنیک کسی نیک بندے سے کروانی چاہیئے وہ مرد بھی ہو سکتا ہے عورت بھی ہو سکتی ہے اس کی بہت برکات دیکھی گئی ہیں۔

تحنیک کے بعد اذان و اقامت کا عمل:

تحنیک کروانے کے بعد بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان کے اندر اقامت کہی جاتی ہے یہ اللہ رب العزت کا نام ہے جو بچے کے دونوں کانوں میں کہا جاتا ہے۔

سبحان اللہ! چھوٹی عمر میں بچہ ابھی سوجھ بوجھ نہیں رکھتا مگر اس کے کانوں میں اللہ نے اپنی بلندی اور عظمتوں کے تذکرے کروادیئے گویا اللہ کی عظمت سکھادی گئی اور یہ ایک Message (پیغام) بھی پہنچادیا گیا کہ جس طرح دنیا کے اندر اذان ہوتی ہے پھر اقامت ہوتی ہے اور اقامت کے بعد نماز پڑھنے میں تھوڑی دیر ہوتی ہے بالکل اسی طرح اے بندے تیری زندگی کی اذان بھی کہی جاچکی ہے تیری زندگی کی اقامت بھی کہی جاچکی ہے۔ تیری زندگی نماز کے مانند ہے اور نماز تو ہمیشہ امام کے پیچھے پڑھی جاتی ہے ایک شرعی طریقے سے پڑھی جاتی ہے تو یہ ایک پیغام ہے کہ اگر تو اپنی زندگی کو بھی صحیح گزارنا چاہتا ہے تو شریعت کے طریقہ کو اپنالینا اور نبی علیہ السلام کو زندگی کی نماز کا امام بنالینا پھر تیری نماز قبول ہو جائیگی اور بالآخر تجھے قبر میں جانا ہی ہے۔ تو یہ ابتدا میں اللہ رب العزت کا پیغام اس طرح اس بچے کے ذہن میں پہنچادیا جاتا ہے۔

بچے کا نام ہمیشہ اچھا رکھیں:

بچے کا اچھا نام رکھا جائے جیسے اللہ رب العزت کو عبد اللہ اور عبد الرحمن نام سب سے زیادہ پسند ہے اسی طرح عبد الرحیم نام پسند ہے تو ایسے نام رکھیں کہ قیامت کے دن جب پکارے جائیں تو اللہ رب العزت کو اس بندے کو جہنم میں ڈالتے ہوئے حیا محسوس ہو۔ اللہ تعالیٰ محسوس فرمائیں یہ میرا بندہ میرے رحمت والے نام کے ساتھ پکارا جاتا رہا اب اس کو جہنم میں کیسے ڈالوں تو ایسا نام ہونا چاہئے۔

آج کل ماں باپ نئے ناموں کی خوشی میں ایسے الٹے سیدھے نام رکھتے ہیں جو بے معنیٰ ہو جن کے معانی کا نہ ان کو پتا نہ کسی اور کو پتا، مہمل قسم کے نام رکھ دیتے ہیں یہ بچے کے ساتھ زیادتی ہے۔

بچے کے حقوق میں سے ہے کہ اس کا نام اچھا رکھا جائے ماں باپ کو چاہئے کہ بچے کا ایسا نام رکھیں کہ جب بچہ بڑا ہو اور اس کا نام پکارا جائے تو اسے خوشی ہو۔ یہ بچے کا حق ہے ماں باپ پر انبیاء کرام کے ناموں میں سے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ناموں میں سے یا اولیاء کرام کے ناموں سے نام دیں۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جس گھر کے اندر کوئی بچہ محمد نام کا ہوتا ہے اللہ رب العزت اس نام کی برکت سے سب اہل خانہ کو جہنم سے بری فرما دیتے ہیں تو محمد کا نام احمد کا نام بہت پیارا ہے ہمارے مشائخ تو دس دس نسلوں تک باپ کا نام محمد پھر بیٹے کا نام محمد پھر اس کے بیٹے کا نام محمد پھر اس کے بیٹے کا نام محمد رکھتے تھے یہ نام اتنا پیارا تھا کہ دس دس نسلوں تک یہی نام چلا جاتا تھا لہذا اس بات کا بھی خیال رکھیں۔

ساتویں دن عقیقہ سنت ہے:

جب بچے کی ولادت ہو تو ساتویں دن عقیقہ کرنا سنت ہے بیٹے کیلئے دو بکرے، بیٹی کے لئے ایک بکرا یہ خوشی کا اظہار ہے پھر ان کو قربانی کر کے خود ہی کھائیں رشتے داروں کو بھی کھلائیں اور غریبوں کو بھی دیں اس کے لئے ہر طرح کی اجازت ہے۔

بچوں کے سامنے بے شرمی والی باتوں سے اجتناب کریں:

بچے کا دماغ کیمرے کی طرح ہوتا ہے وہ ہر چیز کا عکس محفوظ کر لیتا ہے۔ حکماء نے لکھا ہے کہ چھوٹے بچے کے سامنے بھی کوئی بے شرمی والی حرکت نہ کریں میاں بیوی کوئی ایسا معاملہ نہ کریں کہ یہ چھوٹا ہے اسے کیا پتہ اگرچہ وہ چھوٹا ہوتا ہے لیکن اس کے ذہن کے بیک گراونڈ کے اندر یہ سب مناظر نقش ہو جاتے ہیں اس لئے اس کا بڑا خیال رکھیں۔

بچے کو گود میں لے کر ذکر اذکار کا معمول بنائیں:

ماں باپ گھر کے کام کاج بھی کرتے ہیں عبادت بھی کرتے ہیں تو جب بھی ماں باپ عبادت یا تلاوت کیلئے بیٹھیں تو اپنے بچے کو بھی گود میں لے کر بیٹھے پھر اللہ رب العزت کا کلام پڑھے آپ کے قرآن پڑھنے کی برکتیں آپ کے بچے کے اندر اس وقت اتر جائیں گی اسی طرح جب بھی عبادت کرنے تلاوت کرنے دعاء کرنے بیٹھیں تو بچے کو اپنی گود میں لے کر بیٹھنے کی کوشش کریں جب بچے کو کھلانا ہو سلانا ہو تو بچے کو لوری بھی اچھی دیں اور اللہ اللہ کا نام اس کے سامنے کہنے کی کوشش کریں۔

بچے کو سکون کی نیند دلانے کی دعا:

جب بچے رات کو سوتے ہیں تو کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بچے رات کو جلد نہیں سوتے روتے رہتے ہیں ان کو نیند نہیں آتی بات یہ ہے کہ وہ بیچارے بول بھی نہیں سکتے اپنے جسم کی تکلیف بتا بھی نہیں سکتے ماں خود اندازہ لگالے تب اسے پتہ چلے گا کہ فلاں وجہ سے رو رہا ہے ورنہ نہیں اب ماں کو خود بخود اس پر غصہ ہوتی ہے۔۔۔روتا ہے۔۔۔سو نہیں رہا۔ایسے وقت میں ماں کو چاہئے کہ وہ صبر وہ تحمل سے کام لے اور ایک دعا بزرگوں نے بتائی ہے اس کو پڑھ کر دم کر لیا کرے۔

اَللّٰهُمَّ غَارَتِ النُّجُوْمِ وَهَدَاتِ الْعُيُوْنِ اَنْتَ حَيٌّ قَيُّوْمٌ لَا تَأْخُذُكَ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ اِهْدِ لَيْلِيْ وَاَنِمْ عَيْنِيْ۔

جب یہ دعا پڑھ کر بچے پر دم کر دیں گی تو اللہ رب العزت بچے کو سکون کی نیند عطا کریں گے اگر بچی ہے تو **لَيْلَهَا وَاَنِمْ عَيْنَهَا** کا صیغہ استعمال کر لیں یعنی موئنث تانیث کیلئے ہوتا ہے تو اس طرح اس دعا کو پڑھ لینے اور دم کر دینے سے بچوں کو نیند جلد آجاتی ہے۔

بچوں کی حفاظت کیلئے انمول وظیفہ:

جب بچے سو رہے ہوں تو ان پر حفاظت کا حصار ضرور بنا لیا کریں ہمارے مشائخ نے یہ حفاظت کا حصار بتایا ہے اور اس کی اتنی برکتیں ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ موت کے سوا کوئی مصیبت نہیں آسکتی۔وہ حصار یہ ہے کہ پہلے درود شریف پڑھ لیں پھر الحمد شریف پوری سورت پڑھیں پھر آیت الکرسی پڑھیں پھر

چار و قل پڑھیں آخیر میں درود شریف پڑھ لیں اور یہ سب کچھ پڑھ کر اپنے بچوں کے گرد اور جہاں بزنس، دکان، دفتر وغیرہ ہو ان سب کا تصور کر کے ان کے گرد اپنے تصور کا دائرہ بنالیں جس جس چیز کے گرد آپ دائرہ بنائیں گے وہ سب چیزیں اللہ رب العزت کی حفاظت میں آجائیں گی۔

یہ حصار جس دن میں اور جس رات میں آپ بچوں کے گرد بنائیں گے آپ کے بچے فتنوں سے مصیبتوں سے محفوظ رہیں گے اور جس دن کوئی مصیبت آنی ہو گی آپ دیکھنا کہ آپ اس عمل کو بھول بیٹھیں گے تب کوئی مصیبت آئے گی ورنہ اللہ رب العزت کی حفاظت میں رہیں گے۔

بچوں کو سب سے پہلے "اللہ" کا لفظ سکھائیں:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس ماں نے یا باپ نے بچے کی تربیت ایسی کی کہ اس نے بولنا شروع کیا اور اس نے سب سے پہلے اللہ کا نام زبان سے نکالا تو اللہ تعالیٰ اس کے ماں باپ کے سب پچھلے گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں اب یہ کتنا آسان کام ہے لیکن آجکل کی مائیں اس طرف توجہ نہیں دیتیں کئی عورتوں کو تو پتہ ہی نہیں ہوتا۔

بچوں سے امی ابو نہ کہلوائیں ان کے سامنے پہلے اللہ کا لفظ کہیں اور بار بار کہیں جب بار بار اللہ کہیں گی تو بچہ بھی اللہ ہی بولے گا اور یہ لفظ اس کو نکالنا آسان بھی ہے اگر لوری بھی دیں تو ایسی جو پیار والی نیکی والی ہو پہلے وقت کی مائیں اپنے بچوں کو لوری دیتی تھیں "**حَسْبِیْ رَبِّیْ جَلَّ اللّٰہُ مَافِیْ قَلْبِیْ غَیْرَ اللّٰہُ۔ نُوْرُ مُحَمَّدْ صَلَّی اللّٰہُ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ**"۔

یہ **لا الٰہ** کی ضربیں لگتی تھیں تو بچہ کے دل پر اس کے اثرات ہوتے تھے اس کے دو فائدے ہیں ایک تو ماں کا وقت اللہ کے ذکر میں گزرا دوسرے بچے کو اللہ کا نام سننے کا موقع ملا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ماں کہتی تھی اللہ اللہ لوری دودھ بھری کٹوری، ذلفی دودھ پئے گا نیک بن کر جئے گا فرماتے ہیں کہ شائد یہ ماں کی وہ دعائیں ہیں کہ اللہ نے نیکوں کے قدموں میں بیٹھنے کی جگہ عطا فرمادی۔

آج پچاس سال یعنی نصف صدی گزر گئی مگر وہ نیک بن کر جئے گا کے الفاظ آج بھی ذہن کے اندر اپنے اثرات رکھتے ہیں تو اس لئے ماں کو چاہئے کہ لوری بھی دے تو ایسی ہو کہ جس میں نیکی کا پیغام بچے کو پہنچ رہا ہو۔

بچے کو خالق حقیقی کا تعارف:

بچے کا ایمان مضبوط کرنے کیلئے ماں کو چاہئے کہ وہ کوشش کرتی رہے بچہ بڑا ہو گیا اب اس کو کوئی ڈرانے کی بات آئی تو کبھی بھی کتے بلی سے نہ ڈرائیں کبھی جن بھوتوں سے نہ ڈرائیں جب بھی کوئی بات ہو تو بچے کے ذہن میں اللہ کا تصور ڈالیں کہ بیٹا! اگر تم ایسے کرو گے تو اللہ میاں ناراض ہو جائیں گے۔

اب جب آپ پیار سے سمجھائیں گی کہ اللہ میاں ناراض ہو جائیں گے تو بچہ پوچھے گا کہ اللہ میاں کون ہیں؟ اب آپ کو اللہ رب العزت کا تعارف کروانے کا موقع مل جائیگا آپ تعارف کروائیں اللہ وہ ہے جس نے آپ کو دودھ عطا کیا اللہ وہ ہے جس نے آپ کو سماعت دی۔ دیکھنے کو بصارت دی جس نے آپ کو

عقل عطا کی جس نے مجھے بھی پیدا کیا اور آپ کو بھی پیدا کیا ہم سب اللہ کے بندے ہیں جب آپ اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریفیں کریں گی اور اس کے انعامات کا تذکرہ کریں گی تو بچپن ہی سے بچے کے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت اور جنت میں جانے کا شوق پیدا ہو جائیگا اس طرح اس کے دل میں ایمان مضبوط ہو گا۔

بچپن ہی سے تربیت والدین کی اولین ذمہ داری:

ماں باپ کو چاہئے کہ وہ اولاد کو دین سکھائیں تاکہ بچے بڑے ہو کر ماں باپ کے بھی فرماں بردار بنیں اور اللہ تعالی کے بھی فرماں بردار بنیں شروع سے بچے کو نیکی سکھانا ماں باپ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

ماں بننا آسان ہے مگر ماں بن کر تربیت کرنا بمشکل کام ہے آجکل کی سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ بچیاں جوان ہو جاتی ہیں اپنی شادی کے بعد مائیں بن جاتی ہیں مگر دین کا علم نہیں ہوتا اس لئے ان کو سمجھ نہیں ہوتی کہ بچوں کی تربیت کیسے کرنی ہے اس لئے ایسی محفلوں میں آنا ضروری ہوتا ہے تاکہ بچیوں کو پتہ چل سکے کہ دینی نقطۂ نظر سے ہم نے اپنی اولادوں کی تربیت کیسے کرنی ہے اور ایسی تقاریر ہوں کتابیں ہوں ان کو تحفہ کے طور پر دوسروں کو بھی پیش کرنا چاہئے تاکہ وہ بھی ان باتوں کو سن کر اپنی زندگی میں لاگو کر سکیں۔

اولاد کا حق ماں باپ پر:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک باپ اپنے بیٹے کو لے کر آیا۔ بیٹا جوانی کی عمر میں تھا مگر وہ ماں باپ کا نافرمان تھا۔ اس نے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

سامنے اپنا مقدمہ پیش کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے مگر میری کوئی بات نہیں مانتا نافرمان بن گیا ہے آپ اسے سزا دیں یا سمجھائیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب باپ کی بات سنی تو بیٹے کو بلا کر پوچھا کہ بیٹے بتاؤ تم اپنے باپ کی نافرمانی کیوں کرتے ہو اس بیٹے نے آگے سے پوچھا کہ امیر المؤمنین ! کیا والدین کے ہی اولاد پر حقوق ہوتے ہیں یا کوئی اولا کا بھی ماں باپ پر حق ہوتا ہے اولاد کے حق بھی ماں باپ پر ہوتے ہیں۔

اس نے کہا کہ میرے باپ نے میرا کوئی حق ادا نہیں کیا۔ سب سے پہلے اس نے جو ماں چنی وہ ایک باندی تھی جس کے پاس کوئی علم نہیں تھا۔ نہ اس کے اخلاق صحیح نہ علم ایسا اس نے اس کو اپنایا اور اس کے ذریعہ سے میری ولادت ہو گئی دوسرے میرے باپ نے میرا نام جعل رکھا جعل کا لفظی مطلب گندگی کا کیڑا ہوتا ہے۔ یہ بھی کوئی رکھنے والا نام تھا جو میرے باپ نے رکھا۔

پھر ماں کے پاس دینی علم نہیں تھا اس نے مجھے کوئی دین کی بات نہیں سکھائی اور میں بڑا ہو کر جوان ہو گیا اب میں نافرمانی نہیں کروں گا تو اور کیا کروں گا حضرت عمرؓ نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ بیٹے سے زیادہ تو ماں باپ نے اس کے حقوق کو پامال کیا اس لئے اب یہ بیٹے سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتے اور آپ نے مقدمے کو خارج کر دیا۔

عظیم ماں ! بچے کو کبھی بد دعا نہ دینا:

بعض مرتبہ بچے غلطی کر بیٹھتے ہیں اگر بچہ غلطی کرے آپ کو تکلیف پہنچائے۔ اور جتنا مرضی ستائے مگر کسی حال میں بھی بچے کو بد دعا نہ دینا۔ شیطان دھوکہ دیتا ہے ماں کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ

میں دل سے بد دعا نہیں کر رہی ہوں اوپر اوپر سے کہہ رہی ہوں اور اس دھوکہ میں کئی مرتبہ مائیں آجاتی ہیں اور زبان سے برے الفاظ کہہ جاتی ہیں یاد رکھنا یہ اولاد اللہ کی نعمت ہے اس کو بد دعا دینا نعمت کی ناقدری ہے اور اللہ کتنا کریم ہے ہم جیسے ناقدری کریں تو بدلہ میں آپ دعائیں دیں۔ اور اپنی زبان سے بد دعا نہ دے بلکہ بچوں کیلئے خوب خوب دعائیں کیا کریں رات کو تنہائی میں بھی اللہ سے لو لگا کر بیٹھیں۔

آج بچیوں کو تربیت کا پتہ نہیں ہوتا کئی تو بیچاری ایسی ہوتی ہیں کہ چھوٹے سے بچے سے اگر غلطی ہوئی یا بچے نے بولنا شروع کر دیا تو غصہ میں آکر اب اس کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ کیا کہہ رہی ہیں۔ کبھی اپنے آپ کو کوسنا شروع کر دیتی ہیں۔

یاد رکھنا کبھی بچے کو بد دعائیں نہ دینا۔ زندگی میں کوئی ایسا وقت نہ آئے کہ غصہ میں آکر بد دعائیں دینے لگ جائیں ایسا کبھی نہ کرنا۔ اللہ کے یہاں ماں کا جو مقام ہوتا ہے۔ ماں کے دل اور زبان سے جو دعا نکلتی ہے وہ سیدھی اوپر جاتی ہے، عرش کے دروازے کھل جاتے ہیں تو اللہ کے یہاں پیش کر دی جاتی ہے اور قبول کر لی جاتی ہے۔

مگر شیطان بڑا مردود ہے وہ ماں کے ذہن میں یہ ڈالتا ہے کہ میں گالی تو دیتی ہوں مگر میرے دل میں نہیں ہوتی۔ یہ شیطان کا بڑا پھندا ہے حقیقت میں تو بد دعا کے الفاظ کہلواتا ہے اور ماں کو تسلی دیتا ہے کہ تو نے تو کہا تھا کہ تم مر جاؤ مگر تمہارے دل میں نہیں تھا۔ کبھی بھی شیطان کے دھوکہ میں نہ آنا بچے کو بد دعا نہ دینا کئی مائیں بچے کو بد دعا دے کر ان کی عاقبت خراب کر دیتی ہیں اور اپنی زندگی برباد کر دیتی ہیں۔

ماں کی بددعا کا اثر:

ایک عورت کو اللہ نے بیٹا دیا مگر وہ غصہ میں خود پر قابو نہیں پاسکتی تھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر خود کو سنے لگ جاتی ایک مرتبہ بچے نے کوئی بات ایسی کر دی کہ ماں کو غصہ آیا اور کہنے لگی کہ تو مر جاتا تو اچھا تھا، اب ماں نے جو الفاظ کہہ دیئے اللہ نے اس کی دعا کو قبول کر لیا مگر بچے کو اس وقت موت نہ دی، بلکہ اس بچے کو اللہ نے نیک بنایا اچھا اور لائق بنایا۔

جب وہ بچہ جوان ہوا نیک بن گیا لوگوں میں عزت ہوئی لوگ نام لیتے کہ بیٹا ہو تو ایسا ہو جیسا کہ یہ بیٹا ہے اور اللہ نے اس کو کاروبار بھی اچھا دیا لوگوں میں اس کی عزت تھی خوب تذکرے اور چرچے تھے اب ماں نے اس کی شادی کا پروگرام بنایا۔ خوبصورت لڑکی تلاش کی گئی شادی کی تیاریاں ہوئیں جب شادی میں صرف چند دن باقی رہ گئے اس وقت اللہ نے اس بیٹے کو موت عطا کر دی اب ماں رونے بیٹھ گئی کہ میرا تو جوان بیٹا رخصت ہو گیا رو رو کر اس کا برا حال ہو گیا۔

کسی اللہ والے کو اللہ نے خواب میں بتایا کہ ہم نے اس کی دعا ہی کو قبول کیا تھا۔ جب اس نے بچپن میں کہا تھا کہ تو مر جاتا تو اچھا تھا ہم نے یہ نعمت اس وقت واپس نہیں لی ہم نے اس نعمت کو بھرپور بننے دیا۔ جب عین شباب کے عالم میں جوانی کے عالم میں پہنچا یہ نعمت پک کر تیار ہو گئی تو ہم نے اس وقت پھل کو توڑا تاکہ ماں کو سمجھ لگ جائے کہ اس نے کس نعمت کی ناقدری کی۔ اب سوچئے اپنی بددعائیں اپنے سامنے آتی ہیں یہ قصور کس کا ہوا۔ اولاد کا ہوا یا ماں باپ کا ہوا۔ اس لئے یہ بہت ضروری ہے کہ بچے کو کبھی بددعا نہ

دیں ہر حال میں دعا ہی دیں۔اللہ کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ آپ کی دعاؤں کے صدقے بچے کو قبولیت عطا فرمادے اور بچہ نیک بن جائے اور بچے کی زندگی آپ کیلئے صدقہ جاریہ بن جائے۔

باپ کی توجہ کی اہمیت:

جس طرح ماں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کی تربیت کا خیال رکھے اسی طرح باپ کی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت کی فکر کرے۔جو باپ گھر کے ماحول کی طرف توجہ نہیں کرتا اور اولاد کی تربیت کی فکر نہیں کرتا اس کی اولاد بگڑ جاتی ہے جیسے بعض لوگوں کو اپنی بزنس سے فرصت نہیں ملتی ان کے بچوں کی تربیت صحیح نہیں ہوتی۔اس لئے کسی نے کہا ہے:

لیس الیتیم قد مات والدہ۔بل الیتیم یتیم العلم والعمل

(یتیم وہ نہیں ہوتا جس کے ماں باپ مر جاتے ہیں، یتیم تو وہ ہوتا ہے جو علم اور عمل سے محروم کر دیا جاتا ہے)

یہ بات ذہن میں رکھنا کہ جس ماں کی بات بچے مانتے نہیں اور باپ کے پاس گھر میں وقت دینے کی فرصت نہیں وہ بچے زندہ ہوتے ہیں مگر کسی یتیم کے مانند ہوتے ہیں ان بیچاروں کی تربیت کبھی نہیں ہو سکے گی۔ لہذا خاوند کو چاہئے کہ اپنے نظام الاوقات میں جہاں اور کام رکھے ہیں وہاں بچوں کیلئے بھی وقت ضرور رکھے۔

بچے کورے کاغذ کے مانند ہیں:

یاد رکھئے کہ بچے کورے کاغذ کے مانند ہوتے ہیں ان پر خوبصورت پھول بوٹے بنانا یا الٹی سیدھی لکیریں لگانا یہ سب والدین کا کام ہوتا ہے اگر ماں باپ نے اچھی پرورش کی تو سب پھول بوٹے بن گئے اور اگر اس کی تربیت کا پتہ ہی نہیں تو پھر اس نے الٹی سیدھی لکیریں لگادیں اور گویا ان بچوں کو بگاڑنے میں معاون بن گئے۔

پرورش سے مراد یہی نہیں ہوتی کہ بچے کا جسم بڑا کرنا ہوتا ہے بلکہ پرورش سے مراد یہ ہے کہ جس طرح جسم بڑھے ساتھ ہی دل کی صفات بھی بڑھیں دماغی صلاحیتیں بھی کھل کر سامنے آئیں تو جو اچھے ماں باپ ہوتے ہیں وہ فقط بچے کو بڑا نہیں کرتے اس کے دل کو بھی بڑا کرتے ہیں اور ان کے اندر ایسی سوچ ڈالتے ہیں کہ چھوٹی عمر ہی میں دماغی صلاحتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں یہ دل ودماغ کی صلاحیتوں کو کھولنا ماں باپ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

باوضو کھانا پکایئے:

تربیت کے سلسلے میں یہ بات بھی ذہن میں رکھیں اور کوشش کریں کہ جب بھی کھانا پکائیں تو باوضو کھانا پکائیں اگر وضو رکھنا مشکل ہو تو کم از کم اذکار کرتی رہا کریں زبان سے **سبحان اللہ** پڑھ لیا کریں **الحمد للہ** پڑھ لیا کریں اللہ اکبر پڑھ لیا کریں **لا الہ الا اللہ** کا ورد کیا کریں یہ ورد ان الفاظ کا تو ہر

عورت ہر حال میں کر سکتی ہے جسم پاک ہو پھر بھی کر سکتی ہے۔ ناپاکی کی حالت میں فقط قرآن مجید اور نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے باقی اس قسم کے اذکار زبان سے کئے جا سکتے ہیں۔

تو کھانا پکاتے ہوئے اگر آپ اللہ کا ذکر کریں گی **سبحان اللہ** اس کی برکتیں ہونگی اور اگر پاکی کے ایام ہیں اور آپ کو کچھ سورتیں یاد ہیں تو ان صورتوں کو پڑھئے تاکہ قرآن پڑھنے کی برکتیں آپ کے کھانے میں آجائیں۔

باوضو کھانا پکانا صحابیاتؓ کا عمل:

ایک صحابیہؓ نے تنور پر روٹیاں لگوائیں جب پک کر تیار ہو گئیں تو فرمانے لگیں بہن میرا تو کھانا بھی تیار ہو گیا اور میرے تین پارے کی تلاوت بھی مکمل ہو گئی معلوم ہوا کہ جتنی دیر روٹیاں لگاتی تھیں یہ زبان سے اللہ کا قرآن پڑھتی رہتی تھیں تو یہ صحابیات رضی اللہ عنھن کی سنت ہے آپ بھی اس کو ادا کریں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ متعلقین میں سے ایک شخص کے یہاں جانا ہوا انہوں نے کہا کہ حضرت یہ آپ کا کھانا گھر میں بنا تو اس کو پکانے کیلئے میری اہلیہ نے ۲۱ مرتبہ سورۃ یسین شریف مکمل پڑھی اس پر خوشی ہوئی کہ آج بھی نیک عورتیں ایسی ہیں کہ کھانا پکانے کے دوران اللہ کا قرآن ان کی زبان پر ہوتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں یاد ہوں تو پڑھتی رہیں سورہ اخلاص تو ہر مسلمان بندے کو یاد ہوتی ہے فقط یہی پڑھتی رہیں تو یہ بھی کافی ہے اگر سورتیں نہیں پڑھ سکتیں تو چلو ذکر ہی کر لیں۔ **سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر** یہ کلمات پڑھنے میں تو آسان ہیں اللہ رب العزت کو بھی بڑے محبوب ہیں۔

باوضو پکے ہوئے کھانے کے اثرات

آپ جب اس طرح قرآن پڑھ کر ذکر کر کے کھانا پکائیں گی تو یہ کھانا آپ کے میاں کھائیں گے تو ان کے دل میں نیکی کے اثرات آئیں گے نیکی کا شوق آئے گا۔ بچے کھائیں گے تو ان کے دل میں نیکی کا شوق آئے گا۔ جو کچھ ہم کھاتے ہیں وہی تو ہمارے جسم کا گوشت بنتا ہے اگر ذکر سے پکا ہوا ہے تو پھر اس سے جسم کے جو ٹشوز بنیں گے یقیناً ان میں اللہ رب العزت کی محبت سموئی ہوئی ہوگی۔ اور اگر حرام کھائیں گے ناپاکی اور غفلت کی پکی ہوئی غذا کھائیں گے تو جو ٹشو جسم میں جا کر بنیں گے انسان کو وہ گناہ پر اکسائیں گے۔

جس ماں نے اپنے بچوں کو غذا اچھی دیدی وہ سمجھ لے کہ میں نے بچوں کی آدھی سے زیادہ تربیت کر دی اس کا اتنا اثر ہے بچوں کے نیک بننے میں۔ لہذا ان کو ذکر والا کھانا کھلایئے اور باوضو کھانا کھلایئے تا کہ اللہ رب العزت ان کے اثرات بچوں پر وارد فرمائیں۔

بچوں کو شروع سے صفائی کا عادی بنائیں:

ایک کام یہ کریں کہ بچے کو بچپن سے ہی صفائی رکھنا سکھائیں۔ ماں باپ کی ذمہ داری ہوتی ہے اور ان کو یہ سمجھائیں کہ اللہ رب العزت پاکیزہ رہنے والوں سے محبت فرماتے ہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واللہ یحب المتطہرین

اور اللہ تعالیٰ طہارت کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔

کہیں فرمایا:

الطھور شطر الایمان

پاکیزگی تو آدھا ایمان ہے!

اگر آپ بچے کو اچھی طرح سمجھائیں گے تو پھر بچہ صاف رہنا پسند کرے گا۔ چنانچہ اچھے لوگ پیدا نہیں ہوتے اچھے لوگ تو بنائے جاتے ہیں ماں اپنی گودوں میں لوگوں کو اچھا بنادیا کرتی ہیں گرمی کے موسم میں بچے کو روزانہ غسل کروائیں کپڑا گندہ دیکھیں تو فوراً بدل دیں بستر ناپاک ہر گز نہ رہنے دیں فوراً اسے پاک کریں بہر حال بچے کی یہ ڈیوٹی تو دینی ہی پڑتی ہے اور اسی پر ماں کو اس کا اجر و ثواب ملتا ہے لہذا بچوں کی صفائی کا خاص خیال رکھیں۔

بچوں کو بولنے کا ادب سکھائیں:

بعض بچے تو اور تم کہہ کر بات کرتے ہیں ان کو سمجھائیں کہ بیٹا آپ کہنے سے محبت بڑھتی ہے لہذا چھوٹوں کو بھی آپ کہو بڑوں کو بھی آپ کہو۔ بچہ ہاں کہے تو اس کو سمجھائیں کہ بیٹا جی ہاں کہنے میں زیادہ محبت ہے اس طرح چھوٹی چھوٹی باتیں بچہ گود میں سیکھتا ہے اور پھر وہ اسے یاد رہتی ہیں یاد رکھنا کہ بچپن کی باتیں انسان کو پچپن میں بھی نہیں بھولا کرتیں ساری زندگی یاد رہتی ہیں۔

اس لئے بچوں کی تربیت اچھی کریں یہ تو طے شدہ بات ہے کہ جو گھاس جنگلوں میں پیدا ہو وہ باغ کی طرح نہیں ہوتی کہ جنگلوں کی گھاس میں کوئی خوبصورتی نہیں ہوتی تربیت نہیں ہوتی اور باغ کی گھاس

کے اندر خوبصورتی اور جمال ہوتا ہے اسی طرح ان پڑھ ماں کے جو بچے پلے ہوں وہ جنگلوں کی گھاس کے مانند ہوتے ہیں اور جو پڑھی لکھی نیک ماں کے پلے ہوئے بچے ہوں وہ باغ کی گھاس کے مانند ہوتے ہیں تو ماں کو چاہئے کہ بچوں کی تربیت پر خوب توجہ دے۔

پہلے خود نماز کی پابندی کرو:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (1)

اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس کی پابندی کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عجیب ترتیب رکھی ہے بظاہر یہ ہونا چاہئے تھا کہ پہلے خود نماز قائم کرو اور پھر اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو۔ لیکن یہاں ترتیب الٹ دی ہے کہ پہلے اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور پھر خود بھی اس کی پابندی کرو اس ترتیب میں اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ تمہارا اپنے گھر والوں کو یا اولاد کو نماز کا حکم دینا اس وقت تک موثر اور فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔

جب تک تم ان سے زیادہ نماز کی پابندی نہیں کروگے اب زبان سے تو تم نے ان کو کہہ دیا کہ نماز پڑھو لیکن خود اپنے اندر نماز کا اہتمام نہیں ہے تو اس صورت میں ان کو نماز کیلئے کہنا بالکل بیکار جائے گا

---

(1) سورہ طٰہ ۱۳۲

لہذا اپنے گھر والوں اور اپنی اولاد کو نماز کا حکم دینے کا ایک لازمی حصہ یہ ہے کہ ان سے زیادہ پابندی خود کرو اور ان کیلئے ایک مثال اور نمونہ بنو۔

اللہ کے نبی نے فرمایا کہ بچہ جب سات برس کا ہو جائے تو نماز کا حکم کرو اور جب دس برس کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر اس پر سختی کرو اور اس کا بستر علیحدہ کر دو۔ سات سال کے بچے پر نماز فرض نہیں ہے لیکن ابھی سے نماز کا حکم اس لئے دیا جارہا ہے کہ اس کو نماز کی عادت پڑ جائے جب ابھی سے نماز پڑھے گا تو بالغ ہونے تک اس کی عادت ہو جائیگی اور پھر زندگی میں کبھی نماز نہ چھوڑے گا چونکہ نماز بڑی اہم عبادت اور اسلام کا اہم فریضہ ہے۔

آج بچے بالغ اور بڑے ہو کر بھی نماز نہیں پڑھتے اس لئے کہ بچپن سے نہ تو نماز کی عادت ڈالی گئی نہ اسکی اہمیت بتائی گئی۔ بچوں کو تو کیا بتاتے بڑے ہی نماز نہیں پڑھتے۔ اللہ سب کو نمازی بنائے۔ آمین۔

بچوں کے ساتھ جھوٹ مت بولو:

حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے ایک خاتون نے اپنے بچے کو گود میں لینے کیلئے بلایا بچہ آنے میں تردد کر رہا تھا، تو اس خاتون نے کہا کہ ہمارے پاس آؤ، ہم تمہیں کچھ چیز دیں گے اب وہ بچہ آگیا آنحضرت ﷺ نے اس خاتون سے پوچھا کہ تم نے بچے کو یہ جو کہا کہ تم ہمارے پاس آؤ ہم تمہیں کچھ دیں گے تو کیا تمہاری واقعی کچھ دینے کی نیت تھی؟ اس خاتون نے جواب دیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے پاس ایک کھجور تھی اور یہ کھجور اس کو دینے کی نیت تھی آپ نے فرمایا اگر دینے کی نیت نہ ہوتی تو یہ

تمہاری طرف سے بڑا جھوٹ ہوتا اور گناہ ہوتا۔اس لئے کہ تم بچے سے جھوٹا وعدہ کر رہی ہو گویا اس کے دل میں بچپن سے یہ بات ڈال رہی ہو کہ جھوٹ بولنا وعدہ خلافی کرنا کوئی ایسی بری بات نہیں ہوتی۔

بچوں کو تربیت دینے کا انداز:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے نواسے حضرت حسنؓ جبکہ ابھی بچے ہی تھے ایک مرتبہ صدقہ کی کھجور اٹھا کر منہ میں رکھ لی جب حضور ﷺ نے دیکھا تو فوراً فرمایا **کخ کخ** عربی میں یہ لفظ ایسا ہے جیسے ہماری زبان میں تھو تھو کہتے ہیں یعنی اگر بچہ کوئی چیز منہ میں ڈال لے تو اس کی برائی اور شناعت کے اظہار کے ساتھ وہ چیز اس کے منہ سے نکلوانا مقصود ہو تو یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

بہر حال حضور ﷺ نے فرمایا **کخ کخ** یعنی اس کو منہ سے نکال کر پھینک دو کیا تمہیں معلوم نہیں ہم بنی ہاشم صدقے کا مال نہیں کھاتے۔ایک طرح حضور ﷺ کو اپنے نواسے حضرت حسنؓ سے اتنی محبت ہے دوسری طرف جب انہوں نے نادانی میں ایک کھجور منہ میں رکھ لی تو آپ ﷺ کو یہ گوارہ نہ ہوا کہ وہ اس کھجور کو کھائیں۔چونکہ ان کو پہلے سے اس کی تربیت دینی تھی اس لئے فوراً وہ کھجور منہ سے نکلوائی اور فرمایا کہ یہ ہماری چیز نہیں۔

بچوں سے محبت کی حد:

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ بچے کی تربیت چھوٹی چھوٹی چیزوں سے شروع ہوتی ہے اس سے اس کا ذہن بنتا ہے اسی سے اسکی زندگی بنتی ہے اور یہ آپ ﷺ کی سنت ہے۔آج کل یہ عجیب منظر

دیکھنے میں آتا ہے کہ ماں باپ کے اندر بچوں کو غلط باتوں پر ٹوکنے کا رواج ہی ختم ہو گیا ہے آج سے پہلے بھی ماں باپ بچوں سے محبت کرتے تھے لیکن وہ عقل اور تدبیر کے ساتھ محبت کرتے تھے۔

لیکن آج کل یہ محبت اور لاڈ اس درجے تک پہنچ چکا ہے کہ بچے کتنے ہی غلط کام کرتے رہیں، غلط حرکتیں کرتے رہیں۔ لیکن ماں باپ ان غلطیوں پر ٹوکتے ہی نہیں ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نادان بچے ہیں ان کو ہر قسم کی چھوٹ ہے ان کو روک ٹوک کی ضرورت نہیں ارے بھائی یہ تو سوچو کہ اگر وہ بچے نادان ہیں مگر تم تو نادان نہیں ہو تمہارا فرض ہے کہ ان کو تربیت دو اگر کوئی بچہ ادب کے خلاف تمیز کے خلاف یا شریعت کے خلاف کوئی غلط کام کر رہا ہے تو اس کو بتانا ماں باپ کے ذمے فرض ہے۔

اس لئے کہ وہ بچہ اسی طرح بد تہذیب بن کر بڑا ہو گیا تو اس کا وبال تمہارے اوپر ہے کہ تم نے اس کو ابتدا سے اس کی عادت نہیں ڈالی بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کی چھوٹی چھوٹی حرکتوں پر بھی نظر رکھو۔

بچوں کو برے دوستوں سے بچایئے:

ایک بات اور ذہن میں رکھیں کہ بچوں کو برے دوستوں سے بچانے کا اہتمام کریں۔ یاد رکھنا کہ بچے اپنے دوستوں سے اتنی گندی باتیں سیکھتے ہیں کہ جن باتوں کا ماں باپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کلاس روم میں بچے کن کے پاس بیٹھتا ہے اس کا بھی ٹیچرس پتہ کرتے رہیں اور ٹیچر سے کہیں کہ وہ بھی بچہ پر نظر رکھے۔

بچہ کے دوست اگر اچھے ہوں گے تو بچے کی کشتی کنارے لگ جائیگی اور اگر دوست برے ہوئے تو بچے کی کشتی کو ڈبو کر رکھ دیں گے۔ دوست ہی بناتے ہیں دوست ہی بگاڑتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

المرء علیٰ دین خلیله

انسان تو اپنے دوستوں کے دین پر ہوتا ہے

اس لئے اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔ پہلے وقت میں ہمارے مشائخ اپنے بچوں کو اس کی نصیحت کیا کرتے تھے دوستوں کے بارے میں۔

امام باقرؒ کی اپنے بیٹے کو نصیحتیں:

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے والد امام باقرؒ نے پانچ نصیحتیں کیں کہ بیٹا پانچ لوگوں سے دوستی نہ کرنا۔ بلکہ اگر کہیں راستے میں چل رہے ہیں تو ان کے ساتھ ملکر بھی نہ چلنا وہ اتنے خطرناک ہوتے ہیں۔ میں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا!

ایک جھوٹے سے دوستی نہ کرنا۔

میں نے پوچھا کیوں؟ وہ فرمانے لگے اس لئے کہ وہ دور کو قریب اور قریب کو دور دکھائے گا اور تمہیں دھوکہ میں رکھے گا میں نے کہا اچھا۔

دوسرا فرمانے لگے:

تم کسی بخیل سے دوستی نہ کرنا۔ کنجوس مکھی چوس سے دوستی نہ کرنا

میں نے کہا کیوں؟ فرمانے لگے، وہ تمہیں اس وقت چھوڑ دے گا جب تمہیں اس کی بہت زیادہ ضرورت ہوگی، وہ دھوکہ دے جائیگا۔

تیسرا فرمانے لگے:

فاجر وفاسق سے دوستی نہ کرنا، جو اللہ کے حکموں کو توڑنے والا ہو۔

میں پوچھا کس لئے؟ فرمایا اس لئے کہ وہ تمہیں ایک روٹی کے بدلے بیچ ڈالے گا بلکہ ایک روٹی سے کم کے بدلے میں بیچ دے گا۔

میں نے پوچھا ابو! ایک روٹی کے بدلے بیچنے بیچنے کی بات سمجھ میں آتی ہے ایک روٹی سے کم میں کیسے بیچے گا۔ فرمایا بیٹے وہ ایک روٹی کی صرف امید پر تمہارا سودا کر دے گا، اور تمہیں پتہ بھی نہ چلنے دے گا یعنی فاسق بندے کا کیا اعتبار ہے جو خدا کے ساتھ وفادار نہیں وہ بندوں کا وفادار کیسے ہو سکتا ہے۔

چوتھا فرمایا کہ:

بے وقوف سے دوستی نہ کرنا،

میں نے پوچھا کس لئے؟ فرمایا اس لئے کہ وہ تمہیں نفع پہنچانا چاہے گا اور نقصان پہنچا دے گا۔

پانچواں فرمایا:

قطع رحمی کرنے والے رشتے توڑنے والے بے وفا انسان کے ساتھ دوستی نہ کرنا کہ بے وفا بالآخر بے وفا ہوتا ہے۔

تو پہلے وقت میں والدین اپنے بچوں کو اس طرح کی نصیحتیں کیا کرتے تھے۔

بچوں کو سلام اور شکریہ ادا کرنے کی عادت ڈالیں:

چھوٹے بچوں کو سلام کرنے کی عادت ڈالیں ان کو بتائیں کہ بیٹے بڑوں کو دیکھیں تو سلام کرتے ہیں سلام کے الفاظ بچوں کو سکھائیں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم سلام کو عام کرو اور ایک دوسرے کے درمیان رواج دو۔

تو تمہیں چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ بچے کو سلام کہنے کی عادٹ دالیں اس سے بچے کے دل میں جھجک دور ہو جاتی ہے اور ڈپریشن میں نہیں جاتا دوسروں کو دیکھ کر خوفزدہ نہیں ہوتا بلکہ اس کو سلام کرنے کی عادت ہوتی ہے تو ماں کو چاہئے کہ بچے کو سلام کہنے کا طریقہ سکھائے تاکہ بچے کے دل سے مخلوق کا ڈر دور ہو جائے اور بچے کے اندر جرأت آجائے وہ بزدلی سے بچ جائے۔

اسی طرح بچے کو شکریہ کی عادت بچپن سے سکھائیں۔ چھوٹی عمر کا ہے ذرا سمجھ بوجھ رکھنے والا ہوا تو اسے سمجھائیں کہ جب تم سے کوئی نیکی کرے بھلائی کرے تمہارے کام میں تعاون کرے تو بیٹے اس کا

شکریہ ادا کرتے ہیں۔اس طرح جب وہ انسانوں کا شکریہ ادا کرے گا تو پھر اس کو اللہ کا شکر ادا کرنے کا سبق بھی مل جائیگا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

من لم یشکر الناس ولم یشکر اللّٰہ

جو انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتا۔

تو یہ شکریہ کی عادت ہمیں ڈالنی چاہئے۔ عجب بات ہے ہمیں اس بات کا اتنا زیادہ حکم دیا گیا مگر آج شائد ہی کوئی ماں ہو جو اپنے بیٹے کو شکریہ کے الفاظ سکھائے۔ جزاکم اللہ، جزاک اللہ خیراً یہ الفاظ اپنے بچوں کو سکھائیں تا کہ بچوں کو صحیح سنت کے مطابق شکریہ ادا کرنے کے الفاظ آتے ہوں۔آج یہ ہمارا عمل تھا لیکن غیر مسلموں نے اس کو اپنا لیا۔

سب سے بڑی بیماری دل آزاری سے بچیئے:

ایک بات بچے کو یہ سکھائیں کہ بیٹے سب نیکیوں میں سے بڑی نیکی یہ ہے کہ تم کسی کو دکھ نہیں دینا، کسی کو تکلیف نہیں دینی بچے چھوٹے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے جلد جھگڑ پڑتے ہیں۔ لیکن جب آپ بچے کو سکھائیں گے کہ بچے تم کسی کو تکلیف نہ دینا کسی کا دل نہیں دکھانا تو ایسا کرنے سے بچے کے دل میں اہمیت آئے گی کہ دوسروں کا دل دکھانا اللہ کو بہت ناپسند ہے۔

یاد رکھنا کہ بیماریوں میں سے سب سے بڑی بیماری دل کی بیماری ہے اور روحانیت میں سب سے بڑی بیماری دل آزاری ہے اور دوسرے کے دل کو دکھانا آج سب سے آسان کام بن گیا ہے حالانکہ اللہ کے ہاں سب سے بڑا گناہ یہی ہے کہ کسی بندے کے دل کو دکھا دیا جائے۔

کسی کہنے والے نے کہا کہ:

تو مندر گرا دے، مسجد گرا دے ترے دل میں جو آتا ہے گرا دے لیکن کسی کا دل نہ گرانا۔اس لئے کہ دل میں تو اللہ بستے ہیں۔

جب آپ بچے کو یوں سمجھائیں گی کہ دل اللہ کا گھر ہے کسی کا دل توڑنا تو بچے کو احساس ہو گا کہ مجھے اچھے اخلاق اپنانے ہیں دوسرے کے دل کو صدمہ اور تکلیف نہیں دینا۔

بچے کو غلطی پر معافی مانگنے کا احساس دلائیں:

اگر بچہ کبھی کسی سے لڑ پڑے تو آپ دیکھیں غلطی کس کی ہے اس کو پیار سے سمجھائیں کہ بیٹا ابھی غلطی کی معافی مانگ لو تو قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے تمہاری یہ غلطی پیش نہیں ہو گی۔بچے کو معافی مانگنے کی فضیلت سنائیں معافی مانگنے کا طریقہ بتائیں۔اس کے ذہن سے شرم ختم کریں وہ بے جھجک ہو کر معافی، مانگنے کا عادی ہو جائے۔

غلطیاں چھوٹوں سے بھی ہوتی ہے اور بڑوں سے بھی ہوتی ہے بچے کو سمجھائیں کہ بیٹے جب بھی غلطی ہو جائے تو ایسے وقت معافی مانگ لینی چاہئے اپنے بہن بھائیوں سے اگر بدتمیزی کرے یا ان کو تکلیف دی یا جھگڑا کیا تو ان سے بھی معافی مانگے پھر اس سے کہیں اللہ سے بھی معافی مانگ لو تا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے کہیں ناراض نہ ہوں۔ ہر وقت اللہ کی ناراضگی کی بات ڈالنا کہ نیک کام کرنے سے اللہ خوش ہوتے ہیں اور لڑائی جھگڑے اور برے کاموں سے اللہ ناراض ہوتے ہیں حتی کہ بچے کے دل میں یہ اتر جائے کہ اللہ کی ناراضگی سب سے بری چیز ہے۔

یہ بچے کی تربیت کیلئے سب سے زیادہ ضروری ہے آج تو یہ ہوتا ہے کہ اگر اپنا بچہ کسی دوسرے بچے سے جھگڑ پڑے تو اپنے بچے کی غلطی کے باوجود دوسرے کے بچے کو ڈانٹا جاتا ہے اور ناحق اپنے بچے کی غلطی سے چشم پوشی کی جاتی ہے جس سے یہ لڑائی چھوٹوں سے شروع ہو کر بڑوں تک پہنچ جاتی ہے جس سے بڑا نقصان ہوتا ہے ایسا موقع نہیں آنے دینا چاہئے۔

بچے میں اچھی عادت پیدا کرنے کا حیرت انگیز نسخہ:

جب بچہ کئی گھنٹے باہر گزار کر گھر واپس آئے تو اس بچے کو اس موقع پر ایسی محبت دینی ہے کہ بچے کے اندر اچھی عادتیں جم جائیں اور بری عادتیں اس سے دور ہو جائیں اس لئے جب بچے اسکول سے آتے ہیں اس وقت یہ چند منٹ کی ڈیوٹی جس عورت نے پکی ادا کر دی اس کے بچے ساری زندگی نیک بنیں گے مؤدب بنیں گے اور ماں کے ساتھ محبت کرنے والے بنیں گے بچے کبھی نہیں بھول سکتے کہ جب ہم اسکول سے آتے تھے امی ہمیں کتنا پیار دیتی تھیں۔

جب آپ بوڑھی ہو جائینگی بچے جوان ہو جائیں گے تو پھر بچے ان کی خوشی کا خیال رکھیں گے جتنا آپ نے ان کا خیال رکھا، لہذا یوں سمجھ لیجئے کہ میں نے آپ کو ایک تحفہ دیدیا آپ اس پر عمل کر لیجئے اور پھر اس کے اثرات بچوں میں خود دیکھیں گی آپ کے دل سے دعائیں نکلیں گی کہ رب کریم بچوں کی اچھی تربیت فرمادے۔

حضور ﷺ کی سنت مطہرہ:

حضور ﷺ تشریف فرما ہیں امام حسنؓ تشریف لائے جو آپ ﷺ کے بڑے نواسے حضرت فاطمہ زہراؓ کے بیٹے ہیں بچے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کا بوسہ لیا پیار کیا جب آپ ﷺ نے پیار کیا تو اس وقت ایک صحابیؓ بیٹھے تھے ان کا نام ہے اقرع ابن حابسؓ تمیمی بنو تمیم کے آدمی تھے وہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہنے لگے ! اے اللہ کے نبی ﷺ میرے تو دس بچے ہیں اور میں نے کبھی کسی کو اس طرح پیار نہیں کیا آپ ﷺ نے فرمایا

مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ

جو آدمی رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں فرماتے۔

ایک اور مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک اعرابی نے دیکھا کہ آپ ﷺ بچوں کو پیار کر رہے ہیں تو کہنے لگا! اے اللہ کے بنی ﷺ میں تو بچوں کو ایسا پیار نہیں کرتا جیسے آپ کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا، اگر تیرے

دل سے اللہ نے رحمت کو نکال لیااور تجھے اس سے محروم کر دیا تو کوئی کیا کرے تو معلوم ہوا کہ بچوں سے پیار کرنا انسانی فطرت ہے تو بچوں کو پیار دیا کریں۔

بچوں کی محبت پر جنت کی بشارت:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک عورت آئی اس کے ساتھ دو بچے تھے ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تین کھجوریں کھانے کو دیں۔ ان بچوں کی ماں نے ایک کھجور ایک بچہ کو دی اور دوسری کھجور دوسرے بچے کو دی اور تیسری خود رکھ لی اور خود کھانے کے بجائے ہاتھ میں پکڑ لی جب دونوں بچوں نے اپنی اپنی کھجوریں کھالیں تو پھر تیسری کھجور کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے تو اس ماں نے کھجور کے دو ٹکڑے کئے اور آدھا ایک بچے کو اور آدھا دوسرے بچے کو دے دیا بچوں نے اس کو بھی کھالیا اور خوش ہو گئے۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی حیران ہوئیں جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو عائشہ صدیقہؓ نے یہ پورا واقعہ حضور ﷺ کو سنایا کہ ماں کی محبت دیکھئے کہ اس نے خود نہیں کھایا بلکہ اپنا حصہ بھی بچوں کو دیدیا اور تقسیم فرمادیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے اس عورت پر جنت کو واجب کر دیا۔

سبحان اللہ تو ماں جب بچوں کو اس طرح محبت دیتی ہے اس کے بدلے اللہ اس ماں کو جنت عطا فرمادیتے ہیں یاد رکھئے حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نرمی پر وہ رحمتیں نازل فرمادیتے ہیں جو سختی پر نازل نہیں فرماتے اس لئے بچے کی تربیت کرتے ہوئے ان باتوں کا خیال رکھئے۔

بچے کو توحید سکھایئے:

ایک اور بڑا اہم نقطہ یہ ہے کہ بچے کے دل میں بچپن سے ہی ایمان کو مضبوط کیجئے اور توحید کا تصور مضبوط کیجئے بچے کے دل میں اللہ سے توکل پیدا کر دیجئے۔ یہ ماں کے اختیار میں ہوتا ہے کہ وہ ایسی تربیت کرے کہ بچے کے دل میں ڈر بھی اللہ رب العزت کا ہو، امیدیں ہوں، تو اللہ سے ہوں محبت ہو تو اللہ کی ہو توحید اس کے ذہن میں رچ بس جائے اور وہ انسان وہ بچہ اللہ سے والہانہ محبت کرنے والا بن جائے ہمارے پہلے وقت کی اچھی مائیں ان باتوں کا بہت زیادہ خیال رکھتی تھیں۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی والدہ نے ان کی تربیت کی اور گنج شکرؒ کی والدہ نے اپنے بیٹے کی تربیت کی اور خواجہ معین الدین چشتیؒ کی والدہ نے ان کی تربیت کی۔

اگر آپ بھی اس طرح تربیت کریں گی تو آپ کی آغوش میں پلنے والے بچے بھی اللہ کے ولی اور نیک بنیں گے اور تم کو بھی راحت پہنچائیں گے اور اللہ کی مخلوق کو بھی۔

اللہ رب العزت ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہماری اولاد کی اصلاح فرمائے اور ان کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔ آمین

عورتوں پر ظلم کا اور جہیز کی لعنت

آج کے معاشرہ میں عورت پر جو ظلم ہو رہا ہے اس کا اہم سبب جہیز کی لعنت ہے۔آج کل سیکڑوں لڑکیوں کو جہیز کے نام پر بھینٹ چڑھادیا جارہا ہے۔ جہیز کے لالچی ڈھیر سارا جہیز لے کر بھی مطمئن نہیں ہوتے شادی کے بعد بہو سے مزید جہیز لانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور مطالبہ پورا نہ ہونے پر عورت کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے اس طرح کے ایک نہیں بلکہ سیکڑوں واقعات رونما ہو رہے ہیں جہیز کی لعنت ہمارے معاشرے میں وبا کی طرح پھیل گئی ہے۔

جبکہ آج کل یہ جوڑے گھوڑے کا رواج جو چل پڑا ہے بالکل غیر شرعی اور غیر اخلاقی ہے جس کا نکاح کے مقصد سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ جہیز کا تصور ایجاد بندہ ہے جو غیر قوموں سے میل جول کی بناء پر ہمارے معاشرے میں داخل ہو گیا ہے اور اس نے عصر جدید میں ایک بہت بڑے فتنے کی شکل اختیار کر لی ہے اور یہ موجودہ شکل میں شائد سوائے ہندوستان اور پاکستان کے کسی اسلامی ملک میں نہیں پایا جاتا بلکہ ہندستان میں بھی بیسویں صدی سے پہلے اس کا وجو اس قدر شدید نہیں تھا جتنا کہ وہ آج نظر آرہا ہے۔

اسلامی شریعت تو جہیز کے تصور ہی سے ناآشنا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی ممالک میں اکثر وبیشتر نکاح کرنے والے کو نہ صرف مہر معجل ادا کرنا پڑتا ہے بلکہ گھر گرستی کا پورا انظام بھی خود ہی کرنا پڑتا ہے

ورنہ اس کہ منکوحہ کہ اس کے سسرال سے رخصتی ہی نہیں ہوتی یعنی جب تک وہ آدمی ایک آراستہ فلیٹ کا انتظام نہیں کرتا اس کی نئی نویلی دلھن اس کے یہاں نہیں آتی۔

اسلامی قانون بھی یہی ہے کہ اگر بیوی اپنے سسرال والوں کے ساتھ نہ رہنا چاہے تو شوہر اسے شرعاً ایسا کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا چنانچہ کتبِ فقہ میں اس کی صراحت اس طرح مذکور ہے۔

وعلیٰ الزوج ان یسکنھا فی دار مفردة لیس فیھا احد من اھلہ الا ان تختار ذالک

شوہر پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو الگ گھر میں رکھے جس میں اس کے گھر والے شریک نہ ہوں۔ہاں البتہ خود بیوی انہیں ساتھ رکھنا چاہتی ہو وہ ایسا کرسکتی ہے۔[1]

شریعت میں مرد و عورت کی حیثیت:

اس لحاظ سے شادی بیاہ کے اخراجات، عورت کا مہر، عورت کا نفقہ اور عورت کو ٹھہرانے کیلئے ایک الگ مکان کا انتظام وغیرہ تمام ذمہ داریاں مرد پر عائد ہوتی ہیں اور عورت پر ان میں سے ایسی کوئی بھی ذمہ داری جس کا تعلق."مالیات سے" ہو عائد نہیں ہوتی۔

چنانچہ قرآن و حدیث میں اس کے متعلق ادنی درجہ کا اشارہ تک موجود نہیں ہے لہٰذا لڑکی والوں سے جوڑے جہیز کے نام پر مال متاع کا مطالبہ کرنا غیر شرعی و غیر عقلی حرکت ہے جو نظام فطرت کے خلاف اور فسادِ تمدن کا باعث ہے۔ مرد و عورت دونوں کی فطرت الگ الگ ہے اور اس لحاظ سے ان دونوں

---

(1) ہدایہ اولین باب النفقۃ ص ۴۲۱، مطبوعہ دہلی

کا دائرہ کار بھی الگ الگ ہے اللہ تعالیٰ نے مرد کو قوّام (گھر کا نگرانِ اعلیٰ) بنا کر پیدا کیا ہے اور معیشت کا بار بوجھ بھی اسی کے کندھوں پر ڈالا ہے عورت پر کسی بھی قسم کا مال خرچ کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں کی جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَاۗءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ

مرد عورتوں پر نگران و محافظ ہیں کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ مردوں نے عورتوں پر اپنا مال خرچ کیا ہے تو اس بنا پر نیک عورتیں وہ ہیں جو (مردوں) کی تابعدار اور ان کے پیٹھ پیچھے (ان کے مال و متاع کی) حفاظت کرنے والی ہوں۔[1]

اس آیت کریمہ کی رو سے مال خرچ کرنا خواہ وہ نکاح کے سلسلے میں ہو مرد کی ذمہ داری ہے اور عورت کا فریضہ صرف مرد کی تابعداری اور اس کے حقوق کی حفاظت ہے جیسا کہ اس موقع پر نیک عورتوں کی صفات میں قانتات (اطاعت گزار عورتیں) اور حافظات للغیب (مردوں کے پیٹھ پیچھے ان کے مال واسباب اور ان کے دیگر حقوق کی نگہداشت کرنے والی عورتوں) کے الفاظ دلالت کر رہے ہیں۔

(1) سورہ نساء: ۳۴

لہٰذا عورتیں جب نیک سیرت ہوں اطاعت گزار ہوں اور اپنے شوہروں کے حقوق کی نگہداشت کرنے والی ہوں تو پھر ان سے مزید کسی قسم کا مطالبہ کرنا نہ صرف خلافِ قرآن اور خلافِ شریعت ہے بلکہ وہ در حقیقت ایک معاشرتی ظلم وزیادتی اور نظام فطرت کو مسخ کرنا ہے۔

ایک مرد کیلئے دنیا کا بہترین تحفہ از روئے حدیثِ نبوی ﷺ ایک صالح اور اطاعت گزار عورت ہے اگر وہ اس کی قدر نہیں کرے گا بلکہ حرص وہوس کے چکر میں پڑ کر اپنے سسرال والوں کو لوٹنے کی کوشش کرے گا تو وہ دینی وہ دنیوی دونوں اعتبار سے اپنے انجام بد کو ضرور پہنچ کر رہے گا۔

جہیز اور نفقہ مرد کی ذمہ داری:

اوپر مذکور آیت کی تفسیر میں مفسرین نے تشریح کی ہے کہ اس آیت کے عموم اور ابہام میں ہر قسم کے اخراجات شامل ہو سکتے ہیں جو گھر گرہستی سے متعلق ہوں نیز اس موقع پر امر، بصیغہ، خبر، ہونے کی بنا پر یہ حد درجہ بلیغ بھی ہے چنانچہ امام رازیؒ تحریری کرتے ہیں:

اَلرَّجُلُ اَفْضَلُ مِنَ الْمَرْاَۃِ ،لِاَنَّہٗ یُعْطِیْھَا الْمَھْرَ وَیُنْفِقُ عَلَیْھَا

مرد عورت سے افضل ہے کیونکہ وہ مہر دیتا ہے اور اس کا نفقہ ادا کرتا ہے۔

اور علامہ ابن کثیرؒ تحریر کرتے ہیں اس ابہام میں مہر اور نفقہ کے علاوہ دیگر اخراجات بھی شامل ہیں جو کتاب وسنت کی رو سے ثابت ہیں، چنانچہ قرآن کریم کی دیگر آیات کی رو سے عورتوں کے نان ونفقہ (کھانے کپڑے) کا تذکرہ اس طرح موجود ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ

اور بچے کے باپ پر (دودھ پلانے والی) عورتوں کے کھانے کپڑے کی ذمہ داری ہے۔[1]

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کا نسب چونکہ باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے اس بنا پر وہی اس کا مالک اور اخراجات کا ذمہ دار ہے جو ایک فطری اور عقلی طریقہ ہے اور اس سلسلہ میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ مرد اپنی حیثیت کے مطابق اپنی بیویوں پر خرچ کریں اور اشاد باری تعالیٰ ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِنْ سَعَتِهٖ۔[2]

وسعت والا اپنی وسعت (مالی حیثیت) کے مطابق خرچ کرے

غرض نکاح کے بعد ہر مرد کے ذمہ فرض وواجب ہے کہ وہ اپنی بیوی نان ونفقہ شریعت کے حکم کے مطابق ادا کرے۔ اوپر مذکور سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳۴ کی رو سے ہر قسم کا گھریلو ساز وسامان فراہم کرنا مرد ہی کی ذمہ داری ہے عورت یا سسرال والوں سے اس بارے میں تقاضا کرنا اور ڈھیر سارے ساز وسامان کا مطالبہ کرنا خلافِ شریعت ہی نہیں بلکہ خلافِ عقل وفطرت بھی ہے۔

لڑکی کا باپ جب اپنی لڑکی کا بیاہ کر کے اسے اپنے داماد کے حوالے کر دیتا ہے تو پھر وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتا ہے لہٰذا نکاح کے موقع پر یا نکاح کے بعد اس قسم کا کوئی بھی مطالبہ ناجائز اور

(1) البقرہ آیت ۲۳۳

(2) سورۃ الطلاق

حرام ہے نکاح کے بعد میاں بیوی ایک مقدس رشتے میں بندھ جاتے ہیں اور دوسرے کے حقوق ادا کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں مگر اس قسم کے ناجائز مطالبات ان رشتوں میں رخنے ڈالتے ہیں اور باہمی نفرت وعداوت پیدا کرتے ہیں جو معاشرتی اعتبار سے سخت مضر یعنی نقصان دہ اور تباہ کن ہے۔

نفقہ مرد پر واجب کیوں؟

عورت چونکہ جسمانی اعتبار سے ایک کمزور ہستی ہے اور مرد قوی اور طاقتور ہوتا ہے اسلئے اکثر وہ عورتوں کے حقوق غصب کرکے ان پر ظلم ڈھانے لگتا ہے لہٰذا اسے تاکید ہے کہ وہ اس قسم کی حق تلفی اور بے انصافی سے باز آجائے۔

لہٰذا حقوق العباد میں بیوی کا حق دوسرے تمام حقوق پر مقدم ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جہاں پر نفقات واجبہ کا تذکرہ ہے وہاں پر زیادہ تر بیوی ہی کا تذکرہ ہے اور امام بخاریؒ نے کتاب النفقات میں جو ۱۶ ابواب قائم کئے ہیں اور ان کے تحت جو حدیثیں درج کی ہیں وہ تقریباً تمام کی تمام بیویوں کے حقوق ہی سے متعلق ہیں اس سے عورتوں کے حقوق کی نگداشت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ اسلام نے عورتوں کے حقوق کی ادئے گی پر کتنا زور دیا ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نظامِ تمدن میں ایک خاندان کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور کوئی بھی خاندان مرد اور عورت کے ملاپ اور ان کے صحیح تعلقات کی بنا پر وجود میں آتا ہے اور ان دونوں کے تعلقات کی مضبوطی کا باعث نفقہ ہے اگر عورت کو نفقہ پابندی کے ساتھ ملتا رہے تو پھر میاں بیوی کے

تعلقات بھی بر قرار رہتے ہیں ورنہ ان دونوں کے تعلقات میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور عقلی وفطری اور شرعی اعتبار سے نفقہ مرد پر واجب ہوتا ہے ہدایہ میں ہے:

النفقة واجبة للزوجة علیٰ زوجها مسلمةٌ كانت او كافرةٌ اذا سلّمت نفسها الیٰ منزله فعليه نفقتها ، كسوتها وسكنها

یعنی بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم جبکہ وہ خود کو شوہر کے سپرد کر کے اس کے گھر میں آجائے تو اس وقت شوہر پر عورت کا نفقہ (خرچہ) لباس اور جائے سکونت (مکان) واجب ہو جائے گا۔[1]

اور موجودہ سیکولر قوانین کے مطابق عورت کا نفقہ (Maintenance) مرد ہی سے دلایا جاتا ہے اور یہ وہ چیز ہے جس سے شوہر کو کسی بھی حال میں چھٹکارا نہیں بلکہ نفقہ نہ ملنے کی صورت میں عورت طلاق تک کا مطالبہ کر سکتی ہے اور بیوی کا نفقہ شوہر پر اس لئے واجب ہوتا ہے کیونکہ بیوی اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کر کے گویا اس کی "قیدی" بن جاتی ہے۔ کیونکہ نفقہ کسی کو روکنے کا عوض ہے اور جو کوئی کسی دوسرے کے حقِ مقصود کی وجہ سے محبوس ہو تو نفقہ اسی پر ہوگا۔[2]

---

(1) ہدایہ اولین ص ۴۱۷

(2) (ہدایہ اولین ص ۴۱۷

جوڑے جہیز کا مطالبہ ناجائز کیوں؟

عورت چونکہ اپنے شوہر کے حقوق کی ادائیگی کے لئے اس کی محبوس (قیدی) ہوتی ہے اس لئے عورت کا نفقہ شوہر پر واجب ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ شوہر بیوی کا قیدی بن کر رہتا ہو۔ لیکن اس کے بر عکس اگر شوہر کسی وجہ سے اپنی عورت کو تنگ کرتا ہے کہ وہ اپنے باپ کے یہاں سے مزید جہیز یا مزید مال لے کر آئے تو یہ قانون شریعت اور قانون فطرت دونوں کی خلاف ورزی ہو گی کیوں کہ عورت اس قسم کے بے جا اور غیر شرعی و غیر معقول مطالبہ کو پورا کرنے کی مکلف نہیں ہے۔

کیونکہ یہ "نفقۂ معکوس" ہے جو خلافِ عقل اور خلافِ شریعت ہونے کی بنا پر ناجائز اور حرام ہے اور جو لوگ اس قسم کا ناجائز مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں دوزخ کی آگ بھرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے جو نہ کھانے کی تاکید کی ہے اس میں اس قسم کے ناجائز مطالبات بھی شامل ہو سکتے ہیں۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے (ناحق) مت کھاؤ[1]

(1) سورہ نساء: ۹۲

باطل سے مراد بغیر کسی حق یا معاوضہ کے اور مال باطل میں جوڑا جہیز کے مطالبات بھی شامل ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ بھی بغیر کسی حق یا معاوضہ کے ہیں۔اور پھر وہ زبردستی وصول کئے جاتے ہیں اگر لڑکی کے ماں باپ اپنی مرضی سے کچھ دے دیتے ہیں تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) وہ اشیاء (چیزیں) جو وہ اپنی لڑکی کو بغیر کسی مطالبہ کے اپنی خوشی سے دیتے ہیں تو اس کا جواز نکل سکتا ہے۔

(۲) وہ روپیہ اور وہ چیزیں جو دولھا کو جوڑے یا تلک کے نام سے دے رہے ہوں خواہ یہ چیزیں مطالبہ پر دی جائیں یا بغیر کسی مطالبہ کے دونوں صورتوں میں وہ مال باطل ہونے کی بنا پر حرام ہیں۔ نکاح کے بعد شوہر پر تین چیزیں شرعاً عائد ہوتی ہیں (۱) بیوی کے مہر کی ادائیگی (۲) بیوی کا نفقہ ادا کرنا (۳) گھریلو ساز و سامان کی فراہمی اور ان میں سے کسی بھی چیز کو شریعت نے عورت یا اس کے سرپرستوں کی ذمہ داری قرار نہیں دیا ہے۔

ناجائز مطالبات فسادِ تمدن کا باعث:

نکاح کا رشتہ ایک مقدس و محترم رشتہ ہے اور نکاح کے ذریعے بہت سے دینی و دنیوی فوائد اور روحانی و جسمانی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں لہٰذا ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے خدا کے حدود کو قائم رکھنا ہے جس کی قرآن مجید میں بار بار اور سخت تاکید آئی ہے مثلاً

تلک حدود اللّٰہ فلا تعدوھا

یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں تم ان سے تجاوز مت کرو۔[1]

اور ایک موقع پر تو خدا کے حدود سے تجاوز کرنے والوں کو ہمیشہ کیلئے جہنمی قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْ خِلْهُ نَاراً خَالِداً فِيْهَا

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کے حدود سے تجاوز کرے گا تو وہ اسے ہمیشہ کیلئے آگ میں داخل کرے گا[2]

اور جوڑے جہیز کے مطالبات حدود الٰہی کو پھلانگنے ہی کے ذیل میں آتے ہیں جن کا شریعت میں ادنیٰ درجہ کا بھی جواز نہیں ہے بلکہ یہ ناجائز مطالبات نکاح کے مقدس و محترم تمام رشتوں کو کاٹ کر مختلف خاندانوں کو قصائی خانوں میں تبدیل کر دیتے ہیں تمام رشتے ناتے جوڑے جہیز کی سان پر چڑھ کر متحارب کیمپوں میں بٹ جاتے ہیں۔

نکاح کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے صرف ایک اجنبی مرد اور ایک اجنبیہ عورت ہی کو ایک دوسرے سے مربوط نہیں کیا بلکہ دو اجنبی خاندانوں اور ان کے قبیلوں کو بھی باہم سسرالی رشتوں میں باندھ کر انھیں ایک دوسرے کا حلیف و مددگار بھی بنا دیا تھا۔ مگر جن سسرالی رشتوں، خاندان اور قبیلوں کو اللہ

(1) البقرہ ۲۲۹

(2) نساء ۱۴

تعالیٰ نے انسانی معاشرہ کے وسیع تر مفاد کے پیش نظر جوڑا تھا وہ آج جوڑے جہیز کے غیر معقول بلکہ شرم ناک مطالبات کی وجہ سے ٹوٹ کر بکھر رہے ہیں اور پورے معاشرے میں ایک آگ لگی ہوئی ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق گزشتہ چالیس سال کے عرصہ میں ۲۷ ہزار سے زیادہ نوخیز دولہنوں کو ہندوستان میں جلایا جاچکا ہے یہ تعداد تو وہ ہے جو پولیس ریکارڈ میں موجود ہے ورنہ ایسی بہت سی اموات ہو سکتی ہیں جو پولیس یا سرکاری اعداد و شمار کے دائرہ سے باہر ہوں اس اعتبار سے جہیز کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھائی جانے والیوں کی تعداد کا پتہ لگانا مشکل ہے خودکشی شریعت کی رو سے حرام ہے مگر اس فعلِ حرام پر اکسانے والا وہ ظالم معاشرہ ہے جو انتہائی حریص اور لالچی بن کر انسانیت کے قتلِ عام پر تلا ہوا ہے۔

اسلامی شریعت نے جس جس چیز کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی ہے اس کے پیچھے پڑ کر محض چند سکوں کی خاطر نہ صرف لوگ اپنی قبر کھود رہے ہیں بلکہ پورے سماج کا چین وسکون بھی غارت کر رہے ہیں۔ ظاہر ہیکہ یہ قانون فطرت اور قانون خداوندی سے بغاوت ہے۔ جس کی سزا ہمیں جلد یا بدیر مل کر رہے گی چنانچہ جس قوم یا جس معاشرے میں ایسے خود غرض اور فساد پرور لوگوں کی زیادتی ہو جائے وہ کبھی پنپ نہیں سکتا بلکہ یہ اس کے زوال اور ادبار کی علامت ہو گی۔

تاریخ شاہد ہے کہ جس قوم کا نظامِ اخلاق بگڑ جائے اسے زوال وانحطاط سے کوئی چیز روک نہیں سکتی خاندانوں کی استواری میاں بیوی کے تعلقات کی درستگی پر مبنی ہے اور خاندان ہی کسی بھی معاشرے کی بنیادی اینٹیں ہوتی ہیں۔ تو جس معاشرے کا خاندانی نظام بگڑ جائے تو وہ معاشرہ تاش کے پتوں کی طرح بکھر کر رہ جائیگا۔

لہٰذا عقل وہوش کا تقاضا ہے کہ خاندانی نظاموں کو ہر حال میں درست رکھنے کی کوشش کی جائے اور ان میں رخنے نہ پیدا کئے جائیں۔اس اعتبار سے معاشرے کی اصلاح بہت ضروری ہے حاصلِ بحث یہ ہے کہ مردوں کو اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرنا چاہئے اور بیجا اور غیر معقول مطالبات کر کے ان کا ناک میں دم نہیں کرنا چاہئے فرمائش جہیز اور بیجا مطالبات شریعت کی نظر میں ناجائز اور حرام ہے جو نظامِ فطرت کے خلاف ورزی اور نظامِ تمدن میں فساد پیدا کرنے کا باعث ہیں۔

ایک مرد کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے بڑا قیمتی تحفہ ایک نیک سیرت بیوی ہے جسے ایک نیک سیرت بیوی مل گئی تو اسے دنیا کی سب سے بڑی دولت مل گئی جیسا کہ ایک حدیث میں یہ حقیقت اس طرح بیان کی گئی ہے:

اَلدُّنْیَا کُلُّھَا مَتَاعٌ ، وَخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا اَلْمَرْاَۃُ الصَّالِحَۃُ

پوری دنیا ایک اثاثہ ہے اور دنیا کا بہترین اثاثہ ایک نیک سیرت بیوی ہے۔(1)

اب ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی نیک سیرت اور وفا شعار بیوی کی قدر نہ کرتے ہوئے محض چند سکوں کو اپنا مقصود بناتا ہے وہ نظامِ فطرت اور نظامِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دینی و نیوی دونوں اعتبار سے تباہی مول لیتا ہے۔

(1) صحیح مسلم کتاب الرضاع: ۲؍ ۱۰۹۰

مال ودولت ایک ڈھلتی چھاؤں ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا اس کے برعکس اگر کوئی انسان اپنی نیت درست رکھتے ہوئے اخلاص کے ساتھ زندگی کے میدان میں جد وجہد کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر رزق کے دروازے کھول دے گا اور ایسے ایسے طریقوں سے اسے نوازے گا جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوں گے۔[1]

کیا رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کا کو جہیز دیا تھا؟

اسلامی شریعت میں ایسی کوئی تشریح موجود نہیں ہے جس کی بنا پر عورت کیلئے جہیز ضروری قرار دیا گیا ہو۔ قرآن وحدیث میں اس سلسلے میں کوئی ہلکا سا اشارہ تک موجود نہیں ہے۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ جہیز کے جواز کا ثبوت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی میں دیا جانے والا سامان ہے اور یہ کہنا کہ حضور رسالت مآب ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے نکاح میں فلاں فلاں سامان بطور جہیز عنایت فرمایا تھا یہ قطعی درست نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں سوال اٹھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں لیکن آنحضرت ﷺ نے سوائے حضرت فاطمہؓ کے اور کسی بیٹی کو رخصتی کے وقت سامان نہیں دیا کیا وہ بیٹیاں نہ تھیں اور کیا انھیں حق نہیں پہنچتا تھا؟ جب آنحضرت ﷺ کا خود ارشاد ہے **سوّا بین اولادکم**۔ اپنی ولاد میں برابر کا برتاؤ رکھو۔

---

(1) ماخوذ اسلام کا قانون نکاح ص ۱۹۸ تا ۲۱۰

لٰہذا اگر فاطمہؓ کی رخصتی میں آپ ﷺ کے دیئے ہوئے سامانوں کو جہیز مان لیا جائے تو آنحضرت ﷺ ہی کا عمل قول مذکور کے خلاف ہو جائے گا حالانکہ ایسا نہیں ہو سکتا اس لئے ماننا ہو گا کہ آنحضرت ﷺ نے جو سامان دیا تھا وہ جہیز ہی نہ تھا اور نہ جہیز کا اسلام میں کوئی تصور ہے جیسا کہ آج کل مسلم سماج سمجھ رہا ہے۔

اگر جہیز کا اسلام میں کوئی تصور ہوتا تو نبی کریم ﷺ چاروں صاحبزادیوں کو دیتے اور تاریخ ان کا ذکر کرتی۔ دوسری بات آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کی شادی میں جو سامان دیئے تھے وہ حضرت علیؓ کی رقم سے خریدے گئے تھے وہ سامان بطور جہیز نہیں بلکہ حضرت علیؓ کی جانب سے ادا کئے گئے مہر معجل کے ذریعہ خریدی ہوئی چیزیں تھیں مہر معجل کے طور پر حضرت علیؓ نے ایک ذرہ دی تھی۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے نکاح کرنے سے پہلے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ ہے انہوں نے جواب دیا ایک گھوڑا اور ایک ذرہ میرے پاس موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کی گھوڑا تو تمہارے لئے بہت ضرورت کی چیز ہے البتہ ذرہ بیچ کر اسکی قیمت لے آؤ۔

حضرت علیؓ نے حضرت عثمان غنی کے ہاتھوں چار سو اسی درہم میں اپنی ذرہ بیچ دی اور قیمت لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آنحضرت ﷺ نے اسی وقت حضرت بلالؓ اور حضرت انسؓ کی والدہ ام سُلیم کو بلوایا اور انہیں کچھ رقم بناو سنگار اور عطر خوشبو لانے کیلئے دی بقیہ رقم گھریلو ضروریات کے لئے حضرت بلالؓ کو عنایت کی (زرقانی علی المواہب) آپ ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت بلالؓ اور حضرت ام سلیمؓ نے بناؤ سنگار کے علاوہ مندرج ذیل سامان گھر کی ضرورت کے لئے خریدا (۱) سونے کیلئے

بان کی ایک چارپائی (۲) کھجور کی پتیوں سے بھرا ہوا چمڑے کا گدا (۳) پانی کا مشکیزہ (۴) ایک چھاگل (۵) مٹی کے دو گھڑے (۶) اور چکی کے دو پاٹ (مدارج النبوۃ) یہی وہ کل سامان تھے جس کو آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کی رقم سے انتظام فرمائے۔

نبی پاک ﷺ نے جو رقم حضرت علیؓ سے حاصل کی تھی وہ حضرت علیؓ کی ازدواجی ضروریات پوری کرنے کیلئے تھی اور اس کی وجہ یہ تھی حضرت علیؓ کے والد محترم چچا ابو طالب کا انتقال ہو چکا تھا چچا کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ کی سرپرستی آنحضرت ﷺ ہی نے لی تھی کیونکہ حضرت علیؓ آپ ﷺ سے بہت چھوٹے تھے ان کی پرورش کرنے والا انکی ضروریات کا خیال رکھنے والا اور کوئی نہ تھا اس لئے حضور ﷺ حضرت علیؓ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے دوسرے حافظ بن عبد البر قرطبیؒ نے ایک قول کے مطابق تحریر کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے ۴۸۰ درہم مہر کے عوض نکاح کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس میں ایک چوتھائی حصہ خوشبو میں صرف کیا جائے۔[1]

اس سے معلوم ہو کہ یہ جہیز نہیں تھا بلکہ مہرِ معجل کے پیسوں سے خریدا گیا سامان تھا جو گھر کی ضرورت کیلئے تھا۔

لہٰذا اسے جہیز اور فرمائشی چیز سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں مگر سوائے حضرت فاطمہؓ کے کسی صاحبزادی کے لئے اس قسم کی چیزیں یا جہیز دینا ثابت نہیں اور نہ دورِ رسالت یا دورِ صحابہ میں اس قسم کے لئے اس قسم کی کسی چیز کا ثبوت ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جہیز کی اگر

(1) دیکھیے (الاستیعاب فی معرفۃ الصحابہ)

شرعی حیثیت سے کوئی اہمیت ہوتی تو اسے قرآن و حدیث میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جاتا۔ جیسا کہ اس سلسلہ میں نکاح کے دیگر احکام وضاحت کے ساتھ مذکور ہیں۔ یا صحابہ کے عمل کے ذریعہ اس کی اہمیت اُجاگر ہوتی۔

لہٰذا جو چیز قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے اور نہ ہی وہ صحابہ کے عمل کے ذریعہ ثابت ہے اس پر اصرار کرنا اور جہیز نہ ملنے پر بہو کو طعنے دینا اس کا دل دکھانا یا اس قسم کی تکلیف پہنچانا سراسر ایک غیر شرعی اور غیر اخلاقی حرکت ہے اس قسم کا مطالبہ ناحق اکل باطل کے ذیل میں آتا ہے جس کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے [1]

لہٰذا مسلمانوں کو اس قسم کے مطالبہ سے سخت پرہیز کرنا چاہئے۔ اگر لڑکی کے ماں باپ لڑکی کو کوئی جہیز اپنی خوشی سے دے دیں تو وہ بالکل جائز ہے۔ اسی طرح اگر لڑکے کی غربت اور اس کی مجبوری مد نظر ہے یا لڑکی ایسے گھر جارہی ہے جہاں اس کی جائز ضرورتوں کے پورا ہونے میں دشواریاں حائل ہیں تو اخلاقاً اپنی استطاعت کے مطابق اس کی ازدواجی اور خانگی ضرورتیں پوری کی جاسکتیں ہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے حسن تدبیر سے انتظام فرمایا تھا یا جیسا کہ مصعب بن عمیرؓ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح ایک ایسے متقی سے کیا جو مالی اعتبار سے حد درجہ غریب تھے اور ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے ان کے ہاں کوئی سامان موجود نہ تھا تو حضرت مصعب بن عمیرؓ نے ان کی ضرورتوں کے پیش نظر شادی کے

---

(1) سورہ نساء ۹۲

بعد چند خاص خاص گھریلو سامان کو خاموشی سے بغیر کسی کو دکھائے ہوئے بھجوادیا تھا۔اور یزید جیسے مالدار کے ساتھ شادی سے انکار کر دیا تھا۔

کیااس طرح سے کوئی ہے اپنی بیٹی اور داماد کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا؟آج تو لڑکی والے بھی مالدار لڑکے کو تلاش کرتے ہیں اور پھر اس کو وہ سب چیزیں دی جاتی ہیں جو اس کے گھر میں پہلے سے موجود ہوتی ہیں غریب کو کون دیتا ہے۔ غرض اس طرح بغیر طلب، بغیر سوال اور مانگ و مطالبہ کے تحفہ و تحائف خوشی سے دینا لینا اور انسانی رشتہ سے کسی کی ضرورتوں کو پورا کر دینا شرعاًواخلاقاً کوئی برائی نہیں۔

بلکہ انسانیت کا حق ادا کرنا، اس کی اشاعت اور اس کو فروغ دینا اور خدا کے یہاں ایک عملِ خیر پیش کرنا ہے۔ یہی ایک صورت ہے جس کا جواز نکل سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں کسی دوسرے کو تو دینا نہیں ہوتا وہ اپنی لڑکی اور بہن ہی ہوا کرتی ہے اس کو دینے میں حرج کیا ہے اپنی لڑکی کو تو خفیہ طور پر لاکھوں کا چک بھی دیا جا سکتا ہے۔ مگر چونکہ یہ سامان ایسے وقت میں دیئے جاتے ہیں جبکہ محض ریاکار فرما ہوتی ہے لڑکی کو دینا مقصود نہیں ہوتا بلکہ لڑکی کی شادی اور جہیز کے نام پر عوام کو پاس پڑوس کو اور محلہ والوں کو دکھلانا مقصود ہوتا ہے جبکہ بتایا جا چکا ہے کہ جہیز بھی شرعاً کوئی چیز نہیں ہے چانچہ ایک ایک سامان کھول کھول کر دکھلایا جاتا ہے زیب وزینت کے ایسے ایسے سامان جنھیں حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ دیکھ کر ایک غریب لڑکی والے کی غیرت کو ٹھیس پہنچتی ہے اس لئے ایسے دکھلاوے لین دین کو اسلام میں ممنوع قرار دیا ہے۔

کیونکہ دکھلاوا اور ریاکاری اسلام میں قطعاً حرام ہے۔اسی طرح لڑکے کو لڑکی والوں سے یا لڑکی کو لڑکے والوں سے کوئی چیز یا کوئی سامان اپنا حق سمجھ کر یا رسم سمجھ کر لینا یا ایسے ڈھنگ اختیار کر کے لینا جس کی بنا پر دینا ضروری ہو جائے تو ان تمام طریقوں سے لینا اور دینا جائز نہیں ہے اگر لیا گیا ہے تو واپس کرنا لازم ہے اس لئے کہ یہ کھلی ہوئی رشوت ہے اور رشوت اسلام میں حرام ہے۔حضرت رسول اللہ نے رشوت لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یہ چیز نہایت مذموم ہے کہ مرد وعورتوں کی دولت پر نظر رکھیں اور زیادہ سے زیادہ جہیز کا لالچ کریں۔حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی نکاح کرنے والا شخص یہ معلوم کرے کہ اس کی بیوی کیا لائی ہے تو سمجھ لو کہ وہ چور ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ نکاح نکاح ہونا چاہئے نہ کہ جوا اور تجارت۔مہر کی زیادتی سے بھی نکاح کے مقاصد مجروح ہوتے ہیں وہ شوہر کے مطالبہ مال وزر سے بھی۔

لہٰذا مسلمانوں کو اس قسم کے مطالبات سے سخت پرہیز کرنا چاہئے۔اگر کوئی لڑکی کے ماں باپ لڑکی کو کوئی چیز اپنی خوشی سے دیدیں تو وہ بالکل جائز ہے مگر اس سلسلہ میں لڑکے والوں کو اپنی طرف سے کسی قسم کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ لڑکے والوں کو اس قسم کا کوئی مطالبہ کرنے کا کوئی شرعی یا اخلاقی جواز نہیں ہے اور یہ چیز مقصدِ نکاح کے بھی خلاف ہے ظاہر ہے کہ سسر کی جانب سے داماد کے لئے جو سب سے بڑا تحفہ ملتا ہے وہ اس کی اپنی لڑکی ہوتی ہے جسے جنم دینے کے بعد اس کی تعلیم وتربیت پر اس نے اپنا سب کچھ لٹا دیا ہے اور اس راہ میں حد درجہ تکلیفیں برداشت کر کے اسے اپنے خون جگر سے پالا پوسا ہے

اوراس کے بالغ ہونے کے بعد اپنے سینے پر صبر کی سل رکھ کر اسے دوسرے کے حوالے کر رہا ہے گویا اس نے اپنے داماد کا گھر بسانے کیلئے اس راہ میں بے انتہا دکھ سکھ برداشت کئے ہیں لہٰذا اس قیمتی تحفہ کے حصول کے بعد داماد کو اپنے سسر کا ممنون و مشکور ہونا چاہئے۔

مگر اس کے برعکس محض اپنی عیاشی کیلئے الٹے گھوڑے جوڑے اور فرمائشی جہیز وغیرہ کا مطالبہ حد درجہ غیر معقول بلکہ شرمناک حرکت ہے جس کا شرعی و اخلاقی کسی بھی اعتبار سے کوئی جواز نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس بعض حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ الٹے لڑکی والوں کو تحفے تحائف سے نوازنا چاہئے کیونکہ وہ اپنی لخت جگر کو کسی دوسرے کا گھر بسانے کے لئے غیروں کے حوالے کر رہے ہیں۔

لہٰذا احسان شناسی کا تقاضہ یہ ہے کہ بطور صلہ رحمی انہیں کچھ عطا کیا جائے ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس عورت نے نکاح اس طرح کیا کہ عقدِ نکاح سے پہلے کچھ مہر یا تحفہ یا ہدیہ کا وعدہ لے لیا تو وہ سب چیزیں اسی کا حق ہیں (اور خاوند کو وہ سب چیزیں وعدہ کے مطابق دینی پڑیں گی) اور عقدِ نکاح کے بعد جو ہدیہ دیا جائے تو وہ اس کا حق ہے جس کے لئے وہ دیا گیا ہے (یعنی وہ عورت کے سر پرستوں کو ملے گا) اس سلسلہ میں انعام و کرام کا زیادہ مستحق وہ شخص ہے جسے اپنی بیٹی یا بہن کی وجہ سے کچھ ملا (یعنی اس بارے میں عورت کا باپ یا بھائی اس قسم کے ہدیہ کا زیادہ مستحق ہے)[1]

---

(1) ابوداؤد کتاب النکاح ۲۔ ۵۹۷

مردوں کی ایک اور کوتاہی:

موجودہ دور میں مردوں کی ایک اور کوتاہی یہ ہے کہ وہ نکاح کے بعد اپنی بیویوں کے مال ومتاع اوران کے زیور وغیرہ کومالِ غنیمت تصور کرتے ہوئے ان پر ہلا بول دیتے ہیں یعنی انہیں اپنے تصرف میں لانااورانہیں بیچ کھانااپنے لئے پوری طرح حلال اور جائز سمجھتے ہیں۔

حالانکہ اسلامی قانون کے روسے جو زیوراور کپڑے اور دیگر اشیاء عورت اپنے ماں باپ کے گھر سے لاتی ہے یاخوداسے نکاح کے موقع پر دے چکاہوتا ہے وہ سب عورت کی ذاتی ملکیت ہوتے ہیں اور مرد کوانہیں اپنے تصرف میں لانے اور بیچ کھانے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔اسی طرح شوہر کے گھر والوں کو بھی دلہن کی اجازت کے بغیر اس کی کسی چیز کواستعمال کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

مگرآج کل کے لالچی مرد عورتوں کے حقوق بے دردی کے ساتھ پامال کرتے ہوئے اپنے آپ کو بیوی اوراس کے مال دونوں کا مختار، کلی سمجھتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ اسلامی قانون کی روسے کامل جہالت کا ثبوت ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ نکاح کے موقع یااس کے بد شوہر بیوی کومہراور تحفے دے چکا ہے انہیں طلاق کے موقع پر واپس لیناجائز نہیں ہے خواہ ان کی مقدار ایک ڈھیر برابر کیوں نہ ہو۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

وان اردتم استبدال زوج مکان زوج وآتیتم احدٰھن قنطاراً فلا تأخذوا منه شیٔاً

یعنی اگر تم ایک عورت کی جگہ دوسری عورت رو کنا چاہو اور اسے ایک ڈھیر سارا مال بھی دے چکے ہو تو اس سے واپس مت لو۔[1]

اس سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جو چیزیں ایک بار عورت کو بطور تحفہ دی جا چکیں وہ ہمیشہ کیلئے اسی کی ملکیت ہو گئیں۔ نیز اس بارے میں مزید ارشاد خداوندی ہے:

وکیف تأخذونه وقد افضیٰ بعضکم الیٰ بعض

اور تم عورت کو دیا ہوا مال کیسے واپس لے سکتے ہو جب کہ تم باہم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو[2]

اس سے ضمناً اس مسئلہ پر بھی روشنی پڑ گئی کہ عورت کو دیا ہوا مال و متاع دراصل عورت سے لطف اندوزی کا صلہ ہے اسی طرح ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس مہر یا تحفہ کے ذریعہ عورت کی شرمگاہ حلال کی گئی وہ اسی کا حق ہے۔[3]

حاصل یہ کہ جب ایک مرد اپنی منکوحہ یعنی بیوی سے لطف صحبت اٹھا چکتا ہے تو جو کچھ اس نے عورت کو دیا تھا وہ اسی کا ہو جاتا ہے۔ اب شوہر کو اسے واپس مانگنے کا شرعی، قانونی اور اخلاقی کسی بھی اعتبار سے کوئی جواز نہیں رہتا۔

---

(1) سورہ نساء: ۲۰

(2) نساء: ۲۱

(3) الفتح الربانی ۱۶، ۱۷۶

بعض خرافاتی رسوم:

آج کل مسلمانوں میں جو غیر شرعی رسوم ورواج چل پڑے ہیں ان کا سلسلہ کافی طویل ہے اور وہ صرف شادی بیاہ پر ختم نہیں ہو جاتے بلکہ وہ مختلف ناموں سے چلتے رہتے ہیں اور ان میں داماد کی طرف سے سسرال والوں کی لوٹ گھسوٹ کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔

چنانچہ نکاح کے بعد پانچ ہفتوں تک جمعگی والی رسمیں ادا کی جاتی ہیں خاص کر چوتھی جمعہ کی رسم لڑکی والوں کے یہاں منائی جاتی ہے اور اس رسم میں نوشاہ کو کوئی چیز بطور سلامی پیش کی جاتی ہے پھر پہلی عید کے موقع پر بھی داماد کو سلامی دینا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

انہیں رسوم میں سے ایک چلہ کی رسم بھی ہے جو زچہ کے چالیسویں دن غسلِ جنابت کے بعد انجام دی جاتی ہے اور اس میں سسرال والوں کی طرف سے اکثر وبیشتر نہ صرف اپنے داماد کے خاندان والوں کو بلا کر ضیافت کرنی پڑتی ہے بلکہ زچہ اور بچہ کو جوڑا اور دیگر سامان کے علاوہ داماد کو بھی قیمتی یا منہ مانگے تحفے دینے پڑتے ہیں۔

اگر داماد کو نہ دیا جائے یا داماد کے قبیلے والوں کی ضیافت نہ کی جائے پھر بسا اوقات رنجش اور ناچاقی پیدا ہو جاتی ہے بلکہ بعض اوقات تعلقات بالکل منجمد ہو جاتے ہیں ظاہر ہے کہ اس قسم کے مطالبات نہ صرف غیر شرعی ہیں بلکہ وہ غیر فطری اور غیر معقول بھی ہیں بچہ ہوتا ہے داماد کو مگر بھگتان دینا پڑتا ہے سسر کو کیا اس میں کوئی معقولیت نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ بچہ جیسے ہوا اس کی خوشی کا اظہار بھی اس

کے ذمہ ہے مگر اس ذمہ داری کو دوسرے کے سر پر ڈالنا سراسر ایک نامعقول طریقہ ہے اسی وجہ سے شریعت نے عقیقہ کرنا مسنون قرار دیا ہے جو بچہ کے باپ پر عائد ہوتا ہے۔ مگر چلے وغیرہ کا ثبوت شریعت میں نہیں ہے بلکہ یہ ایجاد بندہ ہے اور غیر قوموں کی نقالی ہے۔

سنتِ رسول یا باپ دادا کا طریقہ:

واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اسلامی شریعت کو چھوڑ کر ایک نئی شریعت ایجاد کر لی ہے اور اس خود ساختہ شریعت کو تسلیم نہ کرنے والوں کے خلاف طوفان بد تمیزی مچا رکھی ہے۔ انہیں خدائی شریعت کے مقابلہ میں خود ساختہ شریعت زیادہ عزیز ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو لوگ سنتوں کے چھوڑ کر بدعتوں کو عمل کرنے لگ جائیں تو بدعتیں ان کے نزدیک سنتوں کا درجہ اختیار کر لیتی ہیں جن کو چھوڑنا ان کیلئے شاق گزرتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ان کے باپ دادا کی سنتیں چھوٹی جا رہی ہیں گویا ایسے لوگوں کو ہادیٔ اعظم ﷺ کی سنتوں کے مقابلہ میں باپ دادا کی سنتیں زیادہ عزیز ہوتی ہیں۔

اگر ہم سنتوں کے مقابلہ مین بدعتوں پر اسی طرح اصرار کرتے رہے تو وہ دن دور نہیں ہے جب ہم اسلامی قانون اور اسلامی طور طریقوں سے پوری طرح کٹ کر غیر مسلوں کے قومی دھاروں میں مکمل طور پر رنگے جائیں گے اور ہمارا اپنا کوئی نشان یا کوئی علامت باقی نہیں رہ جائیگی چنانچہ آج کل ہمارے ملک میں قومی یکتا کی جو تحریکیں چل رہی ہیں ان کا مقصد ہی یہی ہے کہ اسلام کے نام لیوؤں کو اسلامی تہذیب

وروایات سے پوری طرح کاٹ کر قومی دھارے میں شامل کر لیا جائے تاکہ یہاں پر مسلم وغیر مسلم کا کوئی فرق ہی باقی نہ رہ جائے لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہوش میں آئیں اور ہمارے کلچر میں جو آمیزش ہو گئی ہے (خواہ اس کے تاریخی اسباب کچھ ہی کیوں نہ ہوں) اسے نکال باہر کر کے اپنے ملی تشخص کی ہر حال میں حفاظت کریں ورنہ اس ملک میں ہمارا نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا۔

جہیز کی لعنت سے چھٹکارا کیسے ہو؟

اس معاملہ میں سب سے زیادہ ذمہ اری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو کھاتے پیتے امیر اور دولت مند گھرانے کہلاتے ہیں اس عذاب سے نجات اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک یہ مالدار لوگ اس بات کا اقدام نہ کریں کہ ہم اپنے خاندان میں شادیاں اور نکاح سادگی کے ساتھ کریں گے اور ان غلط رسموں کو ختم کر دیں۔

اس وقت تک تبدیلی نہیں آئے گی اس لئے کہ ایک غریب آدمی تو یہ سوچتا ہے کہ مجھے اپنی سفید پوشی برقرار رکھتے ہوئے اپنی ناک اونچی رکھنے کیلئے مجھے یہ کام کرنا ہی ہے اس کے بغیر میرا گزارہ نہیں ہو گا۔ اگر لڑکی کو جہیز نہیں دیں گے تو سسرال والے طعنہ دیا کریں گے کہ کیا لے کر آئی اور لڑکی کو ستائیں گے جیسا کہ آجکل لڑکیوں کو ستایا جا رہا ہے۔ ان لوگوں کو جو نکاح سے مال ودولت یا عزت وناموس یا کسی اور چیز کے طالب ہوتے ہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کے دین ودنیا دونوں ہلاکت اور بربادی میں پڑے ہوئے ہیں۔

یہ جوڑے اور جہیز کے لئے شادی کرنے والے ذرا ہوش سے اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد سن لیں آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ (جو کسی عورت سے اس کی (دنیوی) عزت وحیثیت کی وجہ سے شادی رے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ذلت میں اضافہ کردے گا۔ اور جو اس کے مال کے سبب شادی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے فقر وافلاس میں اضافہ کردیگا اور جو اس کے حسب ونسب کی وجہ سے نکاح کرے گا اللہ تعالیٰ اسے پست کردے گا اور جو عورت سے صرف اس لئے نکاح کرتا ہیکہ اس کی آنکھ نیچی رہے اور شرمگاہ محفوظ رہے اور صلہ رحمی کرے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں (مرد وعوت کیو) ایک دوسرے کیلئے مبارک بنائے گا۔[1]

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے حق میں بد دعا کی ہے یا اطلاع وخبر دی ہے کہ جو لوگ مال ودولت یا عزت وجاہ کیلئے نکاح رچاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ تنگ دستی میں مبتلا کرے گا یعنی ان کے مال میں برکت نہ ہوگی۔

آج جہیز کو شادی کا ایک لازمی حصہ سمجھ لیا گیا اور گھر کی ضرورت کا سامان مہیا کرنا جو شوہر کے ذمہ واجب تھا وہ آج بیوی کے باپ کے ذمہ واجب ہے گویا باپ اپنی بیٹی اور لخت جگر کو بھی دے اور اس کے ساتھ شوہر کو لاکھوں روپیہ بھی دے اور گھر کا فرنیچر مہیا کرے اور اس طرح وہ دوسرے گھر آباد کرے اور ان سب چیزوں کا مطالبہ ہو رہا ہے یہ بے شرمی کے ساتھ مطالبہ کر کے لینا حرام ہے اور یہ بات پہلے آچکی کہ لڑکی کے والد اپنی خوشی سے کچھ دیتا ہے بغیر مطالبہ کے تو سادگی کے ساتھ خاموشی سے پوشیدہ طور پر دے دے اس کی اجازت ہے۔ اور جب تک یہ مالدار لوگ سادگی کو نہیں کے ساتھ خاموشی سے پو

(1) ترغیب وترہیب

شیدہ طور دے دیں اس کی اجازت ہے۔اور جب تک یہ مالدار لوگ سادگی کو نہیں اپنائیں گے تب تک اس لعنت سے نجات ملنی مشکل ہے۔اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہ بات دلوں میں ڈالدیں۔

وراثت میں لڑکی کو حصہ دیا جائے:

شادی میں لڑکہ کو جہیز دینا ضروری نہیں ہے لیکن وراثت میں اس کا حصۃ ہے اور یہ حق اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا ہے لیکن جو جہیز ضروری نہیں اس میں تو لوگ لاکھوں روپیہ برباد کر رہے ہیں اور جو چیز دینا ضروری ہے یعنی وراثت میں حصہ وہ آج کوئی نہیں دے رہا اللہ ماشاء اللہ باپ اپنی بیٹی کا اور بھائی اپنی بہن کا یہ حق مار رہا ہے شادی میں لاکھوں کا جہیز دینے سے وراثت کا حق ختم نہیں ہو جاتا وہ دینا پھر بھی ضروری ہے۔

جہیز کی لعنت سے چھٹکارا پانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے ہ رشتہ طے کرتے وقت لڑکے کے سامنے یہ واضح کر دیا جائے کہ ہم شادی میں جہیز کچھ نہیں دیں گے البتہ وراثت میں جو لڑکی کا حصہ ہے وہ حق پورا دیا جائے گا امید کہ اس طرح سے لڑکا راضی ہو جائیگا اور اس سے لڑکی کا جائز حق اس کو مل جائیگا اور جہیز کی لعنت سے نجات مل جائیگی۔اللہ تعالیٰ اس پر ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔

ازدواجی زندگی میں بیوی کے فرائض اور شوہر کے حقوق

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔اما بعد

قال اللہ تعالیٰ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ ط فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰت '' حٰفِظٰت '' لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ[1]

پہلا حصہ ان حقوق کے بیان میں تھا جو ایک بیوی کے حقوق اس کے شوہر کے ذمے ہوتے ہیں جس میں مرد کو اس کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا اور یہ ہدایت دی گئی کہ ایک شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ کس قسم کا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔ لیکن شریعت جو در حقیقت اللہ تعالی کا مقرر کیا ہوا قانون ہے، وہ صرف ایک پہلو کو مد نظر رکھنے والا قانون نہیں ہوتا، بلکہ اس میں دونوں جانبوں کی برابر رعایت ہوتی ہے اور دونوں کیلئے دنیا و آخرت کی صلاح فلاح کی ضمانت ہوتی ہے۔

(1) سورہ نساء: ۳۴

چنانچہ جس طرح شوہر کے ذمے بیوی کے حقوق عائد کئے گئے اسی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے عورت کے ذمے شوہر کے حقوق بھی بیان فرمائے اور قرآن وحدیث میں ان دونوں قسموں کے حقوق کی ادائے گی پر بڑا زور اور بڑی تاکید کی گئی ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ شریعت میں ہر شخص کو اس بات پر متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے فرائض ادا کرے حقوق کے مطالبے پر زور نہیں دیا گیا ہے۔آج کی دنیا حقوق کے مطالبے کی دنیا ہے ہر شخص اپنا حق مانگ رہا ہے اور اپنے حق کا مطالبہ کر رہا ہے ہڑتال کر رہا ہے، تحریکیں چلا رہا ہے، مظاہرے کر رہا ہے گویا کہ اپنا حق مانگنے اور اپنے حق کا مطالبہ کرنے کیلئے دنیا بھر کی کوششیں کی جارہی ہیں اور اس کے لئے باقاعدہ انجمنیں قائم کی جارہی ہیں لیکن آج ادائیگیِ فرض کے لئے کوئی انجمن موجود نہیں ہے کسی بھی شخص کو اس بات کی فکر نہیں ہے کہ جو فرائض میرے ذمہ عائد ہیں وہ ادا کر رہا ہوں یا نہیں۔

مزدور کہتا ہے کہ مجھے میرا حق ملنا چاہئے اور سرمایہ دار کہتا ہے کہ مجھے میرا حق ملنا چاہئے لیکن دونوں میں سے کسی کو یہ فکر نہیں کہ میں اپنا فریضہ کیسے ادا کروں؟ مرد کہتا ہے کہ مجھے میرا حق ملنا چاہئے اور اس کے لئے کوشش اور جد وجہد جاری ہے اور بیوی کہتی ہے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئیں۔

لیکن کوئی خدا کا بندہ یہ نہیں سوچتا کہ جو فرائض میرے ذمے عائد ہو رہے ہیں وہ میں ادا کر رہا ہوں یا نہیں۔اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کی ادائیگی کی طرف توجہ کرے اگر ہر شخص اپنے فرائض ادا کرنے لگے تو سب کے حقوق ادا ہو جائیں شوہر اگر اپنے

فرائض ادا کرے تو بیوی کے حقوق ادا ہو گئے اور بیوی اپنے فرائض ادا کرے تو شوہر کا حق ادا ہو گیا۔ شریعت کا اصل مطالبہ یہی ہے کہ تم اپنے فرائض ادا کرنے کی فکر کرو۔

زندگی استوار کرنے کا طریقہ:

تو میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے یہی طریقہ اختیار کیا کہ دونوں کو ان کے فرائض بتادیئے۔ شوہر کو بتادیا کہ تیرے فرائض یہ ہیں اور بیوی کو بتادیا کہ تیرے فرائض یہ ہیں۔

ہر ایک اپنے فرائض ادا کرنے کی فکر کرے اور در حقیقت زندگی کی گاڑی اسی طرح چلتی ہے کہ دونوں اپنے فرائض کا احساس کریں اپنے حقوق حاصل کرنے کی اتنی فکر نہ ہو جتنی دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی فکر ہو اگر یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو پھر یہ زندگی استوار ہو جاتی ہے، اگر انسان ان پر عمل کرلے تو دنیا بھی درست ہو جائے اور آخرت بھی درست ہو جائے۔

مرد عورت پر حاکم ہے:

اس لئے بیوی کے حقوق کے بعد اب شوہر کے حقوق کو بیان کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اسلام کی نظر میں مرد اور عورت دونوں انسان ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں عورت کسی بھی طرح کمتر یا حقیر مخلوق نہیں ہے جیسا کہ دیگر قوموں میں یہ نظریہ پایا جاتا ہے لیکن جہاں تک ان کے فرائض وواجبات کا تعلق ہے ان دونوں کا دائرہ کار الگ الگ ہے چنانچہ گھریلو انتظام کے نقطہ نظر سے اسلام نے مرد کو گھر کا رکھوالا یا

منتظم تسلیم کیا ہے اس اعتبار سے وہ عورت کا نگراں و محافظ ہے کیونکہ وہ اپنا مال خرچ کر کے اسے بیاہ کر لاتا ہے اس کے لئے گھر اور دیگر آشائشیں فراہم کرتا ہے ظاہر ہے کہ جب وہ اپنی شریک حیات کیلئے بے انتہا تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرتا ہے تو پھر اسے گھر اور خاندان پر حاکمانہ اختیارات بھی حاصل ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ الخ۔

یعنی مرد عورتوں پر نگہبان اور منتظم ہیں

بعض حضرات نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ قوام۔اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی کام کرنے یا اس کا انتظام کرنے کا ذمہ دار ہو گویا کہ مرد عورتوں پر قوام ہیں ان کے کاموں کے منتظم ہیں اور ان کے حاکم ہیں یہ اصول بیان فرمادیا۔اس لئے کہ اصولی باتیں ذہن میں نہ ہونے کی صورت میں جتنے کام انسان کرے گا وہ غلط تصورات کے ماتحت کرے گا لٰہذا مرد کے حقوق بیان کرتے ہوئے عورت کو پہلے اصولی بات سمجھادی کہ وہ مرد تمہاری زندگی کے امور کا نگہبان اور منتظم ہے اور تم پر حاکم ہے۔

آج کی دنیا کا پروپیگنڈہ:

آج کی دنیا میں جہاں مرد و عورت کی مساوات ان کی برابری اور آزادی نسواں کا بڑا زور و شور ہے ایسی دنیا میں لوگ یہ بات کرتے ہوئے شرماتے ہیں کہ شریعت نے مرد کو حاکم بنایا ہے اور عورت کو محکوم بنایا ہے۔

اس لئے کہ آج کی دنیا میں یہ پرپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ مرد کی عورت پر بالادستی قائم کردی گئی ہے اور عورت کو محکوم بناکر اس کے ہاتھ میں قید کردیا گیا ہے اور اس کو چھوٹا قرار دے دیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ مرد و عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں زندگی کا سفر دونوں کو ایک ساتھ طے کرنا ہے اب زندگی کے سفر کے طے کرنے میں انتظام کی خاطر یہ لازمی بات ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک شخص سفر کا ذمہ دار ہو اسل ئے کہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ حکم دیا کہ:

جب بھی دو آدمی کوئی سفر کررہے ہوں چاہے وہ سفر چھوٹا سا کیوں نہ ہو اس سفر میں اپنے میں سے ایک کو امیر بنالو امیر بنائے بغیر سفر نہیں کرنا چاہئے تاکہ سفر کے تمام انتظامات اور پالیسی اس امیر کے فیصلے کے تابع ہو اگر امیر نہیں بنائیں گے تو ایک بدنظمی ہو جائے گی(1)

(1)ابوداؤد کتاب الجہاد حدیث ۲۶۰۸

لہٰذا جب ایک چھوٹے سے سفر میں امیر بنانے کی تاکید کی گئی ہے تو زندگی کا ایک طویل اور لمبا سفر جو ایک ساتھ گزارنا ہے اس میں تاکید کیوں نہیں ہوگی کہ اپنے میں سے ایک کو امیر بنالو تاکہ بد نظمی پیدا نہ ہو بلکہ انتظام قائم رہے اس انتظام کو قائم کرنے کیلئے کسی ایک کو امیر بنانا ضروری ہے۔

زندگی کے سفر کا امیر کون ہو؟

اب دو راستے ہیں یا تو مرد کو اس زندگی کے سفر کا امیر بنا دیا جائے، یا عورت کو امیر بنا دیا جائے اور مرد کو اس کا محکوم بنا دیا جائے تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے، اب انسانی خلقت، فطرت، قوت اور صلاحیتوں کے لحاظ سے بھی اور عقل کے ذریعے انسان غور کرے تو یہی نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جو قوت وطاقت مرد کو عطا کی ہے، بڑے بڑے کام کرنے کی جو صلاحیت مرد کو عطا فرمائی ہے وہ عورت کو عطا نہیں کی۔

لہٰذا اس امارت اور سربراہی کا کام صحیح طور پر مرد ہی انجام دے سکتا ہے اور اس کے لئے اپنی عقل سے فیصلہ کرنے کی بجائے اس ذات سے پوچھا جائے جس نے ان دونوں کو بنایا اور پیدا کیا کہ آپ نے دونوں کو سفر پر روانہ کیا آپ ہی بتائیں کہ کس کو امیر بنائیں اور کس کو مامور بنائیں؟ اور سوائے اس فیصلے کے کسی اور کا فیصلہ قابل قبول نہیں ہو سکتا خواہ وہ فیصلہ عقلی دلائل سے آراستہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا کہ اس زندگی کے سفر کو طے کرنے کیلئے مرد قوام حاکم اور منتظم ہیں اگر تم اس فیصلے کو صحیح جانتے ہو اور مانتے ہو تو اسی میں تمہاری کامیابی اور سعادت ہے اور اگر نہیں مانتے بلکہ اس فیصلے کی خلاف ورزی کرتے ہو اور اس کے ساتھ بغاوت کرتے ہو تو پھر تم جانو تمہارا کام اور تمہاری زندگی جانے تمہاری زندگی خراب ہوگی اور ہو رہی ہے جن لوگوں نے اس فیصلے کے خلاف بغاوت کی ان کا انجام دیکھ لیجئے کہ کیا ہوا؟۔

اسلام میں امیر کا تصور:

البتہ اللہ تعالیٰ نے جو لفظ یہاں استعمال فرمایا اس کو سمجھ لیجئے اللہ تعالیٰ نے یہاں امیر، حاکم، باشاہ کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ قوام کا لفظ استعمال کیا قوام کے معنٰی وہ شخص جو کسی کام کا ذمہ دار ہو اور زمہ دار ہو نے کے معنٰی یہ ہیں کہ بحیثیت مجموعی زندگی گزانے کی پالیسی وہ طے کرے گا اور پھر اس پالیسی کے مطابق زندگی گزاری جائیگی لیکن قوام ہونے کے یہ معنٰی ہر گز نہیں کہ وہ آقا ہے اور بیوی اس کی کنیز ہے یا بیوی اس کی نوکر ہے بلکہ دونوں کے درمیان امیر مامور حاکم اور محکوم کا رشتہ ہے اور اسلام میں امیر کا تصور یہ نہیں ہے کہ وہ تخت پر بیٹھ کر حکومت چلائے بلکہ اسلام میں امیر کا تصور وہ ہے جو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ:

سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ

قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے(1)

لہٰذا امیر کے معنٰی یہ ہیں کہ بیشک فیصلہ اس کا معتبر ہو گا ساتھ ہی وہ فیصلہ ان کی خیر خواہی کیلئے ہو گا ان کی خدمت اور راحت کیلئے ہو گا۔

(1) کنزالعمال حدیث نمبر ۱۷۰۱۷

عورت کی ذمہ داریاں:

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ مرد قوّام اور منتظم ہے اور گھر کا سربراہ ہے تو عورت کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنے شوہر کی تعظیم و تکریم کرے اس کو اپنا بڑا خیال کرے اور اس کی عظمت و حرمت کا پاس رکھے چونکہ اس آیت میں جو اوپر مذکور ہے اس میں شوہر کی عظمت و حرمت بیان کی گئی ہے

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ

کہ مرد حاکم ہیں عورتوں پر

پھر اس کی دو وجہیں بیان فرمائیں ایک یہ کہ اللہ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے کہ عورتوں کے مقابلے میں مردوں میں عقل و قوت زیادہ ہوتی ہے اور دوسری وجہ یہ کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ یہ آیت سعد بن ربیعؓ کی عورت حبیبہ بنت زیدؓ کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ سعدؓ نے اپنی بیوی کو اس کی نافرمانی پر ایک طمانچہ رسید کر دیا تھا تو اس کے والد نے حضور پاک ﷺ سے شکایت کی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ تو بھی اپنے شوہر کے ایک طمانچہ رسید کر دے اور بدلہ لے لے۔

جب یہ باپ اور بیٹی بدلہ لینے کیلئے چلے تو اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ واپس آجاؤ یہ دیکھو! میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے ہیں اور یہ آیت سنا کر اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم نے ایک ارادہ کیا اور اللہ نے دوسرا ارادہ کیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ایک بات کا ارادہ کیا اور اللہ نے ایک بات کا ارادہ کیا اور اللہ نے جو ارادہ کیا وہی خیر ہے [1]

عورت کیلئے شوہر کا مقام:

اس آیت اور اس کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ مرد (شوہر) کا اللہ و رسول کی نظر میں کیا مقام و مرتبہ ہے بہر حال عورت پر مرد کے بہت سارے حقوق ہیں اسی بنا پر شوہر کو عورت کا مجازی خدا قرار دیا گیا ہے۔ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے

اگر اللہ کے علاوہ کسی اور کیلئے میں سجدہ کا حکم دیتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے بوجہ اس حق کے جو اللہ نے ان مردوں کا عورتوں پر لکھا ہے [2]

اندازہ کیجئے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرد کا کتنا اونچا مقام و مرتبہ بتایا ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کی اجازت ہوتی تو عورت کو حکم ہوتا کہ وہ مرد کو سجدہ کرے لہٰذا عورت کو چاہئے کہ وہ مرد کی عظمت

(1) قرطبی ۵۔ ۱۶۸ روح المعانی ۵۔ ۲۳

(2) ابوداؤد ۱۔ ۲۹۱

کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے ساتھ زندگی گزارے۔آج کی عورتوں نے یورپ وامریکہ کی تقلید میں شوہر کی عظمت وحرمت کا پاس وخیال ہی چھوڑ دیا ہے اور مساوات مساوات کا کھوکھلا نعرہ لگا کر اسلام کی اس تعلیم کے خلاف چلنا شروع کر دیا ہے۔

مگر یاد رکھو کہ اسلام سے زیادہ مساوات کا سبق دینے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ مگر مساوات کا یہ مطلب لینا بالکل عقل وفطرت کے خلاف ہے کہ کسی کی عظمت وحرمت کا پاس ولحاظ نہ رکھا جائے۔ کیا کوئی شخص تمام انسانوں کے بحیثیت انسان مساوی اور برابر ہونے کا یہ مطلب نکال سکتا ہے کہ کوئی بڑا اور چھوٹا نہیں باپ اور بیٹے کا ہر اعتبار سے ایک ہی مرتبہ ہے استاذ وشاگرد میں کوئی تفاضل نہیں اور حاکم ورعایا سب ایک ہی مرتبہ کے ہیں؟ ظاہر ہے کہ مساوات کا یہ معنی ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔

اسی طرح مرد اور عورت کی مساوات کا یہ مطلب نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ دونوں میں کسی بھی اعتبار سے کوئی فرق نہیں اور شوہر کو کسی بھی اعتبار سے تفوق نہیں۔ غرض یہ کہ اسلام میں شوہر کو ایک عظمت وبلندی ومرتبہ حاصل ہے اور عورت پر لازم ہے کہ اس کا لحاظ رکھے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

اے عورتو! اگر تم کو معلوم ہو جائے کہ تمہارے مردوں کا تم پر کیا حق ہے تو تم اپنے شوہروں کے قدموں کی غبار ودھول کو اپنے گالوں سے صاف کروگی[1]

(1) الکبائر للذہبی ص ۱۷۴

ایک حدیث میں جس کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور احمد نسائی نے روایت کیا ہے اس میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے پوچھا کہ :

عورت پر سب سے بڑا حق کس کا ہے ؟آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے شوہر کا(1)

ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :

عورت پر سب سے زیادہ حق اس کے شوہر کا ہے اور مرد پر سب سے زیادہ حق اس کی ماں کا ہے۔(2)

بیوی پر شوہر کے اس قدر حقوق عائد ہوتے ہیں کہ ان کی ادائیگی کے بغیر اس کی عبادت و بندگی بھی ناقص رہے گی۔

"لَا تُؤَدِّي الْمَرْأَةُ حَقَّ رَبِّهَا حَتَّى تُؤَدِّي حَقَّ زَوْجِهَا "

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت جب تک اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے وہ اپنے رب کا حق بھی ادا نہیں کر نہیں کر سکتی(3)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ :

(1) فتح الباری ۱۰ ,۴۰۲

(2) جمع الفوائد

(3) ابن ماجہ کتاب النکاح ۱ ,۵۹۵

تین شخص ہیں جن کی نماز قبول ہوتی ہے نہ ان کی کوئی نیکی (آسمان کی طرف) چڑھتی ہے۔ ایک وہ غلام جو بھاگ گیا ہو جب تک وہ اپنے آقا کی طرف لوٹ کر نہ آجائے اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہ دیدے (اطاعت کرے) دوسرے وہ عورت جس پر اس کا خاوند ناراض ہو۔ تیسرے وہ شرابی جب تک کہ نشہ اس کا نہ اترے (1)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ شوہر کی ناراضی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور اس عورت کی نماز اور نیکی کو رد فرمادیتے ہیں جو شوہر کو ناراض کر کے کرتی ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ اس سے مراد وہ ناراضی ہے جو شرع کے موافق ہو اگر شوہر اس لئے ناراض ہوتا ہے کہ عورت اللہ کے حکموں پر چلتی ہے تو اس کی یہ ناراضی حدود شرع سے متجاوز ہونے کی وجہ سے اس کا اعتبار نہ ہو گا۔

ہاں نوافل، مستحبات کے ادا کرنے میں عورت کو چاہئے کہ شوہر کی رضا کا لحاظ رکھے۔ مثلاً نفل نماز پڑھنے یا نفل روزے رکھنے سے شوہر کے حقوق میں کوتاہی لازم آتی ہو تو عورت کو نفل نماز و نفل روزے کی اجازت نہ ہو گی مگر یہ کہ شوہر اجازت دیدے تو پھر درست ہو گا چنانچہ حدیث میں ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

عورت کے لئے حلال و جائز نہیں کہ وہ روزہ رکھے جبکہ اس کا شوہر موجود ہو مگر اس کی اجازت سے (رکھ سکتی ہے) (2)

---

(1) بیہقی۔ مشکوۃ ص ۲۸۳

(2) بخاری ۲۔ ۷۸۲

حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ :

عورت رمضان کے سوا کوئی اور روزہ نہ رکھے جبکہ اس کا خاوند موجود ہو مگر یہ کہ اس کی اجازت ہو (تو پھر جائز ہے)(1)

شوہر کی اطاعت وخدمت :

اوپر ذکر کی گئی احادیث سے معلوم ہوا کہ شوہر کا مقام و مرتبہ اتنا ہے کہ نفل عبادات بھی شوہر کی اجازت کے بغیر انجام نہیں دے سکتی جب نفل عبادات کے لئے اس کی اجازت ضروری ہے تو دیگر امور میں تو بدرجہ اولیٰ شوہر کی اطاعت لازم ہے چنانچہ اسلام نے شوہر کی اطاعت وخدمت کو عورت کے کمال وخوبی میں شمار کیا ہے اور اس کو عورت پر لازم بھی قرار دیا ہے اور جنتی عورت اس کو قرار دیا ہے جو اپنے شوہر کی اطاعت وخدمت کر کے اس کو راضی کر لے۔

اَیُّمَا اِمْرَاَۃٌ مَاتَتْ وَزَوْجُھَا عَنْھَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّۃَ(2)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت اس حال میں مر جائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی رہا تو وہ جنت میں داخل ہو جائیگی۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ :

---

(1) ابوداؤد ا, ۳۳۳

(2) ترمذی ۳, ۴۶۶

عورت اگر پانچ وقت کی نماز پڑھے، اور رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو وہ جنت کے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے[1]

اس حدیث میں شوہر کی اطاعت کرنے والی عورت کو خوشخبری سنائی گئی کہ وہ ضرور جنت میں جائیگی اور اس کو اختیار ہو گا کہ جنت کے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے اس میں اشارہ ہے کہ اس کو کوئی چیز دخول جنت سے مانع نہ ہو گی اور جلد سے جلد جنت میں پہنچ جائیگی۔[2]

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ:

اَیُّ النِّسَاءِ خَیْرٌ

کہ سب سے اچھی عورت کون ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

وہ عورت جو اپنے شوہر کو خوش کر دے جب وہ اس کو دیکھے اور اس کی فرمانبرداری کرے جب وہ کوئی حکم دے اور اس کے خلاف نہ کرے نہ اپنے نفس میں اور نہ اپنے مال میں جس کو وہ ناپسند کرے[3]

---

(1) مشکوۃ ص ۲۸۱

(2) مرقات ۶ ی۔ ۲۷۲

(3) نسائی ۲۔ ۷۱، مشکوۃ ص ۲۸۳

بزرگوں نے فرمایا کہ عورت کو جنت میں جانے کیلئے مرد کی رضا کا ٹکٹ چاہئے اور مرد کو جنت میں جانے کیلئے ماں کی رضا کا ٹکٹ چاہئے لہٰذا اگر خاوند ماں کی خدمت میں لگا رہے تو بیوی کو روکنا نہیں چاہئے نہ برا سمجھنا چاہئے اس لئے کہ وہ ماں کی خدمت کر کے جنت کما رہا ہے۔

شوہر کے حقوق کی اہمیت:

مرد کو راضی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے حقوق کا خیال رکھا جائے مرد کے حقوق میں ایک اہم حق یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کے جنسی تقاضوں کو پورا کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا لرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهٖ فَلْتَأْتِهٖ وَاِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّوْرِ۔

کہ جب شوہر بیوی کو اپنی حاجت کیلئے بلائے تو وہ چلی آئے خواہ وہ چولھے کے پاس ہی ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا دَاعَا لرَّجُلُ اِمْرَأَتَهُ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَاَبَتْ اَنْ تَجِيْئَ لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنی بیوی کو بستر پر بلائے مگر وہ انکار کر دے تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں[1]

(1) بخاری کتاب النکاح ۶۔ ۱۵۰

اور بعض حدیثوں میں مذکور ہے کہ شوہروں کے بلاوے پر ٹال مٹول کرنے والی عورتیں بہت بری ہوتی ہیں چنانچہ ارشاد ہے کی اللہ لعنت کرے ٹال مٹول کرنے والی عورتوں پر، جسے شوہر اپنے بستر پر بلاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ بعد میں بعد میں، یہاں واضح رہے کہ فطری اعتبار سے عورت کی بنسبت مرد میں جنسی خواہشیں نہ صرف زیادہ ہوتی ہیں بلکہ بعض مردوں کو اپنی اس خواہش پر قابو رکھنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ اور عورت اکثر وبیشتر مرد کے ان تقاضوں کو پورا کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی اسی بناء پر مردوں کو ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے تاکہ وہ غلط یا ناجائز طریقے اختیار کرنے کے بجائے جائز اور حلال طریقے سے اپنی خواہش پوری کر سکیں اسی فطری حقیقت کی بناء پر حدیث نبوی میں مرد کے بلاوے پر عورت کو ٹال مٹول سے کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

لہٰذا اگر ایک ہوشیار عورت شوہر کی عادت اور اس کے مزاج کے مطابق اسے ہر حال میں خوش اور مطمئن رکھنے کی کوشش کرے تو شائد دوسری شادی کی نوبت نہ آئے اس لئے ایک عورت کو اپنے گھر گرستی کے لئے کبھی کبھی اپنے نفس پر جبر کرنا پڑے گا اور نہ چاہتے ہوئے بھی شوہر کی خواہش کے سامنے سر نیاز جھکانا پڑے گا اسی میں ان دونوں کا فائدہ ہے ورنہ دوسری شادی مسئلہ کا حل نہیں ہے بلکہ اس سے مسائل اور بھی بڑھ سکتے ہیں۔ (1)

(1) اسلام کا قانون نکاح ص ۲۳۶

شریعت کے خلاف امور میں شوہر کی اطاعت نہیں:

حاصل یہ کہ عورت اپنے شوہر کے حقوق کا پورا خیال رکھے اور اسے راضی اور خوش کرنے کی تدبیر کرے مگر ایک بات ذہن میں رہے کہ شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کی رضا و خوشی کا اہتمام و خیال صرف اس موقع پر ضروری و لازم ہے جبکہ اس سے خدا کی نافرمانی و ناراضی لازم نہ آتی ہو اگر شوہر ایسی بات کا حکم دے جس سے خدا کی نافرمانی لازم آتی ہو یا اس کی ناراضی پر مشتمل ہو تو وہاں ہر گز شوہر کی بات نہیں مانی جائے گی۔

چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ:

انصار کی ایک عورت نے اپنی لڑکی کی شادی کی پس اس کے سر کے بال گرنے لگے وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئی اور عرض کیا کہ میرے شوہر نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے بالوں میں دوسرے بال ملاؤں آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بال میں بال ملانے والی عورت پر لعنت کی گئی ہے (1)

دیکھئے اس حدیث نے صاف بتادیا کہ جو بات خلاف شرع ہو اس میں شوہر کی بات نہیں مانی جائیگی۔

---

(1) بخاری ۲؍۸۴۷

گھر کے کام کاج پر اجر و ثواب:

بعض مرتبہ ہم لوگوں کے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات ایک دنیاوی قسم کا معاملہ ہے اور یہ صرف نفسانی خواہش کی تکمیل کا معاملہ ہے ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ دینی معاملہ بھی ہے اس لئے اگر عورت یہ نیت کرلے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمہ یہ فریضہ عائد کیا ہے اور اس تعلق کا مقصد شوہر کو خوش کرنے اور شوہر کو خوش کرنے کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کو راضی و خوش کرنا ہے تو پھر یہ سارا عمل ثواب بن جاتا ہے۔

گھر کا جو کام خواتین کرتی ہیں اور اس میں نیت شوہر کو خوش کرنے کی ہے تو صبح سے لے کر شام تک وہ جتنا کام کر رہی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں عبادت میں لکھا جاتا ہے چاہے وہ کھانا پکانا ہو گھر کی دیکھ بھال ہو بچوں کی تربیت ہو یا شوہر کا خیال ہو یا شوہر کے ساتھ خوش دلی کی باتیں ہوں، ان سب پر ثواب و اجر لکھا جا رہا ہے بشرطیکہ نیت درست ہو اس موضوع پر بالکل صریح حدیث موجود ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

میاں بیوی کے جو باہمی تعلقات ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر بھی اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں صحابہ کرام نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! وہ تو انسان اپنی نفسانی خواہشات کے تحت کرتا ہے اس پر کیا اجر؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ ان نفسانی خواہشات کو ناجائز طریقے پر پورا کرتا تو اس پر گناہ ہوتا یا نہیں؟ صحابہؓ کرام نے عرض کیا! یارسول اللہ گناہ ضرور ہوتا آپ ﷺ نے فرمایا چونکہ میاں بیوی ناجائز طریقے کو چھوڑ کر جائز

طریقے سے نفسانی خواہشات کو میری وجہ سے اور میرے حکم کے ماتحت کر رہے ہیں اس لئے اس پر بھی ثواب ہوگا۔(1)

بیوی گھر میں آنے کی اجازت نہ دے:

حضرت ابوہریرہؓ کی وہ حدیث جس میں شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کو نفل روزہ کی ممانعت ہے اس کا اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا

"وَلَا تَأْذَنَ فِيْ بَيْتِهِ اِلَّا بِاِذْنِهِ"

یعنی عورت کے ذمہ یہ بھی فرض ہے کہ شوہر کے گھر میں کسی کو شوہر کی اجازت کے بغیر داخل ہونے کی اجازت نہ دے۔

یا کسی ایسے شخص کو گھر کے اندر آنے کی اجازت دینا جس کو شوہر ناپسند کرتا ہو یہ عورت کے لئے بالکل ناجائز اور حرام ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس بات کو اور تفصیل سے بیان فرمایا کہ یاد رکھو تمہارا تمہاری بیویوں پر بھی کچھ حق ہے اور تمہاری بیویوں کا تم پر بھی کچھ حق ہے یعنی دونوں کے ذمہ ایک دوسرے کے کچھ حقوق ہیں اور دونوں کے حقوق کی نگہداشت اور پاسداری فریقین پر لازم ہے تو وہ حقوق کیا ہیں؟

---

(1) مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۹۱۷

وہ یہ ہیں کہ اے مردو! تمہارا حق ان بیویوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں کو ایسے لوگوں کو استعمال نہ کرنے دیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو، اور تمہارے گھر میں ایسے لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دیں جن کا آنا تم ناپسند کرتے ہو۔ جہاں وہ حق بیان فرمائے ایک یہ کہ بیوی کی ذمہ یہ فرض ہے کہ وہ گھر کے اندر کسی ایسے شخص کو آنے نہ دے جس کے آنے کو شوہر ناپسند کرتا ہو حتی کہ اگر بیوی کے کسی عزیز یا رشتہ دار کا گھر میں آنا شوہر کو ناپسند ہو تو اس صورت میں اپنے عزیزوں کو بھی گھر میں آنے کی اجازت دینا جائز نہیں اور والدین کو صرف اتنی اجازت ہے کہ وہ ہفتہ میں ایک مرتبہ آکر بیٹی کی صورت دیکھ لیں اس سے تو شوہر ان کو روک نہیں سکتا۔

لیکن ان کو بھی شوہر کی اجازت کے بغیر گھر میں ٹھہرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے صاف لفظوں میں فرمادیا کہ جن کو تم ناپسند کرتے ہو ان کو آنے کی اجازت نہ دو، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اور دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ وہ بیویاں تمہارے بستروں کو استعمال کرنے کی اجازت نہ دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو بستر کے استعمال میں سب چیزیں داخل ہیں، یعنی بستر پر بیٹھنا، بستر پر لیٹنا، بستر پر سونا یہ سب اس میں داخل ہیں۔

حضرت ام المؤمنین ام حبیبہؓ نے اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے اپنے باپ حضرت ابو سفیانؓ کو جب وہ ایمان نہیں لائے تھے اور بیٹی کے یہاں آئے تو ام حبیبہؓ نے حضور ﷺ کے بستر پر باپ کو بیٹھنے نہیں دیا اور بستر لپیٹ دیا جس پر ابو سفیانؓ نے یہ کہا کہ رملہ! کیا یہ بستر میرے لائق نہیں ہے یا میں اس بستر کے لائق نہیں ہوں۔ حضرت ام حبیبہؓ نے جواب دیا کہ! ابا جان بات یہ ہے کہ آپ اس بستر کے لائق نہیں

ہیں اس واسطے کی یہ محمد ﷺ کا بستر ہے اور جو آدمی مشرک ہو میں اس کو اپنی زندگی میں اس بستر پر بیٹھنے کی جازت نہیں دے سکتی۔ اس پر ابو سفیان نے کہار ملہ! مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم اتنی بدل جاؤ گی کہ اپنے باپ کو بھی اس بستر پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دو گی۔ حضرت ام حبیبہؓ نے اس حدیث کی بناپر یہ عمل کیا۔

عورت کو اجازت کے بغیر اپنے شوہر کا مال خرچ کرنا جائز نہیں:

عورت کو چاہئے کہ اپنے نفس و مال میں اس کی مرضی کے خلاف کوئی تصرف نہ کرے مال میں تصرف سے مراد وہ مال ہے جو مرد نے ضروریات زندگی کیلئے عورت کو دیا ہے اس میں اس کی مرضی واجازت کے بغیر خرچ کرنا درست نہیں اور بعض علماء نے کہا کہ مال سے مراد عورت کا مال مراد ہے اس صورت میں عورت کو اپنے مال میں بھی بغیر شوہر کی مرضی کے تصرف نہیں کرنا چاہئے بہترین عورت کا یہی کردار ہوتا ہے۔ عورت کو اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے کسی کو تحفہ دینا بھی جائز نہیں ہے البتہ وہ اپنے مال میں سے دے سکتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

کسی عورت کیلئے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو تحفہ دینا جائز نہیں (1)

غرض کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر کی کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر خرچ نہیں کر سکتی علماء نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کے مال کو اندھا دھند یا بیدردی سے خرچ نہ

(1) نسائی کتاب الزکوۃ ۵۔ ٦٦

کرے بلکہ اس میں اعتدال اور میانہ روی کا پہلو اختیار کرے اگر وہ ایسا کرے گی تو اس پر اس کو ثواب بھی ملے گا ہاں اگر کوئی ہنگامی ضرورت پیش آجائے یا اتنا لینے کی حاجت لاحق ہو جائے جو عمومی اخراجات اور خیر وخیرات کے ماسوا ہو تو پھر اس سلسلہ میں شوہر کی اجازت ضروری ہو جائیگی لیکن اگر شوہر نے اس طرح کی اجازت پہلے سے دے رکھی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

جب عورت اپنے گھر کا کھانا (یا اناج) بغیر کسی خرابی کے خرچ کرتی ہے تو اسے اجر ملے گا اور شوہر کو بھی اس کی کمائی کی وجہ سے اور جمع کرنے والے کو بھی اسی طرح کا ثواب ہو گا۔[1]

اس حدیث سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ عورت اپنے شوہر کی غیر موجودگی میں اپنا اور اپنے بچوں کا نفقہ شوہر کے مال میں سے لے سکتی ہے۔

عورت کو اجازت کے بغیر باہر جانا جائز نہیں:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے

"وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى"

(1) بخاری کتاب الزکوۃ ۲، ۱۲۰

کہ عورتوں کو چاہئے کہ وہ اپنے گھروں میں قرار سے رہیں اور زمانہ جاھلیت کی طرح اپنے آپ کو دکھاتی نہ پھریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورت بلا ضرورت باہر نہ جائے اگر ضرورت سے باہر جانا ہو تو پردہ کے ساتھ اپنے شوہر سے جازت لے کر جائے بے پردہ ہو کر اور بلا اجازت کے عورت کو باہر جانا جائز نہیں۔ فقہا نے یہ قانون لکھا ہے کہ اگر شوہر عورت سے یہ کہہ دے کہ تم گھر سے باہر نہیں جا سکتیں اور اپنے عزیز و اقارب سے ملنے نہیں جا سکتیں حتی کہ اس کے والدین سے ملنے کیلئے جانے سے منع کر دے تو عورت کیلئے ان سے ملاقات کیلئے گھر سے باہر جانا جائز نہیں البتہ اگر والدین اپنی بیٹی سے ملنے کیلئے اس کے گھر آجائیں تو اب شوہر ان والدین کو ملاقات کرنے سے روک نہیں سکتا لیکن فقہاء نے اس کی حد مقرر کر دی ہے کہ اس کے والدین ہفتہ میں ایک مرتبہ آئیں اور ملاقات کر کے چلے جائیں یہ اس عورت کا حق ہے شوہر اس سے روک نہیں سکتا۔ لیکن اجازت کے بغیر عورت کے لئے جانا جائز نہیں ہے۔ (1)

کوئی عورت اپنے محرم کے بغیر سفر نہ کرے:

یہ بات تو معلوم ہو گئی کہ عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر باہر جانا جائز نہیں شوہر اجازت دے تو باہر جا سکتی ہے لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ اگر وہ کہیں کا سفر کر رہی تو اپنے کسی ذی محرم شخص کے بغیر تین دن بعض روایات کے مطابق ایک دن اور ایک رات کا اور بعض روایات کے مطابق صرف ایک رات کا سفر تنہا نہیں کر سکتی اور اس میں سفر حج بھی شامل ہے ذی محرم سے مراد عورت کا وہ قریبی

(1) اصلاحی خطبات جلد ۲ صفحہ ۵۳

رشتہ دار ہے جس کے ساتھ اس کا نکاح حرام ہو جیسے باپ بیٹا بھائی وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت تین دن کا سفر صرف کسی حرمت والے (محرم) شخص کے ساتھ ہی کر سکتی ہے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

کسی عورت کیلئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو یہ بات جائز نہیں کہ وہ ایک دن اور ایک رات کا سفر بغیر کسی محرم شخص کے کرے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

کسی مسلمان عورت کیلئے ایک رات کا سفر بھی بغیر کسی محرم شخص کے ساتھ کرنا جائز نہیں ہے [3]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

عورت تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر اسی صورت میں کر سکتی ہے جب کہ اس کا باپ، یا اس کا بھائی، یا اس کا بیٹا، یا اس کا شوہر، یا اور کوئی حرمت والا شخص اس کے ساتھ ہو [4]

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ عورت اپنے محرم کے بغیر تنہا سفر نہیں کر سکتی چاہے حج کا سفر یا کوئی دوسرا سفر ہو۔

---

(1) بخاری کتاب التفسیر ۲۔ ۳۵

(2) بخاری جلد ۲۔ ۳۶

(3) کتاب النکاح، ابوداؤد ۲۔ ۳۴۶

(4) ابوداؤد کتاب اللباس جلد ۴ ص ۳۵۵

شوہر کی ناشکری سے پرہیز:

عام طور پر عورتوں میں ایک بیماری یہ ہے کہ شوہر کی ناشکری کرتی ہیں۔ مال روپیہ ملے عمدہ کھانے دو بہترین کپڑے میں، راحت وآشائش کا پورا سامان میسر ہو مگر ذرا سی بات بھی خلاف مزاج پیش آجائے تو بلا جھجھک یہ کہ دیتی ہیں کہ اس گھر میں میں نے کبھی راحت نہیں پائی یہاں مجھے کوئی سکون نہیں۔ چنانچہ عورتوں کی اس زود رنجی اور ناشکری کا حدیث میں ذکر آیا ہے اور اس پر نبی کریم ﷺ نے وعید سنائی ہے ان احادیث کو بغور ملاحظہ کریں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

میں نے دوزخ کو دیکھا اس میں اکثر عورتیں تھیں صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ کس وجہ سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کی ناشکری کرنے کی وجہ سے، پوچھا گیا کہ کیا وہ اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ فرمایا کہ اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان کو جھٹلاتی ہیں اگر تو ان میں سے کسی سے پوری زندگی بھی احسان کرے سلوک کرے پھر تجھ سے کوئی بات خلاف طبع دیکھے گی تو یوں کہے گی کہ میں تیرے سے کوئی بھلائی کبھی نہیں دیکھی۔ (1)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ و حضرت عبد اللہ بن عمرو غیرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

(1) بخاری ۱؍۱۴۴۔ مسلم ۱؍۲۹۸

اے عورتو! تم صدقہ دو اور کثرت سے استغفار کرو کیونکہ میں نے دیکھا کہ تم دوزخ والوں میں زیادہ تعداد میں ہو

ایک جری عورت نے کہا کہ

یارسول اللہ ﷺ! ہماری کیا بات ہے کہ ہم دوزخ میں زیادہ جائیں گی؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ

تم (عورتیں) لعنت بہت کرتی اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔ایک روایت میں ہے کہ تم شکوہ بہت کرتی ہو[1]

ان روایات سے معلوم ہوا کہ عورتوں میں کچھ بری باتیں اور اخلاقی رذائل ایسے ہیں جن کی وجہ سے اکثر عورتیں جہنم جائینگی۔ ایک یہ کہ زبان پر بہت لعن وطعن کے الفاظ کا ہونا۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ اکثر عورتیں اپنے بچوں کو، بڑوں کو، اپنوں اور غیروں سب کو اکثر وبیشتر لعن طعن کرتی رہتی ہیں دوسرے یہ کہ شکوہ وشکایت ان کا محبوب مشغلہ ہے کہ معمولی معمولی باتوں پر شکوہ و شکایت کرنے لگتیں ہیں تیسرے یہ کہ شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور کتنا بھی انہیں چین وراحت شوہر کی طرف سے پہنچے مگر جوں ہی ذراسی بات خلاف مزاج پیش آئی سارے پر پانی پھیر دیتی ہیں۔

---

(1) ابن ماجہ ص ۲۸۸۔ مسلم جلد ۱ ص ۲۸۹

نبی کریم ﷺ نے اس پر وعید سنائی ہے کہ ایسی عورتیں جہنم میں جائینگی۔ اس لئے ایک تو عورتوں کو اس قسم کی برائیوں سے خصوصیت سے پرہیز کرنا چاہیئے دوسرے صدقہ وخیرات اور ستغفار کے ذریعہ ان گناہوں کو دھونا چاہیئے۔

شوہر کیلئے زیب وزینت:

ازدواجی زندگی میں جن امور کی بہت زیادہ اہمیت ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عورت شوہر کیلئے زیب وزینت اختیار کے اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ نبی کریم ﷺ ایک غزوہ سے واپس ہوئے تو صحابہؓ سے فرمایا کہ ابھی فوراً گھر میں داخل نہ ہوں بلکہ عورتوں کو ذرا مہلت دو کہ وہ بالوں کو ٹھیک کرلیں اور غیر ضروری بال صاف کرلیں (1)

اس حدیث میں سفر سے آنے والوں کو نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ابھی فوراً اچانک گھروں میں داخل نہ ہو اور عورتوں کو ذرا مہلت دو کہ وہ بالوں میں کنگھی کرلیں اور غیر ضروری بالوں کو استرے سے صاف کر کے زینت اختیار کرلیں۔

ملا علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں معنٰی یہ ہیں کہ اس وقت تک ٹھہر جاؤ کہ عورتیں اپنے شوہروں کیلئے زیب وزینت کرلیں اور اپنے آپ کو شوہر کیلئے تیار کرلیں۔ (2)

(1) بخاری ۲؍۷۶۔ مسلم ۱؍۴۷

(2) مرقات ۶؍ ۱۹۲

اس سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہو گئی کہ عورت کا مرد کیلئے زیب وزینت اختیار کرنا ضروری ہے اس لئے مردوں کو حکم دیا گیا کہ ایک دم واچانک گھروں میں داخل نہ ہوں تا کہ عورتیں زیب وزینت کرلیں۔اور علماء نے اس کو مرد کے حقوق میں شمار کیا ہے کہ عورت پاکی وصفائی اور زیب وزینت کے ساتھ رہے اور اس میں کوتاہی کرنے پر سزا دی جاسکتی ہے۔در مختار ورد المحتار میں ہے کہ زینت کو ترک کرنے پر شوہر بیوی کو سزا دے سکتا ہے اسی طرح غسل جنابت نہ کرنے پر بھی سزا دے سکتا ہے۔(1)

اسی طرح خانیہ اور بحر الرائق میں ہے کہ چار باتوں پر شوہر بیوی کو مار سکتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورت زینت ترک کرے اور ایک حیرت ناک بات یہ بھی سن لیجئے کہ ان چاروں میں سے ایک چیز نماز کا ترک کرنا اور چھوڑنا بھی ہے۔مگر اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ نماز کے چھوڑنے پر عورت کو شوہر مار سکتا ہے یا نہیں لیکن ترک زینت پر مارنے کے جواز پر سب کا اتفاق ہے۔(2)

اس سے اندازہ لگایئے کہ عورت پر شوہر کیلئے زینت کا اختیار کرنا کس قدر ضروری واہم ہے اور زینت ونظافت وصفائی میں یہ چیزیں بھی داخل ہیں کہ منہ کو مسواک یا کسی اور چیز سے صاف کرے اور جسم اور کپڑوں کو عطر وخوشبو سے معطر کرے اور صاف ستھرے کپڑے پہنے بالوں میں کنگھی کرے زیر ناف اور بغلوں کے بالوں کو صاف کرے وغیرہ۔(3)

---

(1) شامی ۴؍۷۷

(2) خانیہ علی ہامش الھندیہ جلد ۱ ص ۴۴۲

(3) اسلام میں عورت کا کردار ص ۶۶

گھر اور بچوں کی حفاظت:

اسلام نے پاکیزہ اور پر سکون اور پر لطف زندگی کیلئے جو اصول وضوابط تعلیم فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عورت شوہر کے گھر کی اس کے مال واسباب کی اور اس کے بچوں کی نگرانی وحفاظت کرتی رہے یہ اس کے فرائض اور ذمہ داریوں میں داخل ہے چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ :

عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچے کی راعی و نگراں اور حفاظت کرنے والی ہے راعی وہ امانت دار نگراں ہے جو اس چیز کی اصلاح وتدبیر میں لگا رہتا ہے جو اس کی ذمہ داری میں دی گئی ہو۔[1]

اور عورت کی نگرانی یہ ہے کہ گھریلو امور اور اولاد اور خدام کی تدبیر کرے اور اس معاملے میں شوہر کا تعاون کرے یعنی شوہر کے مال اور اولاد کی حفاظت کرے کسی چیز کو ضائع نہ ہونے دے کوئی چیز خراب نہ کرے ورنہ اس سلسلے میں اسکی پوچھ ہوگی۔ چنانچہ اوپر درج کردہ حدیث کے اول آخر میں یہ جملہ ہے کہ

اَلَا فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ

تم سے ہر ایک نگراں ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اپنی ماتحت رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

لہٰذا عورتوں کو چاہیئے کہ وہ حضرت فاطمہؓ کی سنت اختیار کریں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تمام کام خود اپنے ہاتھوں سے کیا کرتی تھیں۔

---

(1) بخاری ۲؍۱۰۵۷، ۱۳؍۱۱۲۔ فتح الباری ۱۱۳

بچوں کی تربیت و نگرانی:

عورت پر شادی کے بعد جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان میں سے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت بھی اہم اور نازک ذمہ داری ہے اس کی طرف اوپر کی حدیث میں اشارہ گزر چکا ہے مگر اس کی اہمیت کے پیش نظر اسکو الگ سے ذکر کرنا مناسب سمجھا گیا۔

بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اگرچہ باپ پر عائد ہوتی ہے لیکن اس سلسلہ میں ماں جو کردار (رول) ادا کرسکتی ہے اس کے مقابلے میں باپ کی حیثیت ثانوی درجہ کی رہ جاتی ہے اسلئے ماں کی گود بچہ کا سب سے پہلا مدرسہ اور تعلیم گاہ ہوتی ہے۔ پھر بچہ کو ماں سے دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے اکثر اوقات سابقہ پڑتا ہے جبکہ باپ سے بہت کم سابقہ پڑتا ہے۔اس لئے عورت پر بچوں کی تعلیم و تربیت کی یہ نازک ذمہ داری باپ سے زیادہ عائد ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں ایک بات تو یہ ذہن میں رکھیں کہ بچوں کو شروع ہی سے ایمان و یقین میں مضبوط کرنے کی فکر کریں۔ دوسرے اسلامی آداب و اسلامی تہذیب سے ان کو آراستہ کرنے کی کوشش کرنا چاہئے ۔ پھر جب وہ پڑھنے لکھنے کے قابل ہو جائیں تو تعلیم کا بندوبست کرنا چاہئے۔ تعلیم میں اول و مقدم دینی تعلیم کو رکھنا چاہئے پھر عصری و دنیوی علوم سے بھی بچوں کو بھی آراستہ کرنے کی تدبیر کرنا چاہئے۔

یہ مختصر جملے بڑی تفصیل کے متقاضی ہیں لیکن یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔آج عام طور پر مائیں اپنے بچوں کی تربیت میں انتہائی کوتاہی کرتی ہیں ان کو نہ اسلامی آداب سکھاتی ہیں نہ اسلامی تہذیب

واخلاق سے ان کو آراستہ کرتی ہیں۔ بلکہ صرف انگریزی اسکولوں کے حوالہ کر کے یہ سمجھ جاتی ہیں کہ ہم نے حق ادا کر دیا۔

مگر ان کو یہ خبر نہیں کہ ان اسکولوں میں ایمان ویقین تو ایک طرف رہا وہاں ان بچوں کو اخلاق وآداب کی بھی تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ اور زیادہ بے ادبی، گستاخی، بد تہذیبی سکھائی جاتی ہے جیسا کی مشاہدہ وتجربہ ہے اس لئے بچوں کی تربیت کا گھر میں نظام بنانا چاہئے مگر اس کے لئے پہلے ماؤں کو علم واخلاق ایمان واسلام سے اپنے آپ کو مزین وآرستہ کرنا چاہئے ورنہ جہالت وبد اخلاقی وبد تہذیبی سے ماں خود آزاد نہ ہو تو بچوں کی وہ کیا تربیت کر سکے گی؟ بچوں کی تربیت کیلئے انبیاء کرام کے قصے حضرات صحابہ وصحابیات کے واقعات اور بزرگان دین کے حالت وکوائف کا پیش کرنا اور ان کو سنانا نہایت مفید ہوتا ہے اور چونکہ بچے کہانی سننے کے شوقین ہوتے ہیں اس لئے ان قصوں کو وہ بہت ذوق ورغبت سے سنتے ہیں اور یاد بھی رکھتے ہیں۔ لہٰذا اس کا بھی اہتمام کیا جانا چاہئے۔

بعض عورتیں بچوں کو گالیاں سکھاتی ہیں اور بچے کی زبان سے گالی سن کر خوش ہوتی ہیں اور اکثر عورتیں اپنے بچوں کو ٹی وی کا عادی بناتی ہیں اور بچے اس کی وجہ سے فحش اور بے حیائی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بعض عورتیں اپنے بچوں کو گالیاں سکھا کر خوش ہو جاتی ہیں غور کیجئے کہ یہ تربیت ہو رہی ہے یا بگاڑ؟

غرض یہ کہ ماں پر یہ بڑی اہم ونازک ذمہ داری ہے اس کو احساس ذمہ داری کے ساتھ ادا کرنا چاہئے۔ تربیت اولاد کے سلسلے میں علماء نے لکھا ہے کہ جن چیزوں کا بچہ زیادہ محتاج ہوتا ہے ان میں سے ایک اس کے اخلاق کی طرف توجہ بھی ہے کیونکہ اخلاق پیدا ہی ہوتے ان چیزوں سے جن کی عادت مربی

ذہن میں ڈالتے ہیں جیسے سخت مزاجی، غصہ، چاپلوسی، جلد بازی، طیش شدت اور لالچ وغیرہ۔ پس بڑے ہونے کے بعد ان چیزوں کی تلافی اس پر مشکل ہو جاتی ہے اور یہ صفات وحالات اس میں راسخ ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے اکثر لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ ان کے اخلاق منحرف ہوتے ہیں کیونکہ ان کی تربیت ہی اسی طرح ہوئی ہے۔

اسی طرح ضروری ہے کہ بچہ جب عقل وشعور کی عمر کو پہنچ جائے تو لہو ولعب باطل قسم کی مجالس سے بچے، گانے بجانے، فحش اور بدعت اور بری گفتگو سننے سے بچے کیونکہ جب یہ اس کی سماعت سے معلق ہو جاتے ہیں تو بڑے ہو کر ان باتوں سے الگ ہونا اس پر مشکل ہوتا ہے اور اس کے ذمہ دار کو بھی ان باتوں سے اس کو ہٹانا شاق (مشکل) ہوتا ہے کیونکہ عادت کو بدلنا مشکل کاموں میں سے ہے۔

ذمہ دار کو چاہئے کہ وہ بچہ کو کسی سے کوئی چیز لینے سے بہت ہی زیادہ اجتناب کرائے کیونکہ جب وہ لینے کا عادی ہو جائیگا تو یہ اس کی طبیعت ثانیہ بن جائیگی اور وہ لینے کا عادی ہوگا نہ کہ کسی کو دینے کا لہٰذا بچہ کو دینے اور خرچ کرنے کی عادت ڈالے اور ذمہ دار جب کسی کو کچھ دینا چاہے تو بچے کے ہاتھ دلوائے تاکہ وہ دینے کی حلاوت کا مزہ چکھے۔

نیز بچے کو جھوٹ اور خیانت سے اس سے زیادہ بچائے جتنا کہ اس کو زہر سے بچاتے ہیں کیونکہ جھوٹ اور خیانت اگر اس کے اندر آگیا تو دنیا وآخرت کی سعادت اور خیر سے محروم ہو گیا۔ بچہ کو سستی اور بیکاری سے راحت وآرام سے بچائے بلکہ اس کے خلاف (محنت ومجاہدہ) کی عادت ڈالے۔ کیونکہ کو سستی اور بیکاری برے نتائج اور شرمندگی کا سبب اور ذریعہ بنتے ہیں، غرض علامہ ابن القیمؒ کے اس کلام سے بہت

سی باتوں پر روشنی پڑتی ہے اگر ہماری مائیں ان پر توجہ مرکوز کریں تو ان کی اولاد سلف کے نمونہ پر چلے گی اور مخلوق کو بھی ان سے نفع ہو گا۔

آخر میں اولاد سے متعلق یہ حدیث بھی سن لیں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

"ادبوا اولادکم علیٰ ثلث خصال حب نبیکم وحب آل بیته وتلاوۃ القرآن "(1)

اپنی اولاد کو تین عادتوں پر تربیت کرو ایک تمہارے نبی اکرم ﷺ کی محبت، دوسرے نبی کے گھر والوں کی محبت، تیسرے تلاوت قرآن۔

اس حدیث میں اول ایمان دوسرے اعمال کی تعلیم و تلقین اور اس پر تربیت کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ رسول اور آل رسول کی محبت ایمان کا تقاضا ہے اور جس کے دل میں یہ چیز پیدا ہو جائے وہ اتباع رسول اور اتباع آل رسول کے ذریعہ اپنے عمل کو بھی درست کر لیتا ہے۔

لہٰذا سب سے پہلے رسول کی محبت بچوں میں پیدا کی جائے پھر تلات قرآن کی تعلیم ہونا چاہئے اس لئے کہ قرآن ہمارا اصل ماخذ اور سرچشمہ ہدایت ہے۔ آج بچوں کو خود ماں باپ فلم اسٹاروں، کھلاڑیوں اور دنیاداروں کی محبت سکھاتے ہیں اور دنیا بھر کی چیزیں پڑھاتے ہیں مگر قرآن اور اسلام کی تعلیم نہیں دیتے یا اگر دیتے بھی ہیں تو ثانوی درجہ دیتے ہیں جس سے بچوں کے اندر بگاڑ اور فساد کا آنا لازمی ہے۔

(1) طبرانی بحوالہ کنوز السنۃ ص ۱۳۸

غرض یہ کہ ماں باپ کے ذمہ ہے کہ بچوں کی تربیت پر خاص زور صرف کریں اور ہر اچھی عادت اور تمام اچھوں اخلاق ان میں پیدا کرنے کو کوشش کریں۔

شوہر کے والدین اور رشتہ داروں سے سلوک:

عورت پر لازم ہے کہ شوہر کے والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے شوہر کی ماں کو اپنی ماں اور باپ کو اپنا باپ اور بھائی کو اپنا بھائی اور بہن کو اپنی بہن اور اس طرح دیگر رشتہ داروں کو درجہ بدرجہ مقام دے کر ان کو اس درجہ و مقام کے لحاظ سے دیکھے اور اسی کے مناسب ان سے سلوک کرے۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں عورت پر واجب ہے کہ:

شوہر کے خاندان والوں اور ان کے رشتہ داروں کا اکرام کرے(1)

آج کل امت میں جو خرابیاں اور جو امراض و بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں جن سے معاشرہ فاسد اور خراب و متعفن ہو گیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عورت شادی ہوتے ہی شوہر کو اس کے رشتہ داروں اور والدین سے جدا کرنے کی فکر کرتی ہے۔ اور اس کی تحریک شروع ہوتی ہے شوہر کے والدین سے بد سلوکی شوہر کے بھائی بہنوں سے لڑائی جھگڑا اور اس کے رشتہ داروں سے نفرت و کراہت اور ان کی توہین و تذلیل سے آخر کار نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ شوہر اور اس کے خاندان میں نفاق و شقاق پیدا ہو

(1) الکبائر ص ۱۷۵

جاتا ہے اور جدائی وفراق کے حالات بن جاتے ہیں اور اس سب کی ہیروئن یہی نئ نویلی دلھن ہوتی ہے اسلام تو اتحاد واتفاق کا پیار ومحبت کا سبق دیتا ہے اور یہاں اس کے خلاف نفاق وشقاق وفراق کی باتیں ہوتی ہیں۔ اور عورت کو چاہئے کہ اس روش سے دور رہے اور شوہر کے تمام اہل خاندان سے محبت کے ساتھ اور حسن سلوک کے ساتھ رہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ہر جگہ اور کلی طور پر اس صورۃ حال کی ذمہ دار یہ شادی ہونے والی لڑکی ہوتی ہے نہیں بلکہ بہت ساری جگہوں پر شوہر کے والدین رشتہ دار اور خود شوہر کی طرف سے لڑکی پر ظلم وزبردستی اور بیجا مطالبات وغیرہ کی وجہ سے اس طرح کی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے اگر زیادتی شوہر کی طرف سے یا اس کے والدین اور رشتہ داروں کی طرف سے ہو رہی ہے تو اس کا ذمہ دار شوہر ہوگا اس صورت میں عورت کو صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے اور جہاں تک ممکن ہو سکے صبر کرنا چاہئے اور دعا بھی کرتے رہنا چاہئے امید ہے کہ اللہ تعالٰی سب حالات درست کردے گا۔

آخری بات نباہ کی کوشش:

ازدواجی زندگی کا مسئلہ بڑا ہی نازک ہوتا ہے اور یہ صرف دو افراد مرد وعورت کا مسئلہ نہیں بلکہ دو خاندانوں کا مسئلہ ہے پھر ایک دو دن یا چند مہینوں کا مسئلہ نہیں بلکہ زندگی بھر کا مسئلہ ہے اس لئے کھٹی میٹھی باتیں نرم وگرم حالات، سختی ونرمی کی کیفیات مزاجوں میں فرق حالات میں اتار چڑھاؤ، رایوں میں اختلاف، نظریات میں تفاوت وغیرہ وغیرہ سبھی قسم کی باتیں پیش آسکتی ہیں اس لئے ہر صورت حال کو انگیز کرنے اور قبول کرنے کیلئے عورت کو پہلے ہی سے تیار رہنا چاہئے۔

مرد کی طرف سے کبھی سختی پیش آئے یا اس کا نظریہ وخیال اس کے نظریے وخیال سے کسی معاملہ میں مختلف ہو جائے، کبھی غصہ دیکھنے کو ملے، کبھی مالی تنگی پیش آجائے ہر صورت میں عورت نبھانے کی کوشش کرے اسی لئے شریعت میں ازدوجی تعلق کو توڑنے کی سخت مذمت وبرائی بیان کی گئی ہے۔ جیسا کہ یہ حدیث آچکی ہے کہ شیطان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ میاں بیوی میں لڑائی جھگڑا اور پھر جدائی ہو اس سے وہ بہت خوش ہوتا ہے معلوم ہوا کہ میاں بیوی میں تفریق وجدائی شیطان کو سب سے زیادہ پسند ہے لہٰذا مرد کو بھی اور عورت کو بھی چاہئے کہ کسی بھی صورت میں تفریق کی نوبت نہ آنے دے الا یہ کہ ضروت شدیدہ لاحق ہو جائے۔

نیز حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جو کوئی عورت اپنے شوہر سے بلاوجہ طلاق مانگے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے(1)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو بلاوجہ طلاق یا خلع کا مطالبہ کرنا جائز نہیں بلکہ نباہ کرنا چاہئے ہاں اگر ایسی سخت حالت پیش آجائے کہ بغیر طلاق یا خلع کے زندگی مشکل ہو جائے پھر الگ بات ہے ۔باقی چھوٹی موٹی باتوں سے در گزر کرتے ہوئے اور صبر سے کام لیتے ہوئے خوشگوار زندگی گزارنی چاہئے ۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ازدوجی زندگی کو پر سکون وکامیاب بنائے۔آمین

(1)ابوداؤد ا، ۳۰۳

مسلمان اطباء اور ان کے کارنامے

(1) حکیم علی گیلانی

حکیم علی گیلانی عہد اکبری کا نہایت نامور طبیب تھا، مشہور زمانہ علمی مرکز گیلان کا باشندہ تھا 962ھ/۱۵۵۴ء میں پیدا ہوا، اس کے اہم متعلقین میں اس کے ماموں حکیم الملک شمس الدین اور حکیم فتح اللہ شیرازی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

علوم عقلیہ کی تعلیم شیخ عبدالنبی بن شیخ احمد گنگوہی سے حاصل کی، طب حکیم فتح اللہ شیرازی سے سیکھا، بے حد پریشان حال اور مفلسی کے حالات میں ہندوستان آیا، کچھ دکن میں قیام کر کے دہلی آنا ہوا جہاں خوش قسمتی سے شاہی ملازمت ملنے سے حالات بہتر ہوئے، مذہب کے لحاظ سے شیعہ تھا، بے حد خلیق اور شریف انسان تھا، حالات سنبھلتے ہی اس نے اپنی جیب سے ٦/ہزار روپے سالانہ غریبوں کے لیے وقف کر دیا۔

طبیب اور مصنف ہونے کے علاوہ اسے تعمیرات سے بھی گہری دلچسپی تھی، لاہور کا عجیب وغریب حوض بھی اس کی فن تعمیر کا شاہکار ہے۔

حکیم علی گیلانی نے ایک مرتبہ رمضان المبارک میں عین افطار کے وقت مچھلی کھالی، جس سے شدید پیاس لگی، اور اس کے ازالہ کے لیے انھوں نے بہت زیادہ پانی پی لیا، اور کی کٹورے خالی کر دئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پیٹ پھول گیا اور سانس لینے میں تنگی ہونے لگی، پیٹ کا تناؤ بڑھ گی کہ معلوم ہوتا تھا کہ پیٹ پھٹ جائے گا، حکیم نے اپنے مرض پر غور کیا، اور نتیجہ یہ نکالا کہ ایہ سب مچھلی کا فساد ہے جس سے غلیظ رطوبت پیدا ہو گئی ہے، جب تک یہ جسم سے باہر نہیں نکلے گی تکلیف دور نہ ہو گی۔ چنانچہ انہوں نے دار چینی کو پانی میں جوش دے کر پی لیا جس سے فوراً قے شروع ہو گئی اور مادۂ غلیظہ کے ذریعے خارج ہو گیا اور تمام شکایات رفع ہو گیں۔

مشہور ہے کہ ان کی حذاقت کے امتحان کے لیے شہنشاہ اکبر نے حکیم علی کے سامنے مریض، صحت مند گائے اور گدھے کے قارورے پیش کئے، حکیم علی نے تجربہ اور قیاس کی بنیاد پر فوراً تینوں کی علیحدہ شناخت کرادی، ان کی اس حذاقت اکبر بادشاہ سے (۱۶۹۶ء) میں بہت خوش ہوا اور ان کو اپنے دربار میں نہایت اہم مقام عطا فرمایا۔

(۲) حکیم محمد ہاشم علوی خان

دار العلم شیراز میں پیدا ہوئے، ۱۶۹۹ء میں ہند پاکستان آئے اور عالمگیر بادشاہ کی خدمت میں خلعت و منصب سے سرفراز ہوئے، محمد اعظم شاہ کی خدمت پر بھی متعین ہوئے۔

شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد میں علوی خطاب ملا، اس کے علاوہ منصب میں بھی اضافہ ہوا اور جاگیر ملی، محمد شاہ بادشاہ زکا کا بہت میاب علاج کیا، باشاہ موصوف نے چاندی میں تلوایا، شش ہزار منصب، تین ہزار روپے ماہوار ملا، اور معتمد الملک کے خطاب سے نوازا گیا، نادر شاہ بہت اعزاز کے ساتھ اپنے ہمراہ لے گیا، وہاں سے حج بیت اللہ کے لئے گئے، ۱۷۴۳ء میں دہلی واپس ہوئے۔

ان کی تصانیف میں "جامع الجوامع "قبادین، مطب حکیم علوی خاں، ہاشیہ شرح اسباب و علامات، شرح موجز القانون، احوال اعضاء النفس اور خلاصہ اور قوانین علاج وغیرہ ہیں، ان میں سے سب سے مشہور "جامع الجوامع" ہے جو اسم با مسمیٰ ہے، ۱۵/رجب ۱۱۱۶ھ /۱۷۷۹ء میں مرض استسقاء میں وفات ہوئی اور وصیت کے مطابق حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب میں دفن کیا گیا۔

(3) حکیم محمد شریف خان

حکیم محمد شریف خان 1714 عیسوی میں بعہد محمد شاہ (م ۱۷۴۸ء) میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم دہلی کے مشہور محدث اور عالم حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے میں ہوئی۔

حکیم عابد سرہندی اور حکیم اچھے صاحب سے طب کی تعلیم حاصل کی، اپنے والد حکیم اجمل خان سے مطب سیکھا، بہت کامیاب مطب رہا، مغل بادشاہ کے درباری طبیب بھی رہے ہیں، آپ کو اشرف الحکماء کا لقب دیا گیا تھا۔

زبردست حذاقت کی بناپر حکیم شریف خان نے بہت جلد شہرت حاصل کرلی،آپ کا مطب دہلی میں مرجع الخلائق تھا، صبح ہی سے بھیڑ لگ جاتی تھی،مطب کے بعدآپ کے اہم شاگردوں میں موری گیٹ کے مرزا محمد کامل عرف پنجانے بہت دنوں تک نمایاں خدمات انجام دیں۔

اس کے علاوہ بہت سے شاگرد ہندوپاک میں طبّی خدمات انجام دیتے رہے ہیں، طبّی مہارت کی وجہ سے حکیم صاحب کو شاہی طبیب مقرر کیا گیا تھااور ضلع پانی پت میں 25 ہزار کی جاگیر عطا کی گئیں تھی،دربار سے آپ کواشرف الحکمہ کالقب دیا گیا تھا۔

سرسید احمد خان اپنی مشہور کتاب "آثار الصنادید" میں حکیم شریف خان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :

وہ اپنے عصر میں سرآمد حکماءاور سرحلقہ اطباءتھے،آج تک ان کے کمالات کاشہرہ ازبس بلند ہے،جالینوس اورارسطوکافلسفہ ان کے سامنے ایسا ہی ہے جیسے طوطی کی آواز نقار خانے میں ہے۔

ان کے تصانیف میں" علاج الامراض"،" عجالہ نافعہ "، " میزان الطب "، " النفسیہ حدودالامراض "، " ، قوائد الشریفیہ ، حاشیہ کلیا تفیسی ،حاشیہ شرح اسباب، تحفہ عالم شاہی، شرح حمیات قانون، دستورالفصد،تالیف شریفی ورسالہ خواص الجوہر ،رسالہ چوب چینی یہ سب شامل ہیں ۱۸۹۷ء میں دہلی میں وفات پائی تھی اوردرگاہ قطب صاحب مہرولی میں دفن ہوئے۔

آپ نے مشکوۃ شریف کا فارسی ترجمہ "کاشف المشکوٰۃ" کے نام سے کیا ہے، ان کے علاوہ شاہ عالم ثانی کے حکم سے قرآن شریف کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا۔

(4) حکیم مومن خان

حکیم مومن خان مومن بن حکیم غلام نبی خان (۱۲۴۱ھ) بن حکیم نامدار خان کوچۂ جیلان دہلی میں پیدا ہوئے، تعلیم کا آغاز گھر سے ہوا، پھر ابتدائی تعلیم شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں شروع ہوئی۔

اس کے بعد شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمیذ حاصل کیا اور انھیں سے عربی، فارسی ، حدیث، فقہ کا اور منطق وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، طب کی تعلیم اپنے چچا حکیم غلام حیدر خان اور والد حکیم نبی خان سے حاصل کی، آپ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے، اس کے علاوہ علم نجوم اور فن موسیقی میں بھی درست دسترس رکھتے تھے، آپ ایک اچھے عامل بھی تھے، ۱۸۵۱ء میں دہلی میں وفات ہوئی۔

ایک مرتبہ حکیم مومن خان مطب میں مریضوں کا معائنہ کر رہے تھے، ایک شخص آیا اور اس نے اپنی نبض حکیم صاحب کی طرف بڑھائی،

حکیم صاحب نے نبض دیکھ کر نسخہ لکھ دیا اور کہا کہ: ان دواؤں کو عطار سے خرید لیں۔

کچھ روز بعد وہ شخص حکیم صاحب کے پاس آیا۔

حکیم صاحب نے دیکھ کر اس سے نسخہ مانگا۔

اس پر مریض تعجب کے انداز میں کہنے لگا کہ : اس نسخہ کو تو میں برابر دو دن سے ابال کر پی رہا ہوں اور مجھے کافی فائدہ ہے اور میرا مرض اب تقریبا ختم ہو گیا ہے، آپ وہی نسخہ پھر لکھ کر مجھے دیں، تاکہ رہا سہا مرض بھی ختم ہو جائے۔

حکیم صاحب نے بجائے ناراض ہونے یا تعجب کرنے کے مریض کی فرمائش پر وہی نسخہ پھر لکھ دیا اور شاگردوں سے کہا کہ : مریض کو اس نسخہ پر اعتماد ہو گیا ہے، اس لیے اگر میں ٹوکتا اور اس کی غلطی بتاتا پھر اس کو مزید فائدہ نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے میں نے مریض کے اعتقاد کو مجروح نہیں کیا۔ [1]

(4) حکیم شیر علی بن حکیم الدین محی الدین

حکیم شیر علی بن حکیم محی الدین صدیقی نے علم طب کی درسی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں، اس کے بعد لکھنؤ میں حکیم امام بخش کی سرپرستی میں مطب شروع کیا اور پھر طبیب حاذق ہو کر نواب آصف الدولہ بہادر کے دور حکومت میں تحصیل داری اور فوجداری کی۔ لیکن بڑھاپے میں گوشہ نشین ہو گئے۔

نہایت متقی، صوم وصلوۃ کے پابند تھے، ہر وقت ذکر واذکار میں مشغول رہتے تھے، آپ کے نسخے میں دوا کے اجزاء بہت کم ہوتے تھے، مریض کو دیکھنے گھر نہیں جاتے تھے، مطب سے جو آمدنی ہوتی اسے غرباء میں تقسیم کر دیتے تھے۔

(1) عصری علوم

۱۸۴۰ء میں بخار واسہال کے عارضے میں مبتلا رہ کر ۷۵/ سال کی عمر میں وفات پائی، سات بیٹے اور پانچ بیٹیاں یادگار چھوڑیں، بیٹوں میں ہر ایک طبیب حاذق تھا۔

ایک مرتبہ لوگ ایک بچے کو حکیم شیر علی احمد آبادی کے پاس لائے، یہ بچہ کان کے درد کی وجہ سے بے ہوش تھا اور جب ہوش آیا تو کہتا تھا کہ کوئی چیز میرے کان میں کاٹ رہی ہے، حکیم صاحب نے فرمایا کہ:

حقہ کی نلکی لائی جائے

تو اس کو انہوں نے اس کو قلم کی طرح چھری سے تراشا جو ان کے قلم دان میں تھی، اور اس بیمار بچہ میں لگادی، اور دوسری طرف جلتا ہوا ایک فتیلہ رکھ دیا، ذرا دیر نہ ہوئی تھی کہ بچہ کا درد رفع ہو گیا۔

جب نلکی کو زمین پر مارا تو اس میں ایک ہزار پایہ جسے کھن کھجورہ کہتے ہیں باہر نکلا جسے دیکھ کر لوگ حیران رہ گئے۔[1]

(1) عصری علوم

آج کا دن

ان برگزیدہ لمحون کے نام: جن میں کائنات کی سب سے عظیم ہستی کا ورود مسعود ہوا تھا۔

اس مکرم گود کے نام: جس کی ملائمت سے ایک یتیم کی کلکاریاں فضاؤں کو نغمہ گیر کر گئیں۔

اس مقدس یتیم کے نام: جو یاد خدا میں اس قدر کھویا رہتا کہ اسے باپ کی شفقت سے محرومی کا ملال کبھی نہ ہوا۔

ان معزز بکریوں کے نام: جنھیں بنی ہاشم کا ایک یتیم چرایا کرتا تھا۔

ان متبرک ٹیڑھے میڑھے راستوں کے نام: جن پر سے گزر کر خاندان قریش کا ایک نوجوان غار حرا کی گود میں جا بیٹھا تھا۔

اس مبارک ساعت کے نام: جس میں جبریل امین نے ایک امی کو "اقراء" کا سبق پڑھایا۔

اس عظیم معلم کے نام: جس کی تعلیمات سے کائنات کا ذرہ ذرہ روشن ہو کر رہ گیا۔

ان سعید کنکریوں کے نام: جنھوں نے ابوجہل کی مٹھی اس ذات اقدس کے نبی ہونے کی گواہی دی۔

اس منکسر المزاج نبی کے نام: جو فاقے پر فاقے کرتا رہا لیکن صبر اور شکر کا دامن کبھی ہاتھ سے جا نے نہیں دیا۔

ان محترم پتھروں کے نام: جنھیں دنیا کی سب سے عظیم ہستی بھوک کی شدت سے اپنے پیٹ پر باندھ لیا کرتی تھی۔

ان لاثانی نعلین کے نام: جو طائف میں زخموں سے بہنے والے خون کے باعث پاؤں سے چپک گیے تھے۔

ان درد بھری سسکیوں کے نام: جو امت کے درد میں محترم نبی کے معظم سینے سے نکلتی تھی۔
آنسوؤں کی ان انمول لڑیوں کے نام: جو امت کی بخشش کی خاطر رب رحیم و کریم کے حضور بہائی گئیں۔
انکساری کے ان سجدوں کے نام: جو بدر کے میدان میں عین جنگ کے موقع پر فتح و کامرانی کے لیے کیے گئے۔
لکڑی کے اس نایاب ممبر کے نام: جو آپ کی جدائی میں زار و قطار روتا تھا۔
مٹی کے ان مسعود ذروں کے نام: جنہوں نے آپ کے جسم اطہر کو گنبد خضرا کی آغوش میں چھپا لیا۔
ان کے نام جو سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے